Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

७५७.

103942 14/342

3298

छबील दास, ले.

मेरी इन्कलाब यात्रा. नई दिल्ली : पेस एशिया

प्रदक्षिणा. कानपुर : साहित्य निकेतन,

114पे०.

103894 84/1202

3304

तिवारी, भोलानाथ, ले

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

1436

मीर हसन
हयात और अदबी खिदमत
डॉ० : फ़रमान फ़तेहपुरी

छबील दास, ले.
मेरी इन्कलाब यात्रा. नई दिल्ली : प्रेम प्रकाश तिवारी. श्रीलालाश ले
3304

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

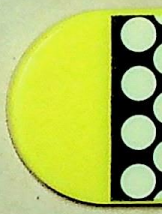

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

1436

میر حسن

حیات اور ادبی خدمات

(اس مقالے پر گورکھپور یونی ورسٹی نے پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی)

ڈاکٹر فضل الحق

1436:U

ادارہ تصنیف ایف ۹/۱۱ ماڈل ٹاؤن دہلی ۹

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اشاعت اول ۷۵۰

سنہ اشاعت ستمبر ۱۹۷۳ء

قیمت ۱۵ روپے

PRICE RS. 18-00

PRICE RS. 15-00

پریس جمال پرنٹنگ پریس دہلی

ناشر کشور سلطانہ

ملنے کا پتہ

(۱) مکتبہ شاہراہ اردو بازار دہلی

(۲) مکتبہ جامعہ اردو بازار دہلی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

Forwarded with Compliments by the
Department of Culture, Govt. of India

انتساب

شعبہ اردو

اور

صدر شعبہ اردو، ڈاکٹر محمود الٰہی کے نام

جن کی نگرانی میں یہ مقالہ لکھا گیا

بیان وصفِ تو گفتن نہ حدِّ امکان ست
چرا کہ وصفِ تو بیروں ز حدِّ اوصاف ست

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

فہرست

صفحات

پیش لفظ

خلاصۂ مطالب

باب اول — خاندانی حالات

باب دوم — اردو مثنوی کا ارتقاء

باب سوم — مثنوی سحرالبیان

باب چہارم — غزل گوئی

باب پنجم — قصائد، مراثی اور رباعیات وغیرہ

باب ششم — تذکرہ نگاری

کتابیات

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پیش لفظ

قلم اٹھایا تھا کہ اس چھوٹے سے کمرے کی تصویر ابھر آئی جسے ہم فخر سے شعبۂ اردو کہتے تھے۔ لکڑی کی تین چار کرسیاں ایک اسٹول، دو تین ڈسک رکھے ہوئے ہیں میز پر ہلکے نیلے رنگ کا میز پوش بچھا ہے جس پر ایک لکڑی کا قلمدان اور گھنٹی رکھی ہوئی ہے جس کے استعمال سے اکثر پرہیز کیا جاتا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ عتیق عالم خاں حسب مرضی جب اور جس طرح چاہیں استعمال کریں۔ خاں صاحب شعبے کی جملہ پابندیوں سے محفوظ تھے۔ ایم۔ اے۔ سال اول کے طلباء (جن کا شمار پرخلوص احباب میں ہوتا تھا) آجاتے تو اسٹاف روم، کلاس روم بن جاتا۔ اس زمانہ میں استاذی ڈاکٹر محمود الٰہی صاحب شعبے کی تمام ذمہ داریاں تنہا سنبھالے ہوئے تھے۔ تعلیمی مسائل کے ساتھ شعبے کی ترقی اور طلباء کی بہبودی پر گفتگو ہوا کرتی تھی مگر اکثر احساس کمتری اور مایوسی کا سایہ نظر آتا۔

میرا داخلہ ہو چکا تھا لیکن ابھی ادب کے علاوہ زندگی کے دوسرے موضوعات و معاملات سے دلچسپی زیادہ تھی ڈاکٹر سلام سندیلوی کی آمد کچھ ایسی بابرکت ثابت ہوئی کہ چند ماہ بعد میں بھی پنجوں کے بل کھڑا ہو کر اساتذہ کی صف میں داخل ہو گیا اور نہ جانے کب اور کیسے ناامیدی اور مایوسی کی اس فضا میں زندگی کروٹیں لینے لگی، شعبۂ اردو پر پنجاب ہوٹل کی کچھ ایسی چھوٹ پڑی کہ ہر شخص مسرور و مصروف نظر آنے لگا۔ ڈاکٹر نقوی تشریف لائے تو چہل پہل کے ساتھ ہنگامہ آرائیوں کا دور شروع

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہوا۔ شعبہ، سائنس بلاک میں منتقل ہوا تو ہمیں دو کمرے ملے۔ لیکن کشادگی عجیب رنگ لائی، اب پردے ہٹنے اور کبھی کبھی غائب ہونے لگے۔ استاذی محترم اکثر مسائل کو الجھانے اور سلجھانے میں کمال فنکاری کا ثبوت دیا کرتے تھے۔ پنجاب ہوٹل کے اثرات سے پیدا ہونے والی اکثر پریشانیوں کا تدارک ڈاکٹر صاحب کے بغیر ناممکن ہو جاتا تھا۔ میں اور ڈاکٹر نقوی صاحب انھیں کی شہہ اور شہادت پر جان بازی کا ثبوت دیا کرتے تھے۔

میرے احباب کا دائرہ لامحدود تھا اسٹاف روم میں بیٹھنا مشکل ہو جاتا کبھی کبھی یہ حادثہ بھی ہو جاتا کہ میں کلاس میں ہوں اور دو چار احباب میری خیریت دریافت کرنے ڈاکٹر صاحب کے پاس آجاتے۔ شرارتیں اکثر ناگوار گزرتیں لیکن کبھی اظہار نہ کرتے، بات زیادہ آگے بڑھی تو کبھی کبھی دوستوں کی محفل میں "مقالہ" کی تیاری کے متعلق سوال کرنے لگے۔ کچھ دنوں تک اس روایت کی پابندی کی گئی پھر چہرے پر خفگی اور لہجے میں سختی کے آثار دکھائی دینے لگے لیکن یہ وار بھی خالی گیا انھیں اندازہ ہو گیا تھا کہ مسئلہ اتنا آسان نہیں، چنانچہ ہمدردی، محبت اور شفقت سے کام لینا شروع کیا۔ پنجاب ہوٹل کے منیجر کے سامنے پڑی ہوئی کرسی پر گھنٹوں بیٹھے رہتے کیوں کہ میں نے مقالہ کا ایک حصہ مکمل کر کے خدمت میں پیش کرنے کا وعدہ کیا تھا انھیں غالباً یہ معلوم تھا کہ وہ ہٹے اور میں غائب ہوا۔ مقالے کی تکمیل کے لئے اسی توجہ، دردمندی اور دلداری کی ضرورت تھی۔

مقالہ دس سال کے بعد شائع ہو رہا ہے۔ اس مدت میں میر حسن اور ان کے خاندان کی خدمات پر چند اہم کتابیں چھپ چکی ہیں۔ پروفیسر مسعود حسن رضوی اور

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ڈاکٹر وحید قریشی کی تحقیقات قابلِ قدر ہیں لیکن اس کے باوجود یہ مقالہ تحصیل لاحاصل کے ذیل میں نہیں آتا۔ دس سال پیشتر ریسرچ اسکالر کی حیثیت سے میں نے میر حسن کی ادبی خدمات کے متعلق جس طرح سوچا تھا آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ نظرثانی، کاٹ چھانٹ سے قصداً پرہیز کیا ہاں یہ ضرور ہے کہ کچھ حصے کتاب کے لئے بے جوڑ تھے انھیں حذف کر دیا گیا۔

معاشی بدحالی اور ذہنی الجھنوں کے اس دور میں کتاب کی اشاعت مشکل نہیں تقریباً ناممکن تھی لیکن ایک محبوب شخصیت نے دلداری و دل نوازی سے کام لیا اور دل کافر کو بندگی کا ہنر سکھایا تو دوسری نے دستگیری کی اور اس طرح یہ کٹھن منزل کبھی سر ہو گئی۔ بھیا، بھابی، چلینو (بیٹا) اور پیارے میاں (عبدالقدوس) کی طرف دیکھتا ہوں تو تنگ دستی اور تہی دامنی کا احساس ختم ہو جاتا ہے۔ عزیزم ظہیر الحسن نے کتابت اور برادر محترم فخر الحسن صاحب نے طباعت کی ذمہ داریاں سنبھال کر بہت سی الجھنوں سے نجات دلا دی۔ ڈاکٹر عبدالحق اور ڈاکٹر نور محمد نے متن کی صحت میں ہاتھ بٹایا میں ان حضرات کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

فضل الحق

۲۵ اگست ۱۹۷۳ء

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

خلاصۂ مطالب

میر حسن کا شمار ان عہد ساز شخصیتوں میں ہے جنھوں نے اودھ میں ایک نئے دبستان کی بنیاد ڈالی۔ دبستان لکھنؤ کی آبیاری میں یقیناً ناسخ و آتش اور ان کے تلامذہ کا خون جگر صرف ہوا لیکن اس کی تاسیس میں دہلی کے مہاجر شعرا کی طرح میر حسن نے بھی دہلی کے مزاج کی نمایندگی کی اور بقدر ظرف نئے ماحول سے استفادہ بھی کیا۔ انھوں نے اردو زبان و ادب کی کیا خدمت کی یہ مقالہ اس پر تحقیقی و تنقیدی نظر ڈالنے کی پہلی کوشش ہے۔

مقالہ چھ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے:

فنکار اپنے ماحول کا ترجمان ہوتا ہے کسی فنکار کی تخلیقات اور اکتسابات کا جائزہ لینے سے پہلے اس کے گرد و پیش کا سمجھنا ضروری ہوتا ہے جس میں وہ سانس لیتا رہا ہے اور جس سے اثر قبول کیا۔ پہلے باب میں میر حسن کے خاندان اور ان کے بزرگوں کی معاشی، سماجی اور ادبی حیثیت اور شخصیت سے اس طرح بحث کی گئی ہے کہ پورا ماحول سامنے آجاتا ہے۔ اسی باب میں میر حسن کی سوانح پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اب تک کسی شخص نے ان امور کی طرف اشارہ نہیں کیا تھا کہ میر حسن کے جد اعلیٰ کب اور کیسے ہجرت کر کے ہندوستان آئے پھر یہ خاندان کس طرح ادبی خدمت پر مامور ہوا میر حسن کے والد میر ضاحک کا وجود "گنجینۂ معنی کا طلسم" بن کر رہ گیا تھا۔ ایک تذکرہ نگار نے جو بیان کر دیا دوسروں نے مشعل راہ بنا لیا۔ اسی باب میں خارجی اور داخلی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

شہادتوں کی مدد سے میر ضاحک کی سوانح اور ادبی زندگی کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اسی باب میں میر حسن کی تاریخ پیدائش، تاریخ ہجرت (دہلی سے) شعر گوئی کا آغاز، دربار سے قربت اور تعلق پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔

دوسرے اور تیسرے باب میں (جو دراصل ایک ہی باب کے دو حصے ہیں) میر حسن کی مثنوی نگاری سے بحث کی گئی ہے۔ سب سے پہلے مثنوی کی تعریف پیش کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ درحقیقت اصنافِ سخن کی عروضی ترکیب کا نتیجہ ہے لیکن جب یہ صنف ایجاد کی گئی ہوگی تو واضع کا مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں رہا ہوگا کہ اس کے دونوں مصرعے ردیف و قافیہ کے لحاظ سے دوسرے شعر کے مصرعوں سے منفرد ہوں۔ اس لفظ کا لغوی ماخذ یہ بتاتا ہے کہ اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں تھی رفتہ رفتہ مثنوی توضیحی اور بیانیہ شاعری کے لئے وقف ہوگئی، قصہ پن اور افسانویت اس کا لازمی جزو بن گیا۔ بحریں مخصوص کر دی گئیں۔ بحروں کی حد بندی یا تخصیص دراصل موضوع کی حد بندی اور تخصیص کی غمازی کرتی ہے۔ ہر موضوع کے لئے ہر بحر موثر نہیں ہو سکتی۔ جس طرح موسیقی کے الگ الگ راگ ہیں جو اپنے اندر مختلف کیفیات کے اظہار کی طاقت رکھتے ہیں اسی طرح ہر بحر میں کچھ نہ کچھ ایسے عناصر مضمر ہیں جو صرف مخصوص کیفیات کے اظہار کے لئے موثر ہوتے ہیں۔ جدید ایران نے تو اس امر پر بھی تحقیق کر لی ہے کہ غزل کے لئے کس دور میں کون کون سی بحریں زیادہ استعمال کی گئی ہیں اور ایسا کیوں ہوا ہے۔ مثنوی ہمیشہ چھوٹی بحروں میں لکھی گئی۔ رزمیہ اور بزمیہ کے لئے الگ الگ بحریں مخصوص کر دی گئی تھیں۔

اس باب میں جہاں صنف مثنوی کے عروضی اور ہیئتی ارتقا پر روشنی ڈالی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

گئی ہے وہاں مثنوی کے ارتقار کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ میر حسن پہلے مثنوی نگار ہیں جنھوں نے اس صنف کو صحیح معنی میں برتا اور زور بیان میں فارسی مثنویوں کا ہم مرتبہ بنانا چاہا۔

میر حسن نے سحر البیان کے علاوہ چودہ مثنویاں اور لکھیں، سحر البیان کی تخلیق سے پہلے وہ اس صنف میں کافی تجربہ کر چکے تھے اس مثنوی میں ان کے سارے تجربے سمٹ کر آ گئے ہیں۔ اسی باب میں ان کی غیر مطبوعہ مثنویوں سے بحث کی گئی ہے اور تمام مثنویوں کو پیش نظر رکھ کر ان کی ادبی شخصیت کا تعین کیا گیا ہے۔

سحر البیان شمالی ہند کی پہلی مثنوی ہے جس میں داستانی عناصر کی گہری چھاپ ملتی ہے۔ اس سے پہلے داستان کو ادبی درجہ نہ مل سکا تھا اس کے علاوہ میر حسن نے انسانی اور پرستانی کرداروں کو اس طرح جوڑ دیا ہے کہ دونوں ایک ہی رُخ کے مختلف مظاہر معلوم ہوتے ہیں۔

مثنوی سحر البیان میں اس ماحول اور سماج کی جیتی جاگتی تصویر پیش کی گئی ہے اس زمانہ کے لباس زیورات اور شادی وغیرہ کا کیا طور طریقہ رہا ہے ان سب کا حال مثنوی سے معلوم ہو جاتا ہے۔ اس باب میں ان امور پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ اب تک جن زاویوں سے مطالعہ کیا جاتا رہا ہے یہ زاویۂ نظر مختلف ہے۔

اس مقالے کے چوتھے باب میں میر حسن کی غزل گوئی سے بحث کی گئی ہے ہماری ادبی تاریخ میں کسی شاعر کے محاسن و معایب کی پرکھ غزل کے اشعار سے ہوتی ہے اور سچی بات تو یہ ہے کہ غزل گو اور شاعر مترادف الفاظ کے طور پر استعمال کیے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جاتے ہیں۔ سودا نے قصیدہ نگاری میں کمال حاصل کیا مگر شاعرانہ عظمت کے اظہار کے لیے غزل کا سہارا لئے بغیر نہ رہ سکے۔ میر حسن مثنوی نگار ہی نہیں بلند پایہ غزل گو بھی تھے۔ ان کے دواوین کے مختلف نسخوں کو سامنے رکھ کر غزلوں کے متن کا مقابلہ کیا گیا ہے اور پھر ان غزلوں کی خصوصیات سے بحث کی گئی ہے۔

مسلسل غزل گوئی میر حسن کی طبیعت کا ایک جزو بن گئی تھی اسی لئے ان کی غزلوں میں بھی ایک طرح کا تسلسل ملتا ہے۔ میر حسن کوئی بہت بڑے غزل گو نہیں تھے لیکن ان کا شمار اس طبقہ غزل گویاں میں ہوگا جس نے غزل کو غزل ہی رکھا اسے کچھ اور نہیں بنایا۔

میر حسن کی فنکاری کا کمال صرف مثنوی یا غزل ہی میں نہیں ظاہر ہوتا بلکہ انھوں نے اپنے زمانے کے تمام متداول اصناف سخن کو اپنے خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنایا مگر جب نقادوں نے میر حسن کی غزل گوئی پر بحث نہیں کی تو ان کے قصائد کو کیوں خاطر میں لاتے۔ سودا نے جو الفاظ و معنی کے جوہر بکھیرے ہیں وہ میر حسن کے یہاں نہیں ہیں مگر ان کی تشبیبوں میں جو مقامی رنگ ملتا ہے وہ ان کے کسی اور معاصر کے یہاں نہیں پایا جاتا۔ میر حسن کے قصائد سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اردو شاعری کو فارسی کی عام روایات سے الگ رکھنا چاہتے تھے اور قصیدے کو بھی جذباتی شاعری کا مظہر بنانا چاہتے تھے ان کے قصائد کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ مثنوی کی طرح مسلسل ہوتے ہیں ان کا قصیدہ شروع سے آخر تک ایک کیفیت کا حامل ہوتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ وہ تشبیب ہی میں سارا زور صرف کر دیں۔ میر حسن کی قصیدہ نگاری پر ان کی دوسری اصناف کو سامنے رکھتے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہوئے پانچویں باب میں بحث کی گئی ہے اور قصیدہ نگار کی حیثیت سے ان کے مرتبہ کا تعین کیا گیا ہے۔

اسی باب میں میر حسن کی رباعیات پر بھی بحث کی گئی ہے جس کی تعداد کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ انھوں نے بعض رباعیاں روایتی انداز میں کہی ہیں مگر چند رباعیاں ایسی بھی ہیں جنھیں اردو رباعی کا مورخ کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ امیر خسرو نے اپنے وقت کے پیشہ وروں پر رباعیاں لکھیں جو ایک طرف خاکہ نگاری کا بہترین نمونہ ہیں اور دوسری طرف لفظی حسن کی ترجمان اس باب میں ان رباعیات پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے اور اردو رباعی کی تاریخ میں اس کی اہمیت کیوں ہے، اس کا جواب دیا گیا ہے۔

اسی باب میں میر حسن کی دوسری غیر مشہور اصناف کا جائزہ لیا گیا ہے مثلاً ترکیب بند مثلث وغیرہ۔ درحقیقت یہ باب اس امر پر بحث کرتا ہے کہ میر حسن کا مطالعہ اسی وقت مکمل ہو سکتا ہے جب ان کے کمال کے سارے نمونے سامنے آجائیں۔

اساتذہ کا یہ تنقیدی شعور تذکروں کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے اور اگر ہم اپنی تنقید کی جڑیں تلاش کرنا چاہیں تو انھیں تذکروں میں ملیں گی افسوس اس کا ہے کہ اب تک اردو شعرا کے تذکروں پر تنقیدی اور تحقیقی نظر نہیں ڈالی گئی۔ جو دو چار مضامین یا کتابچے لکھے گئے ہیں ان کی حیثیت صرف اتنی ہے کہ ہم ان کا نام لے سکیں۔ اس باب میں جو اس مقالہ کا آخری باب بھی ہے۔ میر حسن کی تذکرہ نگاری پر کھل کر بحث کی گئی ہے اور یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان کا اور ان کے زمانہ کا معیار تنقید کیا تھا اور آنے والی نسلوں کو انھوں نے کیا دیا۔

میر حسن سے پہلے شمالی ہند میں میر تقی میر، گردیزی اور قائم کے تذکرے موجود تھے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جن میں میر کا تنقیدی شعور سب سے زیادہ پختہ تھا۔ مگر وہ جذباتیت کا شکار ہو کر توازن کھو بیٹھے۔ گردیزی نے میر پر جوابی حملہ کیا تذکرہ گردیزی کی اہمیت میر کے جواب کی حیثیت سے ہے۔ قائم کا تذکرہ دراصل بیاض کی صورت میں شروع ہوا۔ مگر کچھ دنوں کے بعد انھوں نے اس بیاض کو تذکرہ کی شکل عطا کر دی۔ قائم کے یہاں میر کی طرح دو ٹوک رائیں نہیں پائی جاتیں۔ انتخاب کلام کے لحاظ سے بھی نکات الشعرا مخزن نکات سے بڑھا ہوا ہے۔ دکنی شعرا کے بیان کی طرف سب سے پہلے قائم نے توجہہ کی۔ شعرا کو مختلف ادوار میں تقسیم کر کے قائم نے اردو تذکرہ نگاری کو ایڈیٹری ہسٹری کا رجحان عطا کیا۔

میر حسن نے قائم کی تقسیم سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہر دور میں ہیجی تقسیم بھی بڑھا دی تنقیدوں میں جذباتیت کم پائی جاتی مخالفین کے کلام پر بھی وہی رائے دیتے ہیں جو ہر منصف مزاج دیتا۔ کلام پر رائے دیتے وقت اکثر مسلم الثبوت اساتذہ کی مخالفت کرتے ہوئے بھی نہیں ڈرتے۔ انتخاب کلام میں میر حسن کا مقابلہ میر تقی میر بھی نہیں کر سکتے۔ پورا تذکرہ ذاتی مخالفتوں اور ادبی گروہ بندیوں سے پاک ہے۔

تذکروں سے اس زمانہ کے سیاسی اور سماجی حالات بھی معلوم ہوتے ہیں نیز یہی ایک ذریعہ ہے جس سے ہم شعرا کا سوانحی خاکہ حاصل کر سکتے ہیں۔ ان امور کو مدنظر رکھتے ہوئے میر تقی میر، گردیزی قائم اور میر حسن کے تذکروں کا جائزہ لیا گیا ہے اور ان تینوں تذکرہ نگاروں کا مقام متعین کرتے ہوئے میر حسن کی انفرادیت اور امتیازی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

باب اوّل

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

خاندانی حالات

ہماری ادبی تاریخ میں میر حسن کے علاوہ شاید ہی کوئی ایسا خوش نصیب خاندان ہوگا جس میں ادبی سربلندی و سرفرازی کی ایسی بے مثال روایت مل سکے۔ اس خاندان کو صرف یہی فخر حاصل نہیں کہ آنے والی نسلیں ادبی روایات کو سینے سے لگائے رہیں بلکہ یہ سعادت بھی نصیب ہوئی کہ نام بڑھتا گیا جب ایک کے بعد ایک ہوا[1]

اس خاندان میں شاعری کا باقاعدہ سلسلہ میر غلام حسین ضاحک سے شروع ہوتا ہے۔ حالانکہ میر حسن مرحوم تذکرہ شعرائے اردو میں اپنے جد اعلیٰ میر امامی موسوی ہروی کے متعلق گاہ گاہ شعر ہم کی فرمودند[2] کی اصلاح بھی دیتے ہیں

---

[1] اس ثنا خواں کے بزرگوں میں ہے کیا کیا مداح — جد اعلیٰ اسا نہ ہوگا — کوئی اعلیٰ مداح
باپ مداح کا مداح ہے دادا مداح — عم ذی قدر ثنا خوانوں میں یکتا مداح

جو عنایات الٰہی سے ہوا نیک ہوا
نام بڑھتا گیا جب ایک کے بعد ایک ہوا

[2] پارہ احوال مصنف تذکرہ شعرائے اردو میر وحید ایک مرثیے میں لکھتے ہیں۔

صد شکر کہ یاں ایک ہوا ایک سے افضل — کامل جو اٹھا خلق سے پیدا ہوا اکمل
جوہر نظر آنے گئے کر آگیا کس بل — شمشیر فصاحت پہ ہے یہ پانچویں صیقل

یہ تیغ وہ ہے سان پہ جو چڑھتی گئی ہے
ہر [illegible] اور پرسش بڑھتی گئی ہے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میر انیس مرحوم بھی جد اعلیٰ کی مرثیہ گوئی پر فخر کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ میر امامی کی عظمت، فضیلت شاعرانہ حیثیت اور منصب کے متعلق میر حسن کے بیان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا غالباً زیب داستاں کے لئے بات بڑھا چڑھا کر بیان کی گئی "گاہ گاہ شعر ہم می فرمودند" جیسے جملوں سے شاعرانہ حیثیت کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔

میر امامی موسوی ہردی کے لڑکے میر برات اللہ مرحوم کے حالات زندگی اور علم و فضل کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ میر شبیر علی افسوس ان کے لڑکے میر عزیز اللہ کو حاجی و فاضل لکھتے ہیں۔ نواب نصیر حسین خیال کا قول ہے کہ باپ بیٹے دونوں علم و فضل میں مشہور تھے[۲]۔ شبیر علی افسوس میر حسن کے ساتھ دس سال تک رہے۔ ان کا بیان قابلِ توجہ ہے لیکن نصیر حسین خیال کی تحریر پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

بارھویں صدی کے اواخر اور تیرھویں صدی میں لکھے گئے تذکروں میں ضاحک کا ذکر پایا جاتا ہے۔ میر حسن کے حالات بھی انھیں تذکروں میں ملتے ہیں، میر تقی میر[۳]، قائم، گردیزی اور شفیق اورنگ آبادی کے تذکروں میں ضاحک اور حسن کا ذکر نہیں ملتا جن تذکروں میں ضاحک اور میر حسن کا ذکر ملتا

۱؎ دیباچہ مثنوی سحر البیان قلمی ایشیاٹک سوسائٹی

۲؎ طنز و ظرافت نمبر بحوالہ قاضی عبدالودود ص ۱۲۵

۳؎ تذکرہ نکات الشعراء (مرتبہ عبدالحق صاحب) میں "میر حسن" کے عنوان (باقی اگلے صفحہ)

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہے۔ ان میں بھی خاندانی حالات کے متعلق تفصیل نہیں ملتی۔ جدا علی میر امامی موسوی ہروی کے علم و فضل و جاہت و عظمت کا ذکر کرتے ہوئے میر حسن نے بھی صرف یہ لکھا ہے کہ وہ ہرات کے رہنے والے تھے۔ شاہجہاں کے عہد میں دہلی آئے

سے یہ عبارت درج ہے،

"میر حسن تخلص بہ حسن جواں اہلیت نوکر پیشہ اکثر در بندہ خانہ بتقریب مجلس تشریف آور دوضع مرد آدمیانہ وارد شق۔

شعر از میر زا رفیع می کند از دست

لگتا ہے آج مجھ کو یہاں جہاں خراب — شاید کہ مر گیا ہے کوئی خانماں خراب

قاتل اگر کہے کہ سسکتا نہ چھوڑیو — خنجر تو ایک دم کے لئے منہ نہ موڑیو

مولوی عبدالحق صاحب اس بیان کو دیکھ کر فہرست میں میر حسن تحریر فرماتے ہیں لیکن تذکرہ ریختہ گویان میں گردیزی نے میر محمد حسن کو سودا شاگرد بتایا ہے اور ان کا یہ شعر نقل کیا ہے۔

لگتا ہے آج مجھ کو سارا جہاں خراب — شاید کہ مر گیا ہے کوئی خانماں خراب

قاتل اگر کہے کہ سسکتا نہ چھوڑیو — خنجر تو ایک دم کے لئے منہ نہ موڑیو

اس غزل کا دوسرا شعر قایم نے میر ابوالحسن وحشت کے نام سے لکھا ہے۔

قاتل اگر کہے کہ سسکتا نہ چھوڑیو — خنجر تو ایک دم کے لئے منہ نہ موڑیو

اس کے علاوہ کسی ایسے شاعر کا ذکر نہیں جس کا تخلص حسن رہا ہو۔

صاحب چمنستان شعراء اسی شعر کو میر محمد حسن کے نام سے لکھتے ہیں۔

میر محمد حسن "حسن" از تلامیذ میرزا رفیع سودا است

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

وطنِ عزیز کو چھوڑنے کی کیا وجہ تھی؟ ہندوستان کب اور کیسے آئے شاہجہاں کے دربار میں ان کا مقام کیا تھا؟ میر امامی کے علاوہ خاندان میں اور کون لوگ ہجرت کر کے آئے تھے؟ ضاحک سے پہلے دلی میں کتنی پشتیں گذر چکی تھیں؟ میر حسن اور ان کے خاندان پر تحقیقی کام کرنے والے کے سامنے اس قسم کے بہت سے سوالات آتے ہیں جن کے حل کرنے میں معاصر تاریخوں اور تذکروں سے کوئی امداد نہیں ملتی۔ خود میر حسن کلیات کے دیباچہ اور تذکرہ شعرائے اردو میں خاندانی حالات اور اپنے جد اعلیٰ میر امامی موسوی ہروی کے متعلق لکھتے ہیں:

"پوشیدہ نہ ماند کہ اصل این فقیر ابن غلام حسین ولد میر عزیز اللہ بن میر امامی ہروی است۔"

میر امامی ہروی کی علمی و ادبی حیثیت کے متعلق لکھتے ہیں:

میر امامی نور اللہ مرقدہ ہفت قلم و فاضلِ متجرد بود بہ سبب فضیلت در شاہجہاں آباد آمدہ بین الاقران ممتاز گردیدہ [1]

میر حسن مرحوم نے اپنے جد اعلیٰ میر امامی موسوی ہروی کا ذکر جن الفاظ و حسین انداز میں کیا ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے زمانے

---

[1] تذکرہ شعرائے اردو۔

گذشتہ صفحہ سے آگے:۔

لگتا ہے آج مجھ کو سارا جہاں خراب شاید کہ مر گیا ہے کوئی خانماں خراب

لیکن میر حسن تذکرہ شعرائے اردو میں ابو الحسن وحشت کے متعلق لکھتے ہیں:۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

1436

کی قابل قدر ہستیوں میں سے ایک رہے ہوں گے۔ ساتھ ہی ساتھ ان کی علمیت نے شاہجہاں کے دربار میں حسب لیاقت جگہ بھی حاصل کی ہوگی۔ مگر میر حسن کے مذکورہ بالا بیانات کی تصدیق کسی دوسرے ذریعہ سے نہیں ہوتی۔ صاحک اور میر حسن کے متعلق لکھتے ہوئے دوسرے تذکرہ نگاروں نے صرف

"غنچہ گلستانِ سخن میر ابوالحسن صاحب ہمت تخلص بہ وحشت مردے بود از سلک متوسطین نبیرا تیراندازخاں مرحوم سپاہی پیشہ بہ علاقہ نوکری بسر می بود مشق شعر بہ مشورہ میرزا رفیع سودا سلمہ اللہ کرد و دیوانے کہ مشاعرہ در شاہجہان آباد بہ خانہ آرزو (خاں) مقرر بود مدتے شد کہ بتقاضائے الٰہی فوت شد جوان اہل بود"

قاتل اگر کہے کہ سسکنا نہ چھوڑ دیو — خنجر تو ایک دم کے لئے منہ نہ موڑ دیو
لگتا ہے آج مجھ کو یہ سارا جہان خراب — شاید کہ مر گیا ہے کوئی خانماں خراب

تاہم اور میر حسن کے بیانات دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا اشعار میر ابوالحسن وحشت کے ہیں جن کو غلطی سے حسن اور میر محمد حسن کے ناموں سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ اب دیکھنا ہے کہ میر تقی میر، گردیزی اور شفیق اورنگ آبادی سے ابوالحسن وحشت کے نام اور تخلص میں بھی غلطی ہوئی یا نہیں۔

میر تقی میر کے تذکرہ نکات الشعراء میں اور گردیزی کے تذکرہ ریختہ گویان میں ابوالحسن وحشت کا ذکر نہیں ہے۔ مخزن نکات میں میر حسن اور میر محمد حسن کے بجائے ابوالحسن وحشت کا ذکر ملتا ہے۔ جیسا کہ لکھا جا چکا ہے شفیق گردیزی کا ساتھ دیتے ہیں چنانچہ قطعی طور پر یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ میر حسن یا میر محمد حسن سے مراد میر حسن، میر محمد حسن یا میر ابوالحسن وحشت

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

یہ بتایا ہے کہ ان کے آباؤ اجداد ہرات کے رہنے والے موسوی[1] سید تھے۔ عہد شاہجہانی کا تعین تذکرہ شعرائے اردو اور دیباچہ[2] دیوان حسن کے علاوہ بہت

اگر نشتہ صفحہ سے آگے) ہے اس سلسلہ میں میر تقی میر اور میر حسن کے بیانوں میں کچھ مطابقت پائی جاتی ہے جس سے فیصلہ کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے میر تقی میر حسن کو نوکر پیشہ حیوان اور شاگرد سودا بتاتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اکثر در ندیدہ خانہ بتقریب مجلس تشریف می آرد"

میر حسن تذکرہ شعرائے اردو میں ابوالحسن وحشت کے متعلق لکھتے ہیں کہ سپاہی پیشہ شاگرد سودا اور جہاں اہل تھے۔ اس بیان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ میر تقی میر اور گردیزی نے ابوالحسن وحشت کا نام اور تخلص لکھنے میں غلطی کی مگر ساتھ ہی ساتھ نکات الشعراء کی یہ عبارت بھی سامنے آجاتی ہے کہ اکثر در ندیدہ خانہ بتقریب مجلس تشریف می آرد یہ جملہ بتاتا ہے کہ میر تقی میر انھیں جانتے تھے چنانچہ غلطی کے امکانات ذرا کم رہ جاتے ہیں مگر اس کے بعد میر حسن کی عبارت پر بھی ذرا غور کیجئے:

(ابوالحسن وحشت) "مشق شعر بہ مشورہ میرزا رفیع سلمہ اللہ کرد
در ایامے کہ مشاعرہ در شاہ جہاں آباد بہ خانہ خان آرزو
مقرر بود مدتے شد کہ بتقاضائے الٰہی فوت شد

ان بیانات کو دیکھنے کے بعد میرا خیال ہے کہ میر تقی میر گردیزی اور شفیق اورنگ آبادی نے میر ابوالحسن وحشت کو غلطی سے میر حسن یا میر محمد حسن سمجھ لیا۔

[1] طبقات سخن: "حسن" بزرگانش از اوطن ہرات بود

مجموعہ نغز "حسن" خلف الصدق میر غلام حسین ضاحک از ایران وہ ولدش ہندوستان

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کم جگہوں پر ملتا ہے۔ میر حسن ضاحک سے بیشتر میر امامی اور میر عزیز اللہ کا نام لیتے ہیں۔ دیباچہ میں عزیز اللہ سے بیشتر میر برات اللہ کا نام نہیں ملتا ہے۔ اس دیوان میں نسب نامہ یوں دیا ہوا ہے۔

تذکرۂ طور کلیم، حسن، ہراتی الاصل دہلوی مولد

تذکرہ عشقی، حسن، پسر میر غلام حسین ضاحک تخلص ولد میر عزیز اللہ ابن میر امامی ہروی

تذکرہ ہندی، حسن، وطن بزرگانش ہرات است۔

عیار الشعرا، حسن، پسر غلام حسین ضاحک دے ایرانی الاصل و شاہجہاں آبادی المولد"

قطعہ منتخب، حسن، وطن ان کا ہرات مولد و جائے تربیت دہلی۔

طبقات الشعرائے ہند، حسن، بیٹا غلام حسین ضاحک کا پوتا امامی ہروی کا واقعی اسکے آباد اجداد ملک ہرات کے تھے

گلزار ابراہیم، حسن، بیٹا غلام حسین ضاحک تخلص کا اولاد ہے میر امامی ہروی کی۔

گلشن ہند، حسن، اولاد ہے میر امامی ہروی کی۔

تذکرہ سرور، حسن، اصلش از ایران زمین و مولدش دار الخلافہ۔

مدائح شعراء، حسن، از اولاد امجاد میر امامی موسوی رضوی است

گلشن بے خار، حسن، ضاحک ہراتی ہیں۔

بزم سخن، حسن، ابن میر غلام حسین اصلش از ہرات است

بوستان اودھ، حسن، پدرش از ہرات بہ دہلی آمدہ

انتخاب زریں، حسن، بزرگوں کا اصل وطن ہرات تھا۔

ف دیباچہ دیوان حسن تلمی رضا لائبریری رامپور

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

"میر غلام حسین ابن میر عزیز اللہ ابن میر برات اللہ ابن میر امامی موسوی"[1]
نصیر حسین خاں صاحب خیال رسالہ جادو اکتوبر ۱۹۲۵ء[2] میں میر امامی کے بارے
میں لکھتے ہیں:

میر امامی شاہ جہاں کے منصب داروں میں تھے ان کے حالات قلمبند ہیں[3]
نواب مرحوم نے ان کتابوں کا حوالہ دینا مناسب خیال نہ کیا اور یہ لکھ دینا کافی
سمجھا کہ ملاحظہ کی ضرورت ہو تو حوالہ دیا جا سکتا ہے۔ میرے خیال میں میر امامی کے حالات
اگر کسی غیر مستند کتاب میں بھی درج ہوتے تو نواب صاحب اس کا ذکر ضرور کرتے
گریز کا مطلب اس کے علاوہ کچھ نہیں ہو سکتا کہ انھیں میر امامی موسوی ہروی کے
متعلق کہیں تحریری مواد نہیں مل سکا صرف دیباچہ دیوان حسن رضا لائبریری رامپور
کی تحریر ان کے سامنے تھی۔

شاہجہانی دور کی تاریخوں[4] میں منصب داروں کی طویل فہرستیں دی ہوئی
ہیں۔ ان میں میر امامی موسوی ہروی کا نام نہیں ہے۔ جناب قاضی عبدالودود اپنے
مضمون "میر فلاک دہلوی"[5] میں لکھتے ہیں:

"ایک امکان یہ بھی ہے کہ یہ میر امامی نہیں۔ میر امانی ہوں۔

---

[1] ۔ دیباچہ دیوان حسن قلمی رضا لائبریری رامپور
[2] رسالہ جادو اکتوبر ۱۹۲۵ء مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
[3] شاہجہان نامہ معتمد خاں اور عمل صالح وغیرہ
[4] طنز و ظرافت نمبر علی گڑھ میگزین صہ ۱۲۵

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جن کا تذکرہ اوحدی وغیرہ میں ہے [۱]

قاضی صاحب نے تذکرہ اوحدی اور صحف ابراہیم سے درج ذیل عبارات نقل کردی ہیں:۔

تذکرہ اوحدی نسخہ پٹنہ: میر امانی ہراتی اکثر اوقات در کابل بسر بردے وفات جونپور ۸۵۱ھ۔

صحف ابراہیم، میر امانی کابلی (فہرست میں امامی مشہور بہ میر مسجہ (کذا) اصلش از ہرات است بسبب بسیار بودن کابل بہ کابلی شہرت یافتہ در جونپور سنہ ہفت و ہشتاد ویک از اسپ افتادہ بہ رحمت غفور پیوست [۲]

مذکورہ بالا بیانات جنھیں دیکھ کر جناب قاضی عبدالودود کو شبہ ہوا کہ میر امانی بھی میر امامی ہو سکتے ہیں اسے دیکھ کر ہر محقق کی پہلی نگاہ میں اسی شبہ کا شکار ہو سکتا ہے مگر خارجی اور داخلی شواہد کو سامنے رکھ کر غور کرنے سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ تذکرہ اوحدی اور صحف ابراہیم میں شاہجہاں کے جس منصب دار کا ذکر ملتا ہے۔ وہ میر امامی (عبدالعلی میر حسن) نہیں میر امانی کابلی ہیں۔ اس بیان کی تصدیق کے لئے تذکرہ اوحدی، صحف ابراہیم کی عبارات، میر حسن کا بیان [۳]

---

[۱] : طنز و ظرافت نمبر علی گڑھ میگزین ص ۱۲۵

[۲] " " " ص ۵۲

[۳] تذکرہ شعرائے اردو میر حسن

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اور دیباچہ دیوان حسن رامپور کی تحریر کافی ہے۔

صاحبانِ تذکرہ اوحدی اور صحف ابراہیم[1] نے میر امامی کا وطن ہرات بتاتے ہوئے ان کی تاریخ وفات اور جائے وفات جونپور کا ذکر صاف طور پر کر دیا ہے۔ مگر یہ کہیں نہیں ملتا کہ وہ ہرات سے ہجرت کر کے دہلی میں آباد ہوئے اور پھر وہاں سے جونپور کب اور کس سلسلہ میں آئے؟ برخلاف اس کے دیباچہ دیوان حسن اور تذکرہ شعرائے اردو میں میر امامی موسوی ہروی کی تاریخ وفات اور جائے قیام جونپور کا ذکر نہیں ملتا ہے۔ تاریخ وفات سے آگاہی ضروری نہیں لیکن جداعلیٰ میر امامی کی جائے قیام سے ناواقفیت سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔ اس کے علاوہ میر امامی کابلی تھے اور میر امامی موسوی ہرات سے دہلی تشریف لائے۔

دیباچہ دیوان حسن سے یہ اطلاعات تو ملتی ہیں کہ میر امامی شاہجہاں پور کے منصب داروں میں تھے مگر جونپور کے قیام کی طرف یہاں بھی کوئی اشارہ نہیں ملتا جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ میر امامی موسوی ہروی نے ہجرت کے بعد بقیہ زندگی دہلی میں گزاری۔

مجموعی طور پر پوری بحث کا حاصل یہ ہے کہ میر امامی موسوی ہروی کو شاہجہاں کے منصب داروں میں شریک کرنے کا فخر میر فرزند حسین کو ہے انہوں نے پہل کی اور نصیر حسین صاحب خیال نے تائید کر دی۔

---

[1] تذکرہ اوحدی اور صحف ابراہیم کتب خانہ پٹنہ بحوالہ قاضی عبدالودود طنز و ظرافت نمبر صد ۱۲۵

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

علم و فضل اور ذاتی حیثیت

میر امامی موسوی ہروی کے فضل و کمال اور ذاتی حیثیت پر اظہار خیال کرتے ہوئے میر حسن تذکرہ شعرائے اردو میں لکھتے ہیں:

میر امامی ہفت قلم فاضل متبحر بودند، بسبب فضیلت در شاہجہاں آباد آمدہ بین الاقران ممتاز گردیدند گاہ گاہ شعر ہم می فرمودند پس ایں عاجز را سررشتہ شاعری اجدادی است نہ امروزی۔"

دیباچہ دیوان حسن میں میر امامی کے متعلق مرقوم ہے۔

"در وقت شاہ جہاں بادشاہ از ہرات آمدہ بمنصب سہ ہزاری ذات بین الاقران ممتاز گردیدند فاضل متبحر و فقیہہ ہمالبودند دگاہ گاہ بہجت تفریح طبع شعر ہم می نمودند۔"[۲]

دیباچہ دیوان حسن میں میر امامی کو فاضل متبحر اور فقیہہ بے مثال بتایا گیا ہے۔ تذکرہ شعرائے اردو میں میر حسن انھیں ہفت قلم فاضل متبحر کہتے ہیں شاعرانہ حیثیت کے لحاظ سے دونوں بیانات میں بڑی حد تک اتفاق پایا جاتا ہے۔ میر حسن نے اپنا سررشتۂ شاعری اجدادی ثابت کرنے کے لئے اس جملہ کا اضافہ کر دیا ورنہ وہ بھی میر امامی کو بحیثیت شاعر کسی بلند مقام کا حامل نہیں سمجھتے۔ لیکن مذکورہ

---

[۱] تذکرہ شعرائے اردو میر حسن ص ۵۳

[۲] دیباچہ دیوان حسن قلمی رضا لائبریری رامپور

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بالا عبارات میں ایک جگہ ہفت قلم[1] اور دوسری جگہ فقیہہ بے مثال کا اضافہ ملتا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ میر امامی کی سماجی حیثیت اور ان کے علم و فضل کے متعلق بیانات میں یکسانیت نہیں پائی جاتی۔ میرا خیال ہے کہ ہراتی ہونے کی حیثیت سے میر امامی موسوی کو فارسی علم و ادب پر عبور حاصل رہا ہوگا، فنِ کتابت میں دست گاہ بھی تعجب خیز بات نہیں دستور زمانہ کے مطابق فقیہہ ہونا بھی غیر حقیقی معلوم نہیں ہوتا لیکن معاصر تذکروں اور تاریخوں میں ان کا ذکر نہ ہونے کی وجہ سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ تذکرہ اور دیباچہ میں زیب داستان کے لئے اضافہ ضرور کیا گیا ہے جسکو مورخین اور ناقدین نے قبول کر لیا[2]۔ قاضی عبدالودود صاحب لکھتے ہیں کہ:[3]

> بخوبی ممکن ہے کہ ان کے فضل و کمال اور ان کی ذاتی حیثیت کے باب میں میر حسن[4] نے مبالغہ سے کام لیا ہو۔

سرزمین ہرات سے ہجرت کی وجہ میر حسن فضیلت علم بتاتے ہیں۔ شیر علی افسوس اس کا سبب انقلاب زمانہ قرار دیتے ہیں مثنوی سحر البیان کے دیباچہ میں مرقوم ہے:

---

[1] تذکرہ شعرائے اردو کے تمام مطبوعہ نسخوں میں ہفت قلم بتایا گیا ہے۔

[2] دیوان کے دوسرے نسخوں میں دیباچہ نہیں ہے چنانچہ آزاد لائبریری علی گڑھ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ اور کتب خانہ شرقیہ پٹنہ کے نسخے اس سے خالی ہیں۔

[3] نصیر حسین خیال، امجد علی، امیر احمد علوی وغیرہ۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

گردش فلکی سے انہوں نے شہر مذکور کو چھوڑا اور دلی میں آکر پرانے شہر کا رہنا اختیار کیا۔

جناب امجد علی حیات انیس میں لکھتے ہیں:

"امامی ہروی نے کہ میر حسن کے جد تھے انقلاب زمانہ کے ہاتھوں وطن اصل کو چھوڑا اور پرانی دلی میں سکونت اختیار کی[1]

تذکرہ شعرائے اردو میں دتاسی کا بیان ہے کہ

"بسبب انقلاب زمانہ کے وہ دہلی میں آکر سکونت پذیر ہوا"[2]

گزشتہ صفحات میں میر امامی کی سماجی حیثیت اور علم و فضل پر تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ ہجرت کے متعلق مندرجہ بالا اقوال پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے

---

[1] ۔ حیات انیس صفحہ ۹

[2] تاریخ شعرائے دو دتاسی ترجمہ خلیق و کریم الدین ۲۹۱

[3] تذکرہ شعرائے اردو میر حسن مطبوعہ

[4] دیباچہ دیوان حسن رضا لائبریری رامپور

گذشتہ صفحہ سے آگے:۔

[5] علی گڑھ میگزین طنز و ظرافت نمبر صہ ۱۲۵

[6] میر امامی موسوی کی سماجی حیثیت اور ان کے علم و فضل کے باب میں میر حسن کے علاوہ میر فرزند حسین نے بھی مبالغہ سے کام لیا ہے انھیں منصب سہ ہزاری عطا کرنے کا سہرا میر فرزند حسن کے سر ہے

[7] ۔ دیباچہ سحر البیان تلی ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کہ میر امامی کی ہجرت کا سبب فضیلت علم نہیں انقلاب زمانہ تھا۔ شاہانِ مغلیہ کی شرفا پروری، علم دوستی اور قدر دانیوں کی داستانیں دنیا کے مختلف حصوں میں گونج رہی تھیں۔

اہلِ ایران خصوصیت سے فائدہ اٹھا رہے تھے چنانچہ میر حسن کے جد اعلیٰ بھی قدر دانی اور سربلندی کی خواہش لئے ہوئے ہندوستان آئے ہوں گے بادشاہِ وقت نے اس خاندان کے ساتھ کیسا برتاؤ یا سلوک کیا۔ اس کے متعلق کچھ کہنا مشکل ہے۔

میر امامی کی اولاد

میر حسن تذکرہ شعرائے اردو میں لکھتے ہیں:

"میر غلام حسین ابن میر عزیز اللہ ابن میر امامی موسوی ہروی"[1]

لیکن دیباچہ دیوان حسن رضا لائبریری رامپور میں نسب نامہ اس طرح دیا ہوا ہے

"میر غلام حسین ابن میر عزیز اللہ ابن میر ہرات اللہ ابن میر امامی موسوی"[2]

عشقی اپنے تذکرہ میں میر حسن کے بیان میں یوں رقمطراز ہے:

(حسن) "پسر میر غلام حسین ضاحک ولد میر عزیز اللہ ابن میر امامی ہروی"[1]

یادگار انیس میں جناب امیر احمد صاحب فرماتے ہیں۔

"چار پشتوں تک یہ خاندان دلی میں معزز و ممتاز رہا"[2]

---

[1] تذکرہ عشقی بیان حسن

[2] یادگار انیس صـ۱۲

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میر حسن مرحوم نے اپنے تذکرہ میں میر عزیز اللہ کو میر امامی کا بیٹا بتایا ہے لیکن دیباچہ میں میر برات اللہ کا نام ملتا ہے۔ عشقی نے تذکرہ شعرائے اردو کی مدد سے وہی خاندانی سلسلہ لکھ دیا ہے صاحب یادگار انیس نے دیباچہ کی عبارت نقل کردی۔

اگر میر برات اللہ مرحوم علمی یا دنیاوی حیثیت سے یادگار زمانہ ہوتے تو یہ شبہ کیا جا سکتا تھا کہ لوگوں نے خاندان کا وقار بڑھانے کے لئے شجرہ میں میر برات اللہ کا نام بڑھا دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تذکرہ میں میر برات اللہ کا نام چھوٹ گیا جس کو بعد میں میر فرزند حسن نے ٹھیک کر دیا۔ بظاہر تذکرے میں ایک نام چھوٹ جانا قرین قیاس ہے لیکن دیباچہ میں بغیر کسی وجہ کے ایک نام کا اضافہ ممکن نہیں معلوم ہوتا۔ جناب قاضی عبدالودود صاحب اپنے مضمون "میر ضاحک دہلوی" میں برات اللہ اور عزیز اللہ کے متعلق لکھتے ہیں:

"ظاہر اتذکرے میں سہواً ایک نام چھوٹ گیا ہے میرے نزدیک یہ بات بعید از قیاس ہے کہ دیباچہ میں ایک نام غلطی سے بڑھا دیا گیا ہو۔"[1]

محمود فاروقی نے اپنی کتاب "میر حسن اور خاندان کے دوسرے شعراء" میں شجرہ نصب تذکرہ شعرائے اردو اور یادگار انیس کی مدد سے ترتیب دیا ہے اسی لئے میر برات اللہ کے نام کے بعد نوٹ میں لکھتے ہیں:

---

[1] طنز و ظرافت نمبر ص ۱۲۶

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

"میر حسن نے اپنے تذکرے میں برات اللہ کا ذکر نہیں کیا ہے"[1]
محمود فاروقی کے نوٹ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے یادگار انیس کو مستند نہیں مانا ورنہ نوٹ میں اپنی رائے بھی دیتے۔

میر برات اللہ و میر عزیز اللہ

ہمارے تذکرے اور تاریخیں میر برات اللہ اور عزیز اللہ کے ذکر سے خالی ہیں، میر ضاحک کے والد کی حیثیت سے میر عزیز اللہ کا نام تذکروں میں ملتا ہے لیکن ان کی علمیت، سماجی حیثیت اور حالات زندگی کا اندازہ نہیں ہوتا اور نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان بزرگوں کا تعلق کس عہد سے تھا۔ اس سلسلہ میں صرف نواب نصیر حسین خیال نے اظہار خیال کیا ہے وہ عزیز اللہ کو بہادر شاہی اور ان کے والد کو عالمگیری[2] لکھتے ہیں لیکن زمانہ کا یہ تعین محض قیاسی ہے۔ خیال کے علاوہ کسی اور دوسری جگہ کا اس کا ثبوت نہیں پایا جاتا۔ عزیز اللہ کے علم و فضل کے متعلق شبیر علی افسوس لکھتے ہیں:

"دادا اس عالی قدر (میر حسن) کا کہتے ہیں کہ عالم و فاضل تھا"[3]

---

[1] میر حسن اور خاندان کے دوسرے شعراء صفحہ ۲۶

[2] طنز و ظرافت نمبر علی گڑھ یونیورسٹی،

[3] دیباچہ مثنوی سحر البیان قلمی ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نصیر حسین خیال کا دعویٰ ہے کہ دونوں باپ بیٹے علم و فضل میں مشہور تھے برات اللہ کے علم و فضل کے متعلق خیال کے علاوہ کسی نے ذکر نہیں کیا۔ ان کے بیان میں ایک بڑی اہم بات اور بھی ہے۔ انہوں نے باپ بیٹوں کا فیصلہ اس اندازے سے کیا ہے کہ میر عزیز اللہ میر برات اللہ کے والد ہو گئے۔ رسالہ جادو مئی ۱۹۲۵ء میں میر حسن کے ہاتھ کے لکھے ہوئے دیوان کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"میر حسن کا دیوان خود ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا ملک عارف نواسۂ میر انیس، میری نظر سے گزرا ہے اور اس میں میر عزیز اللہ کے بعد میر برات اللہ کا نام ہے"[۲]

اگست ۱۹۲۵ء کے شمارے میں جناب صدر یار جنگ بہادر نے تشریح طلب کرتے ہوئے نواب صاحب سے سوال کیا کہ:

"دیوان مذکور میں شجرہ نسب کس قلم کا لکھا ہوا ہے خود میر حسن کے ہاتھ کا یا کسی اور کے ہاتھ کا"[۳]

خیال نے اس کا جواب دیا کہ:

"جب دیوان میر حسن کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ یہ شجرہ بھی ان کے قلم کی تحریر نہ ہو"[۴]

---

[۱] طنز و ظرافت بمبر علی گڑھ یونیورسٹی صد ۱۲۴

[۲] رسالہ جادو مئی ۱۹۲۵ء مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ

[۳] رسالہ جادو اگست ۱۹۲۵ء آزاد لائبریری علی گڑھ

[۴] " " اکتوبر ۱۹۲۵ء آزاد لائبریری علی گڑھ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نصیر حسین خیال کی تردید کے لئے میر حسن کے علاوہ اور دوسرے تذکرہ نگاروں کو پیش کیا جا سکتا ہے جنہوں نے میر ضاحک کو پسر عزیز اللہ دہلوی بتایا ہے

تذکرہ شعرائے اردو "مولانا میر غلام حسین المتخلص بہ ضاحک ابن عزیز اللہ"

تذکرہ عشقی "ضاحک ولد میر عزیز اللہ"

سخن شعراء "ضاحک تخلص میر غلام حسین ولد میر عزیز اللہ دہلوی"

طور کلیم "میر غلام حسین پسر میر عزیز اللہ دہلوی است"

تذکرہ شعرائے اردو، تذکرہ عشقی، سخن شعرا اور صاحب طور کلیم کے بیانات دیکھنے کے بعد کوئی محقق نصیر حسین کے خیال سے اتفاق نہیں کر سکتا۔

میر غلام حسین ضاحک

غلام حسین نام اور اس سے پہلے "میر" لکھا جاتا ہے۔ ان کے جد اعلیٰ امامی موسوی ہروی برات اللہ اور عزیز اللہ کے آگے بھی عموماً لفظ "میر" کا اضافہ ملتا ہے۔ موسوی سید ہونے کی وجہ سے خیال ہوتا ہے کہ میر امامی امام ہفتم موسیٰ کاظم کی اولاد میں تھے۔ پروفیسر مسعود حسن رضوی کے ذاتی کتب خانہ میں میر خلیق کی صاحبزادی کا نکاح نامہ موجود ہے۔ اس پر خلیق کی جو مہر ثبت ہے۔ اس میں سید مستحسن رضوی کے الفاظ درج ہیں۔

پروفیسر مسعود حسن رضوی کا اقتباس ملاحظہ کیجئے:

"میر حسن نے میر امامی کو موسوی لکھا ہے جس سے خیال ہوتا ہے کہ وہ امام ہفتم حضرت موسیٰ کاظم کی اولاد میں تھے لیکن میر حسن کے بیٹے اور میر انیس کے والد میر مستحسن خلیق خود کو رضوی لکھتے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تھے۔ راقم الحروف کے ذخیرے نوادر میں میر خلیق کی ایک صاحبزادی کا اصل نکاح نامہ موجود ہے اس پر میر خلیق کی جو مہر ثبت ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ میر خلیق اور ان کے بزرگ امام ہشتم جناب موسیٰ رضا کی اولاد سے تھے۔

ضاحک سے پیشتر دلی میں تین پشتیں گذر چکی تھیں۔ ان کے والد میر عزیز اللہ حاجی و فاضل تھے[1] لیکن بیٹے کو وہ علمیت حاصل نہ ہو سکی بچپن میں شرح مائۃ عامل عربی پڑھی فارسی میں ذوق اچھا تھا[2] اشعار رنگین و متین کہتے تھے۔ قدرت نے میر حسن جیسی لائق اور ذہین اولاد عطا کی لیکن انہوں نے بھی حالات زندگی پر تفصیلی گفتگو نہ کی عالم و فاضل، ناثر و ناظم بہ غایت فہیم ہزل دوست، مزاح پسند بذلہ گو و نکتہ سنج درویش مزاج اور متوکل[3] کہہ کر آگے بڑھ گئے۔ میر غلام حسین ضاحک کے خاندان میں مذکورہ بالا حضرات کے علاوہ دوسری ہستیوں کے متعلق کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ تذکرہ شعرائے اردو میں میر ابوالحسن وحشت ولد عبداللہ کے ترجمے میں لکھتے ہیں:

"میر ابوالحسن ولد میر عبداللہ از اولاد بندہ نواز گیسو دراز
چوں قبلہ گاہ ایں فقیر ازنبیسہ ہائے بندہ نواز اند
بنا بر ایں یک رشتہ داری ما ہم باوے ست[4]

---

[1] دیباچہ دیوان حسن قلمی رامپور

[2] دیباچہ سحر البیان افسوس قلمی ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ

[3] تذکرہ شعرائے اردو میر حسن

[4] تذکرہ شعرائے اردو

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کا سلسلہ نسب درج ذیل ہے:

خواجہ محمد گیسو دراز بن یوسف بن علی بن محمد بن یوسف
بن حسین بن محمد بن علی بن حمزہ بن داؤد بن زید ابوالحسن
جنید بن حسین بن عبداللہ بن عمر بن یحییٰ بن حسین بن
زید مظلوم بن زین العابدین بن حضرت سیدنا علی [1]

مذکورہ بالا بیانات کی رو سے میر غلام حسین ضاحک کا خاندان دادا اور نانا دونوں طرف سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے [2] لیکن اس کی تصدیق کسی اور ذریعہ سے نہیں ہوتی۔ دیباچہ دیوان حسن میں خواجہ بندہ نواز کی طرف کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ حالات زندگی کے علاوہ میر غلام حسین ضاحک کی تاریخ پیدائش کے بارے میں بھی تمام تذکرے اور تاریخیں خاموش ہیں نصیر حسین خیال نے ذتاسی کے حوالہ سے تاریخ پیدائش ۱۱۱۸ھ بتائی ہے [3]

قاضی عبدالودود لکھتے ہیں:

میرا قیاس ہے کہ ان کی پیدائش ۱۱۳۰ھ کے لگ بھگ ہوگی [3]

[1] مذکورہ بالا نسب نامہ جناب مبارز الدین رفعت نے تیار کر کے بھیجا ہے میں ان کا شکر گزار ہوں

[2] دادا کی طرف سے سلسلہ امام موسیٰ کاظم رحمتہ اللہ علیہ سے ہوتا ہوا حضرت علی تک پہنچتا ہے لیکن پروفیسر مسعود حسن رضوی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ میر خلیق اور ان کے بزرگ امام ہشتم جناب موسیٰ رضا کی اولاد سے تھے۔

[3] طرز و ظرافت نمبر علی گڑھ میگزین

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سفینۂ ہندی میں میر غلام حسین کی عمر ۶۰ سال لکھی ہے مگر ان اقوال پر تنقیدی نگاہ ڈالنے سے پیشتر تاریخ وفات کا تعین ضروری ہے اس سلسلہ میں صاحب گلزار ابراہیم لکھتے ہیں:

الحال کہ سال ہزار و صد و نود و شش ہجری باشد شنیدہ شد کہ در فیض آباد بوارستگی می گزراند[۲]

میر غلام حسین ضاحک کی وفات کے متعلق اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ان کا انتقال ۱۱۹۶ھ[۳] یا اسکے لگ بھگ ہوا تو بقول بھگوان داس تاریخ پیدائش ۱۱۳۶ھ قرار پائے گی۔ نصیر حسین خیال نے ذکاسی کے جس حوالہ سے تاریخ پیدائش ۱۱۱۸ھ متعین کی ہے۔ اس کے متعلق ذکاسی کے یہاں کوئی اشارہ نہیں ملتا لہٰذا اس پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔ خیال نے اپنی کتاب مغل اور اردو میں حاتم اور ضاحک کو ہم مکتب بتایا ہے[۴] حاتم کی تاریخ پیدائش ۱۱۱۱ھ ہے لفظ ظہور سے تاریخ

---

۱ سفینۂ ہندی بھگوان داس بحوالہ قاضی عبدالودود طنز و ظرافت علی گڑھ میگزین۔

۲ گلزار ابراہیم

۳ اس بیان کی تائید پروفیسر مسعود حسن رضوی کے یہاں سے بھی ہوتی ہے۔ ضاحک کی تاریخ وفات پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں "میر انیس کے فرزند اکبر میر نفیس کے نواسے میر علی محمد عارف نے ایک یادداشت میں لکھا ہے کہ میر ضاحک کا انتقال فیض آباد میں ۱۱۹۶ھ میں ہوا" بحوالہ اسلاف میر انیس ص ۳۴

۴ مغل اور اردو۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نکلتی ہے۔ ضاحک کی تاریخ پیدائش ۱۱۱۸ھ اور تاریخ وفات ۱۱۹۴ھ مان لی جائے تو انتقال کے وقت ان کی عمر تقریباً پچاسی ۸۵ یا چوراسی ۸۴ سال ہو جائے گی قاضی عبدالودود تاریخ وفات ۱۱۹۴ھ کے لگ بھگ مانتے ہوئے ضاحک کی تاریخ پیدائش ۱۱۳۰ھ[1] اور ان کے لڑکے میر حسن کی ۱۱۵۰ھ مانتے ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ انتقال کے وقت ان کی عمر ۶۶ سال تھی۔

جناب محمود فاروقی صاحب اپنی کتاب "میر حسن اور خاندان کے دوسرے شعرا" میں لکھتے ہیں:

"میرا خیال ہے کہ صاحب تذکرہ گلزار ابراہیم کا یہ بیان قابل قبول نہیں کیونکہ سودا کی وفات ۱۱۹۵ھ میں ہوئی تھی اور میر ضاحک کا انتقال سودا کی وفات سے پہلے ہو چکا تھا یہ ۱۱۹۲ھ غالباً ۱۱۹۲ھ ہے"[3]

سودا کی وفات سے پیشتر ضاحک کے انتقال کی تاریخ کے تعین سے اندازہ ہوتا ہے کہ محمود فاروقی نے محمد حسین آزاد کی روایت پر اعتماد کیا۔ آب حیات میں لکھا ہے۔

"میر ضاحک کا انتقال ہوا تو سودا فاتحہ کے لئے گئے اور دیوان

---

[1] طنز و ظرافت نمبر علی گڑھ میگزین ص ۱۲۶

[2] طنز و ظرافت نمبر علی گڑھ میگزین ص ۱۲۶

[3] میر حسن اور خاندان کے دوسرے شعراء ص ۲۵

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اپنا ساتھ لیتے گئے بعد رسم عزا پرسی کے اپنی یاوہ گوئی پر
جو کہ اس مرحوم کے حق میں کی تھی بہت سے عذر پیش کئے اور
کہا کہ سید مرحوم نے دنیا سے انتقال فرمایا تم فرزند ہو
جو کچھ اس روسیاہ سے گستاخی ہوئی معاف کرو، بعد
اس کے نوکر سے دیوان منگوا کر جو ہجویں ان کی کہی تھیں چاک
کر ڈالیں" [1]

محمد حسین آزاد گلزار ابراہیم کے حوالہ سے اپنے مذکورہ بالا بیان کی تردید
یوں کرتے ہیں:

"صاحب تذکرہ گلزار ابراہیم ۱۱۹۱ھ میں لکھتے ہیں کہ فیض آباد
میں ہیں اور وارستگی سے گزراں کرتے ہیں" [2]

محمود فاروقی کے سامنے محمد حسین آزاد کی دونوں تحریریں موجود تھیں
وہ گلزار ابراہیم کے قول کی تردید کسی تحریری ثبوت سے پیش نہ کر سکے چنانچہ انہوں نے
۱۱۹۶ھ کو ۱۱۹۲ھ بنا دیا ان کے ذہن سے یہ بات نکل گئی کہ تذکرہ میں ۱۱۹۶ھ
حروف میں لکھا ہوا ہے۔ یہ احتمال اس وقت ممکن تھا جب تاریخ اعداد میں دی
ہوتی۔ فاروقی کے بیان کی تردید کے لئے ایک دوسرا ثبوت بھی پیش کیا جا سکتا ہے
میر حسن نے اپنا تذکرہ ۱۱۹۱ھ میں مکمل کیا اور ۱۱۹۲ھ تک اضافہ کرتے

---

[1] آب حیات صفحہ ۲۲۲-۲۲۳

[2] آب حیات صفحہ ۲۲۵

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

رہے اس کی مثال شاہ فیضی کی تاریخ وفات ہے جو ۱۱۹۲ھ میں واقع ہوئی۔ میر ضاحک کا انتقال ۱۱۹۲ھ یا اس کے قریب ہوا ہوتا تو میر حسن ضاحک کے بیان میں اضافہ ضرور کرتے۔ ان دلائل کی بنیاد پر میرا خیال ہے کہ ضاحک کا انتقال ۱۱۹۲ھ کے بعد ہوا۔

بھگوان داس نے میر غلام حسین ضاحک کی عمر ۶۰ سال لکھی ہے لہٰذا تاریخ پیدائش تقریباً ۱۱۳۲ھ قرار پاتی ہے۔ قاضی صاحب نے اس تاریخ سے اختلاف کرتے ہوئے ضاحک کی تاریخ پیدائش ۱۱۳۰ھ متعین کی ہے۔ چنانچہ انتقال کے وقت ان کی عمر ۶۵ اور ۶۰ سال قرار پائے گی لیکن مذکورہ بالا تاریخوں کو قبول کرنے سے پہلے ہمارے سامنے تذکرہ شعرائے اردو میں ضاحک کے متعلق تحریر کردہ یہ عبارت بھی آجاتی ہے۔

"ازیں سال ترک روزگار نمودہ"[1]

جناب عرشی رامپوری کی تحقیق کے مطابق اگر میر حسن نے اپنا تذکرہ ۱۱۸۴ھ میں شروع کیا اور ضاحک کے بارے میں اس کے کچھ دنوں بعد لکھا گیا۔ یا بقول قاضی عبدالودود صاحب ۱۱۸۸ھ میں بھی لکھا گیا تو اس حساب سے ضاحک نے ۱۱۵۸ھ میں ملازمت ترک کردی۔ تاریخ پیدائش ۱۱۳۰ھ ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ انہوں نے ۲۸ سال کی عمر میں ملازمت ترک کی

---

[1] تذکرہ شعرائے اردو میر حسن ص ۱۰۴

[2] قاضی صاحب اپنے مضمون میر ضاحک دہلوی میں لکھتے ہیں "تذکرہ میر حسن میں ضاحک کے بارے میں ۱۱۸۸ھ کے لگ بھگ لکھا گیا" بحوالہ طنز و ظرافت امیر علی گڑھ ص ۱۲۶

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اور اس وقت میر حسن کی عمر صرف ۸۱ سال تھی

گذرا وقات کے ذرائع یا وسائل کیا تھے؟ کسی سہارے کے بغیر دنیا سے الگ ہو جانا قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ذہن نشین ہو جانی چاہیئے کہ میر حسن کی تاریخ پیدائش کا صحیح تعین ابھی تک نہیں ہو سکا ہے۔ مصحفی[۲] کا خیال ہے کہ انتقال کے وقت عمر ساٹھ سال تھی چنانچہ رام بابو سکسینہ تاریخ پیدائش کا تعین ۱۱۴۰ھ[۳] کرتے ہیں۔ برخلاف اس کے میر شیر علی افسوس ان کی عمر پچاس سال سے زیادہ بتاتے ہیں۔ غالباً اسی سے قاضی صاحب نے تاریخ پیدائش ۱۱۵۰ھ[۱] یا اس کے لگ بھگ بتائی ہے۔ شیر علی افسوس کے بیان پر اعتماد کی وجہ یہ ہے کہ وہ تقریباً دس سال تک ساتھ رہے[۴] لیکن بھگوان داس نے میر حسن سے ربط و ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے ضاحک کے بیان میں لکھا ہے کہ میر غلام حسین اکثر ملاقات کے لئے جایا کرتے تھے[۵] چنانچہ اس کے بیان سے کیوں نہ متفق ہوا جائے اس سلسلہ میں یہ عذر پیش کیا جا سکتا ہے کہ بھگوان داس نے ضاحک کی عمر لکھی ہے میر حسن کے بارے میں خاموش ہے لہٰذا ضاحک کی عمر کا تعین بھگوان داس کے تذکرہ سے کیا جائے لیکن اگر میر حسن کے متعلق شیر علی افسوس کے بیان پر بھروسہ کیا جائیگا تو میر حسن کی پیدائش کے وقت ضاحک کی عمر صرف چودہ سال ہو گی جو بڑی حد تک ناممکن معلوم ہوتی ہے۔ قاضی صاحب کی تعین کردہ

---

۱ قاضی صاحب میر حسن کی پیدائش ۱۱۵۰ھ کے لگ بھگ بتاتے ہیں۔

۲ دیباچہ سحر البیان قلمی ایشیاٹک سوسائٹی۔

۳ بحوالہ قاضی عبدالودود طنز و ظرافت نمبر علی گڑھ یونیورسٹی صہ ۱۲۶

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تاریخوں سے ضاحک کی عمر میر حسن کی پیدائش کے وقت بیس سال ہوتی ہے۔ اس بحث کا ماحصل یہ ہے کہ قاضی صاحب کے خیال سے اتفاق کرنے کے بعد بھگوان داس اور مصحفی کے اقوال پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا ہے اور بھگوان داس پر بھروسہ کرنے کے بعد میر حسن کی تاریخ پیدائش میں تقریباً چار یا پانچ سال تخفیف ضروری ہو جائے گی۔ لیکن اگر میر حسن مرحوم کی تاریخ پیدائش کا صحیح تعین ہو جائے تو ضاحک کی عمر اور تاریخ پیدائش کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں میر شیر علی افسوس اور مصحفی کے بیانات نقل کر چکا ہوں۔ دونوں کے بیانات میں تقریباً دس سال کا فرق پایا جاتا ہے جو ناممکن ہے۔ شیر علی افسوس اور مصحفی کے اقوال سے اتفاق یا اختلاف کے لئے ہمارے پاس دوسرا کوئی قابل قبول تحریری ثبوت نہیں جس کی بنیاد پر فیصلہ کیا جا سکے۔ لیکن مذکورہ بالا بیانات پر غور کرنے سے ہمارے فیصلہ کے لئے راہیں ہموار ہو جاتی ہیں۔

یہ جانتے ہوئے بھی کہ میر شیر علی افسوس دس برس تک ساتھ رہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے مثنوی سحر البیان کے دیباچہ میں میر حسن کی عمر ضمناً لکھی ہے۔ یہاں غلطی کا امکان باقی رہتا ہے لیکن مصحفی کے تذکرہ میں اس کے امکانات کم نظر آتے ہیں۔ ہاں یہ ضرور ممکن ہے کہ آخری عمر کی معاشی پریشانیوں اور پے بہ پے مصیبتوں نے میر حسن کی صحت پر برا اثر کیا اور انہوں نے عمر کا اندازہ ایک دو سال زیادہ کر لیا ہو۔ مگر مصحفی جیسے ذمہ دار تذکرہ نگار کے متعلق یہ کبھی نہیں کہا جا سکتا کہ وہ عمر کا اندازہ دس سال زیادہ کر لینگے افسوس کے بیان کی کمزوری کا ایک ثبوت یہ ہے کہ انھیں میر حسن کے بیٹوں کی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

صحیح تعداد بھی معلوم نہیں مثنوی کے دیباچہ میں چار بیٹوں کا ذکر کرتے ہیں لیکن دوسرے تذکرہ نگاروں نے تین بیٹوں یعنی حلق، خلیق اور مخلوق کا ذکر کیا ہے۔ محسن کا نام افسوس کے علاوہ کہیں اور نہیں ملتا۔ افسوس دس برس تک میر حسن کے ساتھ رہے۔ اکثر آپس میں غزلیں ہم طرح ہوئیں اور صحبتیں شعر کی رہیں[1]۔ ممکن ہے میر حسن کی عمر کے متعلق لکھتے ہوئے غیر شعوری طور پر ہم عمر سمجھ لیا ہو[2]۔ تذکرہ میں اکثر بیانات حقیقت پر مبنی ہیں چنانچہ مصحفی کے بیان میں دو یا تین سال سے زیادہ تخفیف ممکن نہیں معلوم ہوتی برخلاف اس کے شیر علی افسوس کے بیان میں چار پانچ سال کا اضافہ بھی قرین قیاس ہے۔ اس لئے میرا خیال ہے کہ انتقال کے وقت میر حسن کی عمر ۶۰ سال کے قریب تھی۔ لہذا تاریخ پیدائش تقریباً ۱۱۴۱ھ یا ۱۱۴۲ھ کے درمیان قرار پائے گی۔ اگر باپ بیٹے کے درمیان بیس سال کا بھی فرق مانا جاتا ہے تو ضاحک کی تاریخ پیدائش تقریباً ۱۱۲۱ھ یا ۱۱۲۲ھ قرار پائے گی۔ سودا ضاحک کے معاصرین میں تھے۔ ان کی پیدائش کے سلسلہ میں مختلف بیانات کا تجزیہ کرتے ہوئے قاضی عبدالودود نے تاریخ پیدائش ۱۱۱۹ھ متعین کی ہے اس کی تائید تذکرہ شعرائے اردو سے بھی ہوتی ہے[3] ان بیانات کو دیکھتے ہوئے

---

[1] دیباچہ مثنوی میر حسن

[2] افسوس کی تاریخ پیدائش ۱۱۵۲ھ بتائی جاتی ہے دیکھئے میر حسن اور ان کا زمانہ و جدید قریشی

[3] معاصر جلد دوم (کچھ سودا کے بارے میں) قاضی عبدالودود

[4] تذکرہ شعرائے اردو میر حسن ص ۱۰۴

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میرا خیال ہے کہ میر ضاحک ۱۱۲۱ھ یا ۱۱۲۲ھ کے درمیان پیدا ہوئے ہوں گے لہٰذا ان کی عمر ۳۷ یا ۳۷ سال کے قریب ہو جائے گی۔ اگر انہوں نے ۱۱۵۸ھ میں ترک روزگار کیا تو اس وقت ان کی عمر ۳۶ یا ۳۷ سال کے درمیان تھی۔ میر حسن متوفی ۱۲۰۱ھ کی تاریخ پیدائش ۱۱۴۱ھ یا ۱۱۴۲ھ قرار پا چکی ہے۔ لہٰذا ضاحک کے ترک روزگار کے وقت میر حسن تقریباً ۱۸ سال کے تھے۔ میر غلام حسین ضاحک کی ہزل دوستی بزلہ سنجی، درویشی اور متوکل مزاجی دیکھتے ہوئے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ۳۶ یا ۳۷ سال کے درمیان دنیاوی الجھنوں سے سبکدوشی اور فکر معاش سے کنارہ کشی تعجب خیز بات نہیں

بیوی اور اولاد

میر غلام حسین ضاحک کی بی بی اور اولاد کے بارے میں جناب قاضی عبدالودود صاحب اپنے مضمون 'میر ضاحک دہلوی' میں لکھتے ہیں:

> یہ پتہ نہیں کہ میر ضاحک کی بی بی کون تھیں اور نہ یہ معلوم کہ ان کی شادی کس سال ہوئی تھی۔ ان کے بیٹے میر حسن کی ولادت میرے قیاس کے بموجب ۱۱۵۰ھ کے لگ بھگ ہے اس سے کسی حد تک شادی کے زمانے کا تعین ہو سکتا ہے بی بی ظاہر اسودا سے جھگڑے کے زمانے میں زندہ تھیں[1]

اسی صفحہ پر آگے چل کر قاضی صاحب اولاد کے بارے میں یوں ارشاد فرماتے ہیں

---

[1] طنز و ظرافت نمبر ص ۱۳۶

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

"اولاد غلام حسن (حسن تخلص شاعر مشہور) کے سوا
کسی کا نام نہیں سُنا گیا"

قاضی صاحب کا یہ خیال درست ہے کہ میر ضاحک کی شادی کا صحیح زمانہ متعیّن نہیں کیا جا سکتا لیکن اندازہ میر حسن کی تاریخ پیدائش سے کیا جا سکتا ہے راقم الحروف نے تاریخ پیدائش ۱۱۴۱ھ یا ۱۱۴۲ھ متعین کی ہے چنانچہ شادی کا زمانہ لگ بھگ معلوم کیا جا سکتا ہے۔ سودا سے جھگڑے کے وقت ضاحک کی بی بی زندہ تھیں۔ ایک ہجو میں ضاحک کی بسیار خوری اور بے حیائی کا ذکر کرتے ہوئے سودا ان کی بی بی کے نام (حمیدہ) کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔

ہے عجیب و غریب زیر سما — ایک یہاں صورت آشنا اپنا
کہیے اس کے تئیں قسم کھا کر — امت دانیال پیغمبر
نہیں دین نبی کا اسمیں اصول — اور دنیا کے ہیں چلن میں اکول
جو روا اپنی کرے ہے نظر — اس سے کہتا ہے تب یہ گیدی خر
کچھ ترے پاس اے حمیدہ ہے — تیری انگیا میں گاوے دبدہ ہے
یا چھپائے ہیں تو نے قرص پنیر — سچ ہی کہہ ورنہ ہونگا میں دلگیر[1]

ہجویات سودا کے مطالعے سے یہ نتیجہ بھی برآمد ہوتا ہے کہ ضاحک کی ایک ہی شادی ہوئی تھی، ورنہ یہ ممکن نہیں تھا۔ کہ وہ اس کمزور پہلو پر وار نہ کرتے

---

[1] طنز و ظرافت نمبر صد ۱۲۶
[2] کلیات سودا قلمی جامع مسجد لائبریری گورکھپور

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اولاد میں میر حسن کے علاوہ کسی دوسرے کا نام نہیں ملتا۔ کوئی اور اولاد ہوتی تو مناحک کے بیان میں میر حسن مرحوم اس کا ذکر ضرور کرتے۔

وضع قطع اور تعلیم

میر شیر علی افسوس مثنوی میر حسن (سحر البیان) کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

اکثر عمامہ عربی سر پر بندھا ہوتا تھا اور جامہ کم گھیر اہل پنتی کا گلے میں داڑھی متوسط بیس لی ہوئی۔ قد میانہ گندم گون[1]

مولانا محمد حسین آزاد آب حیات میں یوں رقمطراز ہیں:

وضع اور لباس قدمائے دہلی کا پورا نمونہ تھا۔ سر پر سبز عمامہ بوضع عرب بڑے گھیر کا یا جامہ یا جبہ کہ وہ بھی اکثر سبز ہوتا تھا گلے میں خاک پاک کا کنٹھا داہنے ہاتھ میں ایک چوڑی اس پر کچھ کچھ دعائیں کندہ۔ چھنگلی بلکہ انگلیوں میں بھی کئی انگوٹھیاں۔ داڑھی کو مہندی لگاتے تھے۔ بہت بڑی نہ تھی مگر ریش بچہ منڈاتے تھے کبھی کبھی ہاتھوں میں بھی مہندی ملتے تھے میانہ قد رنگ گورا[2]

میر حسن اور افسوس کے درمیان درباری لگاؤ کے علاوہ دلی دوستی بھی تھی

---

[1] مثنوی میر حسن دیباچہ شیر علی افسوس قلمی ایشیاٹک سوسائٹی

[2] آب حیات محمد حسین آزاد ص ۲۲۱

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دن رات ایک ساتھ رہتے تھے۔ میر ضاحک اس وقت زندہ تھے برخلاف اس کے مولانا محمد حسین ضاحک کی اطلاع "حکایت" یا روایت سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ مذکورہ بالا قول کا ماخذ کیا ہے۔ لہذا ان کے بیان سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔

میر ضاحک کو تذکرہ شعرائے اردو میں عالم و فاضل ناظم و ناثر کہا گیا ہے[1] مصحفی ریاض الفصحا میں قابل و ظریف الطبع لکھتے ہیں[2]۔ شیر علی افسوس کا قول ہے کہ عربی میں شرح ملا تک پڑھا تھا۔ پر فارسی میں استعداد اچھی تھی[3] مذکورہ بالا اقوال سے اندازہ ہوتا ہے کہ ضاحک اپنے زمانہ کا عالم فاضل نہ سہی پڑھے لکھے لوگوں کی صف میں شمار کئے جاتے ہوں گے۔ عربی تعلیم شرح ملا سے آگے نہ بڑھ سکی لیکن فارسی اور اردو کے ذی استعداد شاعر اور ہجو و ہزل کے ماہر تھے۔

نواب نصیر حسین خیال سیر المتاخرین کے حوالہ سے اپنی کتاب "مغل اور اردو میں عمدۃ الملکی انجمن کی خدمات کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے غلام حسین ضاحک کی تعلیم گاہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

---

[1] تذکرہ شعرائے اردو میر حسن صفحہ ۱۰۴

[2] ریاض الفصحا

[3] دیباچہ سحر البیان قلمی ایشیاٹک سوسائٹی

[4] تذکرہ شعرائے اردو ۱۰۶

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

یہ تھا وہ مدرسہ جہاں طفل اردو کی بسم اللہ ہوئی اور
یہ تھا وہ مکتب جہاں ہمارا ریختہ پختہ ہوا اور یہ تھا وہ
اسکول جہاں شاہ حاتم و میر ضاحک اور دیوی کوی
کے سے زبان دانوں نے تعلیم پائی اور پھر اس کی خدمت
میں جان کھپائی۔ [1]

سیر المتاخرین کے حوالے سے جس انجمن کی خدمات کا ذکر کیا گیا ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں پوری کتاب میں اس انجمن کا حوالہ تو مجھا اس کی طرف اشارہ بھی نہیں ملتا غلط حوالے کے باوجود نصیر حسین خیال کی رائے پر اتفاق کرنے والے بھی ان کے مندرجہ بیان کی کمزوری کو دیکھ کر یقین نہیں کر سکیں گے۔

نواب عمدۃ الملک کی شاعرانہ حیثیت اور زبان سے قریبی تعلق کو فراموش نہیں کیا جا سکتا مگر بارہویں صدی میں کسی ایسی انجمن کا وجود ممکن نہیں معلوم ہوتا جس کے دفتر میں رگڑے جھگڑے کے بعد تحقیق شدہ الفاظ و محاورات قلمبند کر کے امراء و رؤسائے وقت کے پاس بھیجے جاتے رہے ہوں۔ مزید برآں عمدۃ الملک کی رائے انجمن کی عمر چالیس سال بتاتے ہیں۔ اگر اس کا خاتمہ عمدۃ الملک کی وفات پر سمجھا جائے (جیسا کہ خود مصنف کا خیال ہے) تو یہ دفتر (انجمن) ۱۱۱۹ھ میں قائم ہوا ہوگا۔ اس لئے کہ نواب عمدۃ الملک ۱۱۵۵ھ میں شہید ہوئے [2]

---

[1] ۔ مغل اور اردو صفحہ ۶۰

[2] طنز و ظرافت نمبر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ صفحہ ۱۲۹

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

انتقال کے وقت ان کی عمر ۵۹ سال تھی" غم عمدہ" سے تاریخ شہادت معلوم ہوتی ہے۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ عمدۃ الملک نے ۱۹ سال کی عمر میں اس انجمن کو قائم کیا جو ناممکن ہے۔ اس کے علاوہ مذکورہ بالا انجمن کا ذکر میر حسن سے عبارت تک کسی نے نہیں کیا۔ لہٰذا خیال کی انجمن آرائی۔ خیال آرائی سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔

نصیر حسین خیال کے بیانات پر تنقیدی نگاہ ڈالتے ہوئے جناب قاضی عبدالودود علی گڑھ کے طنز و ظرافت نمبر میں لکھتے ہیں۔

"سنہ ۱۹۱۶ء میں انجمن ترقی اردو کی طرف سے دریائے لطافت شائع ہوئی تھی۔ اس کے صفحہ ۳ کی یہ عبارت خیال کی نظر سے گزری ہوگی۔ نواب عماد الملک مغفور موجد بعضے قوانین ایں زبانست و ایجادش ہمہ مقبول"

عمدۃ الملک سے اپنے بزرگوں کا خیال یا اصلی تعلق جو انہوں نے قایم کر رکھا تھا وہ اس کا مقتضی ہوا کہ عماد الملک کو عمدۃ الملک بنا دیا جائے۔ اور عمدۃ الملک ایک فرضی انجمن اردو کے بانی قرار دیئے جائیں[1]

---

[1] طنز و ظرافت نمبر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ صـ ۱۲۹

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

قاضی صاحب نے نواب مرحوم کی شان میں بڑی تلخ عبارت لکھی ہے۔ ان کا بیان غلط سہی لیکن بغیر کسی قطعی ثبوت کے بنیت پر شبہ کرنا جائز نہیں۔

میر حسن نے تذکرہ شعرائے اردو میں ضاحک کے ترک روزگار کی خبر تو دی ہے لیکن یہ نہیں بتلایا کہ درویشی اختیار کرنے سے پہلے ذریعہ معاش کیا تھا۔ شورش نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ:

"میر غلام حسین ضاحک مدتہا روزگار در سرکار نواب سالار جنگ می باشند"[1]

نواب سالار جنگ، اور ان کے لڑکے نوازش علی خاں کے دربار سے میر حسن کی وابستگی کا ذکر شعرائے اردو کے علاوہ دوسری جگہوں پر بھی ملتا ہے لیکن ضاحک کی ملازمت کا ثبوت شورش کے علاوہ کسی دوسرے تذکرہ نگار کے یہاں نہیں مل سکا ہے اور غالباً انھیں بھی میر حسن کی ملازمت سے دھوکہ ہوا ہے۔

شاعری

میر غلام حسین ضاحک کا نام سنتے ہی قاری کا ذہن ان کی ہزل دوستی مزاح پسندی اور بزلہ سنجی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ میر حسن ان کی ہجو گوئی کا اظہار پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"چوں طبائع سامعان را در سخن بلند نہ یافتند بقدر حوصلہ آں ہا بطرف ہزل و سخن قلم راندند، لیکن زبان عجیب و غریب اختیار کردہ اند کہ از آدم تا ایں دم کسے نگفتہ چنانچہ

---

[1] تذکرہ شعرائے اردو میر حسن صفحہ ۱۰۴

[2] تذکرہ شورش قلمی۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ازاں جملہ یک مطلع ترقیم می نماید مشتے نمونہ از خروارے
یا ایہا الثلاثکہ[1] کر و جھلانکہ[2] ۔ کل توپچی برابیہ[3] فرد ہکاسرہ[4]
غزل ایشاں کم از چہل پنجاہ بیت نمی باشد و بر ہر غزل و
ہزل پارہ نثر نوشتن نیز شعار او شالست چوں گنجایش
دریں پارچہ کاغذ نبود از ہزل گزشتہ بر غزل اکتفا نمود تا زور
وقوت ایں علم ہم مفہوم گردد و حق تعالیٰ ایشان را ہمیشہ بر
سر ما خوش و خرم سلامت نگہ دارد

در پیش اگر روز اجل آہ نہ ہوتا — قصہ تھا محبت کا یہ کوتاہ نہ ہوتا
کیا دیجیے اصلاح خدائی کو ولیکن — کافی تھا تیرا حسن اگر ماہ نہ ہوتا

اس آن تھمے آنسو جس آن کی جی ڈوبا
تب جان سے ہم اٹھے جب دیدہ نم اٹھے

کتاب حقایق و نکات توحید — آں راکب دوش احمدی شاہ شہید

---

[1] تلانکہ جمع تلنگا
[2] جھلانکہ جمع جھلنگا
[3] برابیہ جمع یکسری

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

خود معنیٔ آیات کلام الٰہی است تفسیر حسینی است بقرآن مجید

افسوس دلا نکہ غم گساراں رفتند سیمیں بدناں گلعذاراں رفتند
چوں بوئے گل آمدند بر باد سوار در خاک چو خطرہ ہائے باراں رفتند[1]

بھگوان داس کا قول ہے:

در ہندی اشعار ضحک آمیز میگفت، برائے ہمیں ضاحک تخلص میکرد طرزے کہ اور اختیار کردہ از نوادر بود گاہے شعر فارسی میگفت[2] ؎

رسید بر فلک از درد آہ و زاری ما۔
فلک بہ چرخ در آمد ز بے قراری ما
ظالم ز کشتگانِ تو آواز بر نخاست
گویا فسانِ تیغ تو از سنگ سرمہ بود

صاحب مسرت افزا کا قول ہے:

---

[1] اس رباعی کے بارے میں شیرانی صاحب مقدمہ شعرائے اردو میں لکھتے ہیں کہ تذکروں میں میر لطف اللہ شیرازی کے نام سے درج ہے۔ قاضی صاحب کہتے ہیں کہ یہ رباعی اس نام کے کسی شاعر کی طرف تذکروں میں منسوب نہیں (طنز و ظرافت نمبر) صـ ۱۶۶

[2] تذکرہ شعرائے اردو میر حسن صـ ۱۵

[3] سفینہ ہندی بھگوان داس بحوالہ قاضی عبدالودود طنز و ظرافت نمبر صـ ۱۴۵

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

"مزاجش بہ ہزل مایل و فکرش بہ بذلہ گوئی شامل"[1]

میر حسن نے تذکرہ شعرائے اردو میں غزل کے جتنے اشعار اور رباعیاں پیش کی ہیں انھیں دیکھ کر یہ کسی طرح باور نہیں کیا جا سکتا کہ میر و مرزا کے دور میں طبع سامعان اتنی بلند نہیں تھی کہ ضاحک نے مجبوراً میدان ہزل کو اپنی جولانگاہ کے لئے منتخب کیا۔ تذکرہ ہندی میں بھگوان داس ان کے طرز خاص کی تعریف کرنے کے بعد بھی تخلص کی وجہ اشعار ضحک آمیز بتلاتا ہے جو بڑی حد تک درست ہے۔ ضاحک کی ہزل دوستی اور بذلہ سنجی کی مثالیں سودا اور سکندر کی معرکہ آرائیوں سے بہت پہلے مل جاتی ہیں۔ تذکرہ شعرائے اردو کا لطیفہ اور مسرت افزا کا واقعہ میرے بیان کی تصدیق کے لئے کافی ہے میر علی نقی کافر ضاحک کے ہم عصروں میں تھے۔ میر حسن ان کے ترجمے میں لکھتے ہیں:

اول فارسی میگفت، تسکین تخلص می کرد باز بران ہم تسکین ضیافت چنوں تخلص کرد چوں در خدمت جاوید خاں نوکر شد۔ ریختہ گفتن آغاز کرد۔ روزے قبلہ گاہے این فقیر از راہے ظرافت بادے فرمودند کہ شما فارسی و ہندی گفتند الحال عربی بگوئید و ملعون تخلص کنید بریں سخن بسیار خندیدند[2]

---

[1] تذکرہ مسرت افزا قلمی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

[2] تذکرہ شعرائے اردو میر حسن۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تذکرہ مسرت افزا میں منقول ہے کہ

روزے میر ضاحک در مجلس میر ماشاء اللہ نشستہ بود
کہ درویشِ از در در آمد میر ماشاء اللہ از و نام استفسار
نمودہ گفت جند اللہ ضاحک از میر گفت کہ بر ایں قافیہ
شعرے بفرمائید چوں میر متامل شد، ضاحک خود از روئے
مضحکہ بدیہہ گفت:۔

قاضی مفتی جند اللہ	حی و عقرب عند اللہ
بلا ملی (کذا) سب جگہ جائیں	کرم رطب ہیں کھند اللہ
کالے کوئلے حبشی سے	بھاڑ کے بھونے بھنڈ اللہ
لولے لنگڑے اندھے سے	کانے کنڑے جند اللہ

اہلِ مجلس ہمہ بخندہ قہقہہ افتادند" [1]

مذکورہ بالا اشعار کے درویست سے ضاحک کی بے پناہ صلاحیتوں کا اندازہ ہو جاتا ہے لیکن ان کی زبان کے بارے میں میر حسن کا قول کھٹکتا ہے اور بار بار میر جعفر زٹل کے اشعار سامنے آتے ہیں۔ انہوں نے یہ طرز فارسی کے مشہور شاعر طرزی سے حاصل کی تھی۔ فتح گولکنڈہ اور حیدر آباد کی بربادی پر میر جعفر زٹل کے مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ کیجئے:۔

تخسیتی کلاں ترکہ بر کھنڈ کرد	ہمہ کاروبار پدر بھنڈ کرد

---

[1] تذکرہ مسرت افزا بحوالہ قاضی عبدالودود۔ طنز و ظرافت نمبر علی گڑھ صفحہ ۱۳۰

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri
Forwarded with Complements by the
Department of Culture, Govt. of India

اردو الفاظ کی عربی تراکیب پر نگاہ ڈالیے۔

"چوں گھڑ گھڑ مہٹ الرعد فی الضمام وکڑکڑاہٹ البرق
فی ابرام برسراست"

"نہ ہلدنہ ٹلدنہ جنبید زجائے"

زمل کی ایجاد کردہ زبان کا تصرف ضاحک کے یہاں دیکھ کر ان کی بے پناہ صلاحیتوں کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ ہزلیات کے علاوہ غزلوں کے اشعار اور فارسی وار دو رباعیوں کا انداز بتاتا ہے کہ اگر وہ ہجو کی خاردار جھاڑیوں سے دامن بچا کر اس راہ پر چلتے تو انہیں ادب میں ایک خاص مقام ضرور ملتا۔ مختلف تذکروں سے ان کے حسب ذیل اشعار و رباعیاں یکجا کی گئی ہیں۔

دیباچہ مثنوی سحر البیان

افسوس وہ آکہ غم گساراں رفتند — سیمیں بدناں و گلعذاراں رفتند
چوں بوئے گل آمدند بر باد سوار — در خاک چوں قطرہ ہائے باراں رفتند

سراپا سخن

جب اس طفل پری وش نے چھپائی آنکھیں
بس میرا چل نہ سکا رہ کے سجائیں آنکھیں

سفینہ ہندی رسید بر فلک از درد آہ و زاری ما — فلک ز چرخ در آملنے بے قراری ما

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ظالم ز کشتگان تو آواز بر نہ خاست گویا فساں تیغ تو از سنگ سرمہ بود

نواب نصیر حسین خیال رسالہ آفتاب اور جادو میں دو اشعار اور ایک چوبولا بزرگوں کا تحفہ و یادگار بتلاتے ہوئے نقل کرتے ہیں۔

چھدائے کان انہوں نے بالیاں پہنی ہیں سُنتے ہیں
دوانے ان کے پالے ہیں جواب تک تنکے چنتے ہیں

نہ سمجھو اس کو کم یارو بڑا انقال ہے ضاحک
کہ جس محفل میں جا بیٹھا وہاں سب کو ہنسا بیٹھا

فلک پر چاند دیکھا آج سے ماہِ محرم ہے غضب باغ جہاں میں صبح سے آئی تیغ ہے
زباں بلبل کی سوکھی اور پر نم چشم شبنم ہے لبوں پر گل کے بھی ضاحک نہیں اب تو تبسم ہے

نواب نصیر حسین کے منقول شدہ اشعار کے متعلق قاضی عبدالودود صاحب لکھتے ہیں :-

وہ چوبولا جو جادو سے نقل کیا گیا ہے خیال کی شہادت پر ضاحک کی تصنیف نہیں مانا جا سکتا۔

چھدائے کان ۔ الخ یہ مطلع ایک مجہول المصنف تذکرہ شعرائے اردو میں (کتب خانہ شرقیہ) جو تیرھویں صدی ہجری کے اواسط کا ہے، میر تقی میر کے نام سے درج ہے۔ لیکن کلیات میر (اشاعت آسی) میں نہیں ہے۔ یہ باور کرنے کی کوئی ضرورت

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نہیں کہ شعر میر ضاحک کا ہے۔ خیال کی شہادت کا عدم
وجود برابر ہے"[1]

نہ سمجھو اس کو کم یارو الخ اس قطعہ کے بارے میں قاضی صاحب نے کوئی رائے نہیں دی ہے لیکن پہلے مصرعے کے لفظ نقال سے اس کے غیر مستند ہونیکا یقین ہو جاتا ہے۔ ضاحک کو کسی تذکرہ نویس نے اس نام سے نہیں یاد کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس شعر میں تخلص کا اضافہ کیا گیا ہے۔ یا کسی دوسرے شاعر کی غزل کے شعر میں ضاحک تخلص دیکھ کر خیال نے اس کو انکی ملکیت بنا دیا۔ ضاحک خود کو کبھی نقال نہیں کہہ سکتے۔ لہٰذا شعر ان کا نہیں ہو سکتا۔

میر شعر علی افسوس نے غزل و رباعی کے علاوہ ضاحک کا ایک آدھ ترجیع بند قصیدہ بھی دیکھا تھا۔ میر حسن ان کی نثر نگاری کی گواہی دیتے ہیں۔

بر ہر غزل و ہزل پارہ نثر نوشتن نیز اشعار او شائستہ
چوں گنجایش در ایں پارچہ کاغذ نبود از ہزل گزشتہ بر غزل اکتفا نمود[2]

خیال کا قول ہے:۔

"احمد شاہ ایک ہوشیار اور کردہ کار جوان تھا مگر جو تخت اسے نصیب ہوا اس کی چولیں ڈھیلی ہو چکی تھیں۔ ایک طرف روہیلے اٹھتے ہیں تو دوسری طرف مرہٹے۔ بادشاہ

---

[1] طنز و ظرافت نمبر ص ۱۲۷
[2] دیباچہ سحر البیان قلمی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کی جان عذاب میں اور سلطنت کی جان بے دردوں کی مٹھی
میں۔ اس جان کنی میں بھی ہمارے ادیب بولتے رہے۔ اور
انہوں نے اس وقت کا مرثیہ نظم کر ہی ڈالا۔ ان میں
میر ضاحک کا شہر آشوب دیدنی تھا"[1]

نثر قصیدے اور شہر آشوب کی غیر موجودگی میں ان پر کوئی رائے نہیں دی جا سکتی۔ لیکن اشعار کے تیور یہ بتاتے ہیں کہ وہ اس میدان میں بھی ایک خاص مقام کے مالک تھے۔ بشیر علی افسوس اور میر حسن کے اقوال پر یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔

مذکورہ بالا تمام اشعار و اقوال کو دیکھنے کے باوجود یہ بات یقینی ہے کہ ضاحک کا اصلی رنگ ہجو و ہزل ہے۔ ہزلہ سنجی و شوخ مزاجی فطرت کا خاصہ تھی۔ قدرت نے طبع بلند اور فکر رسا عطا کی تھی۔ ابتدا میں کافر اور خدا لگتی جیسی بے ضرر اور مجبور ہستیاں نشانہ بنتی رہیں۔ بات آگے بڑھی ہو گی، ہجو کہنے کے لئے ماحول پہلے ہی سازگار تھا۔ بڑی آسانی سے اس راہ پر آ گئے اور یہاں تک کہ سودا جیسی بے پناہ شخصیت سے مستقل معرکہ آرائی ہوتی رہی۔ ضاحک اور سودا کے دواوین دیکھ کر مخالفت کی شدت کا بھرپور احساس ہو جاتا ہے مگر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ مکابرے کی ابتدا کس طرف سے ہوئی۔ میر حسن نے بھی کوئی اشارہ نہیں کیا۔ مصحفی "یا مزار رفیع اور امکابرہ ہم دیپیش آمدہ" کہہ کر

---

[1] مغل اور اردو صفحہ ۸۲ و ۸۳

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

خاموش ہو جاتے ہیں۔

شوق کا قول ہے کہ :۔

"چوں اکثر ہجو مردماں میکرد روزے از مرزا سودا مقابل شد و زباں ہجو در حق او کشادت"

مگر تحقیق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پہلے سودا ضاحک کے مقابلہ میں آئے بعدہٗ ضاحک نے بھی ہجویں کہیں اور اس کا سلسلہ فیض آباد سے لکھنؤ تک قائم رہا۔ دلی کی بربادی کے بعد سودا فرخ آباد چلے جاتے ہیں لیکن جب سودا سرزمین اودھ میں جلوہ افروز ہوتے ہیں تو ہجویات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور آخری عمر تک قائم رہتا ہے۔

نواب شجاع الدولہ سودا کی آمد سے بہت پہلے انھیں اودھ بلانے کے لئے شقہ روانہ کر چکے تھے مگر سودا نے فرخ آباد سے آنا منظور نہ کیا شقہ کی روانگی اور سودا کی آمد کے متعلق مولف خوش معرکہ زیبا نے ایک عجیب و غریب داستان گڑھ لی ہے۔

لکھتے ہیں :۔

ضاحک کی نمک مجلس اور ترخان صحبت تھے واسطے رفع ملال کے بول اٹھے اگر وہ حضور کے شقے سے نہیں آیا تو غلام بے طلب کھنچ بلاتا ہے قصیدہ سا لکھ کر کہ کہ... عماد الملک کی تعریف میں سودا کا کہا ہوا تھا تمام اسی مصنف کی خدمت میں الٹا چنانچہ یہ شعر :

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پاؤں کھدمی پہ رکھو ہاتھ میں لے آئینہ بال ... کے چونا ک پہ دھر کے عینک

جب وہ مزخرفات سودا نے سنے بحکم آنکہ دیوانہ را ہوئے بسل ست

روانہ لکھنو کا ہوا میر سابق الذکر (ضاحک) کہ دلیری اور شوخ

چشمی اس پر ختم تھی بے سابقہ معرفت مرزا کی ملاقات کو قائم

رنجاں ہوا اس فروتنی سے غبار عناد کا سودا کے دل سے مطلق

صاف ہوا واسطے عطر و پان حسب قاعدہ ہندوستان کے

اندر تشریف لے گئے اس عرصہ میں کہ برآمد ہوں اس ٹھٹھول

نے قلمدان کھولا اور یہ مطلع ایک پرچہ پر لکھا دیا:

رستم سے کہو پیارے سر تیغ تلے دھر دے یہ ہم سے ہی ہوتا ہے ہر کارے دہر مردے

اس کے برابر یہ مطلع لکھ دیا:

سودا نے اٹھا... جیب... دیا... دے یہ اس سے ہی ہوتا ہے ہر کارے دہر مردے

بعد دو چار گھڑی کے جب وہ صحبت برہم ہوئی مرزا نے قلمدان

کھولا اور وہ مطلع دیکھا یقین کامل ہوا کہ یہ سید نا سید اور

نامعتمد ہے بے اختیار یہ شعر زبان پر گزرا:

حریم سوز اک پدر ہے یہ شریر رحم مادر سے پلٹ نکلا ہے میر

اول یہ ترجیع بند کہا بعد اس کے یہ قصیدہ:

ضاحکا کیوں نہ وہ پرواز کرے تا بہ فلک

پہونچی پستیں سے ہو نطفے کی حلت جن تک

پشت در پشت تری قوم میں ہوتا آیا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

وہ غل جس سے کہ لرزے ہے سمانا یہ سمک
اس گھرانے میں سدا بیٹی پہ مائل ہے باپ
ہر گھڑی دل کو چچا کے ہے بھتیجی پہ لپک
نہیں وہ ماں کہ جو بیٹی کی نہیں اپنی سوت
نہیں وہ ساس جو داماد سے جائے نہ اٹک
بھانجا جس کا جوانی سے ذرا گدرایا۔
اس کی خالہ ہے پھرے رانوں کو پھاڑے خنک
بھانجا جس کا ہے ماموں کا خر لوپرا ہے
نانا جس کا ہے نواسے کا خسر ہے لانک
اس کی پھوپھی کے بھی بھر آئے ہے نہیں پانی
جس بھتیجہ کے ہے چہرہ پہ جوانی کا نمک
خانہ داماد سے یوں لپٹیں نسائیں گھر کی
سرو کے چوب کو جس طرح لگے ہے دیمک

بعد خرابی بصر با استدعائے میر حسن یہ ہجو مولوی ساحد شاہ آبادی کے نام پر ہوئی باقی ترجیع بند اور مخمس و مثنوی ہنوز بدستور ہے۔" [1]

محمد حسین آزاد معارضہ ضاحک و سودا کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] خوش معرکہ زیبا قلمی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اول کسی موقعہ پر انہوں نے سودا کے حق میں کچھ فرمایا
سودا خود ان کے پاس گئے اور کہا آپ بزرگ ہیں میں
خورد، آپ سید ہیں آپ کے جد کا غلام، عاصی اس قابل نہیں
کہ آپ اس کے حق میں کچھ ارشاد فرمائیں ایسا نہ کیجیے
کہ مجھ گنہگار کے منہ سے کچھ نکل جائے اور قیامت کے دن
آپ کے جد کے سامنے روسیاہ ہوں۔ تلامیز الٰہی کے دماغ
عالی ہوتے ہیں، ان کی زبان سے نکلا کہ نہیں بھئی یہ شاعری
ہے اس میں خوردی و بزرگی کیا۔ سودا آئیں تو کہاں جائیں
پھر جو کچھ انہوں نے کہا غدانہ سنوائے یہ بھی بزرگوں سے
سُنا کہ مرزا نے جو کچھ ان کی جناب میں یاوہ گوئی کی ہے
میر موصوف نے اس سے زیادہ خراب و خوار کیا۔[1]

ناصر کا بیان ۔۔۔ محمد حسین آزاد سے بھی زیادہ مضحکہ خیز ہے ضاحک کا نمک مجلس اور ترغار صحبت ہونا کہیں سے ثابت نہیں ہوتا۔ البتہ میر حسن مرحوم نواب سالار جنگ اور ان کے بیٹے سردار جنگ کے یہاں ملازم رہے۔ ناصر اور آزاد کے بیانات سے ہجو کی ابتدا ضاحک کی طرف سے ہوتی ہے مگر ہجو یات سودا کے مطالعہ سے نتیجہ مختلف برآمد ہوتا ہے۔ ضاحک دوسروں کی بلاوجہ ہجو کیا کرتے تھے۔ "فضلاً" یا "اتفاقاً"، مولوی سید احمد بھی اس نیر کا نشانہ بن گئے۔ سودا

---

[1] آب حیات مولانا محمد حسین آزاد اگلے صفحہ پر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کو یہ بات ناگوار گزری چنانچہ ساجد کی طرف سے میدان میں اتر آئے۔ درج ذیل ترجیع بند سے ان لوگوں کے نام معلوم ہو جاتے ہیں جو ساجد سے بہت پہلے ضاحک کی ہجویات کا شکار ہو چکے تھے۔

جا صبا ضاحک سے کہہ بعد از سلام — کیوں کیا کرتا ہے ہجو خاص و عام
آپ کو کہتا ہے تو سید ہوں میں — جد میرا پوچھو تو ہے خیر الانام
بس دکھا تو اب کسی کی ہجو میں — ہو اگر ختم رسالت کا کلام
سن تو اک آ انصف انصاف خر — ہم نے کیا سید نہیں دیکھے مگر
قتل حرمت پہ خدا کی حلق کے — کب کسی سید نے باندھی ہے کمر
ریزہ چیں جس جس کے تو ہے خوان کا — ہجو کر اس اس کی ہر شام و سحر
رات دن پھرتا پھرے ہے لعیں — اسکے اسکے گھر میں اسکے اسکے گھر
تال دوسرے ہے ترا گانا مری — صبح سے مت گا یہ لحن مادری
دخل تک صورت پدر کو بھی نہ دے — تا یہ سمجھے ہے للت یا گوجری
اس سے بڑھ کر بھی مسامحہ خاں کو ہے — ہے نہ ہو خاں کو درہ سمہری
بس بتا باعث انہوں کی ہجو کا — بدعیت کہتا ہے تو بدگوہری
پہنچے گر شعراب ترے دفتر تلک — سہمے ہے کہتر سے دہتر تلک

---

۲ گذشتہ صفحہ سے آگے: مولانا ساجد شاہ آباد ضلع لکھنؤ کے رہنے والے تھے ان کا دہلی میں قیام ثابت نہیں ہوتا مجموعہ نغز میں گریاں کے بیان میں لکھا ہے "غلام محی الدین خاں خلف الصدق مولوی ساجد مرحوم انکے صاحبزادے کے متعلق بھی اس سے زیادہ معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مجھ کو یہ ڈر ہے نہ پہنچیں آج کل ان کی نعلیں بھی تمہارے سر تلک
پاجی تو جن کی زن و دختر کلہ ہے سخن ان کا بھی تیرے گھر تلک
ہجو کرتا کیوں تو ان اشخاص کی وہ جو ہیں ممتاز یہ آسماں
کون سا سید بنا ہے مسخرہ گھر بگھر پھرتا پنیر و قرص ناں
کون سا سید بنا عاشورہ میں تجھ سوا حارث یہ مشتاق حلیم
فی الحقیقت ہے تو مضحک ضاحکا پر تو سمجھے تب جو ہو ذہن سلیم
کہہ معالج خاں نے تیرا کیا کیا شعر ان کا اپنے منہ میں گہہ بھرے
میر نواب اور ان کے بھائی کی ہجو تو کرتا ہے کیوں اے مسخرے
میں یہ سمجھوں کہوں تو اس وضع سے آج گر جیتا بچے تو کل مرے
مرزا ہبلو سے تا مرزا علی نظم میں آئے تری ست سے پرے
اور نام ان کا تو لے سکتا نہیں جن سے ہیں یہ شخص رشتے میں ترے
تجھ سوا کس میر کی ہے ایسی شکل جس کی صورت دیکھ کے شیطاں ڈرے
کیجئو تو میری ہجو اے بھڑوے نٹ تو سہی دوں بانس سے تجھ کو الٹ
جو ترے دل میں ہے کہہ تو سودا سے دیکھ تو ملک یا ابھی ہیں کیا اکٹ[1]

---

[1] سودا نے ہجو ضاحک میں جن لوگوں کے نام درج کئے ہیں انکے متعلق ڈاکٹر قریشی "میر حسن اور ان کا زمانہ" میں لکھتے ہیں "مرزا علی سالار جنگ کا بھائی تھا شوکت جنگ سوزاں اسی کا بیٹا تھا۔ حکیم معالج خاں ان پانچ طبیبوں میں تھا جو شجاع الدولہ کے یکسر سے فیض آباد آئے بعد دہلی سے وارد ہوئے تھے ان میں سے مولوی محمد منیر جو ابر علی خاں کا ملازم ہوا

(اگلے صفحہ پر)

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہجو کی ہے تو نے اُن کی آج تک — جوں بھی جن سے مر نہیں سکتی ہے چٹ
مادر و خواہر تلک تو دے مجھے — گالیاں تو سن کے پی جاؤں میں غٹ
جورو بیٹی کو بھی گر دے گا تو کیا — کون سی یاں ... جاوے گی گھٹ
عیب دنیا کیا ہے جو مجھ میں نہیں — جو تو چاہے کہ نہیں اس میں کپٹ
بات کیا ہے وہ کہ اب میرے تئیں — جس کے ظاہر ہونے سے لگے چٹ
مولوی صاحب کو جو پھر کچھ کہا — دیکھیو کیسا کروں گا چت پٹ[1]

جناب عبدالودود صاحب ہجویات سودا کے مطالعہ سے اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ معارضہ کی ابتدا سودا کی طرف سے ہوئی لکھتے ہیں۔

سودا کی ہجویات کو دیکھ کر میں یہ سمجھتا ہوں کہ پہلے
سودا نے ضاحک کی ہجو لکھی ضاحک نے اس کا
جواب دیا سودا کو ظاہرا ذاتی عناد نہ تھا لیکن
ضاحک بے سبب دوسروں کی ہجو کیا کرتے تھے

---

[1] کلیات سودا قلمی ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ

گذشتہ صفحہ سے :- اس کا ساتھی ایرانی مغنی طیب آغا ملا عبدالمجید تھا یہ دونوں ایک طرف تھے اور ان کے خلاف محمد معالج خاں تھا میرزا بہلو گمان غالب یہ ہے میرزا فیضو ہے اور اسکی ہجو سودا کے کلیات میں شامل ہے۔ یہی حال میرزا علی والی ہجو کا ہے جو کلیات میر حسن میں عظیم کشمیری کی ہجو کے طور پر شامل ہے میر لواب بھی تاریخی شخصیت ہے حکیم میر لواب کے نام رقعات بھی ہیں ان (جواہر علیخاں) میں دو رقعے ہیں خلیفہ محمد علی شاہ سکندر میاں سکندر مشہور ہیں عرف گھسیٹا تھا دہلی میں نشو و نما پائی قصہ خواں مرثیہ گو شاگرد ناجی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سودا نے ان کا انتقام ضاحک سے لیا[1]

ناصر کا منقول شدہ ہجویہ قصیدہ جسکو وہ ضاحک کی ہجو قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بعد خرابی بسیار پاستدعائے میر حسن یہ ہجو مولوی ساجد شاہ آبادی کے نام پر ہوئی[2] اس کو قبول نہیں کیا جا سکتا وجوہات درج ذیل ہیں۔

۱۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ قائم کی طرح صلح و صفائی یا میر حسن کی استدعا پر سودا نے مندرجہ بالا قصیدہ سے ضاحک کا نام ہٹا دیا تو یہ سوال اٹھتا ہے کہ اسے مولوی ساجد ہی کے نام سے کیوں دیا گیا۔ قائم کی ہجو کی طرح اس قصیدہ کو بھی کسی مجہول یا موہوم شخصیت کے نام سے کیوں نہیں معنون کیا گیا۔ ساجد کے نام معنون کرنے کا مقصد کیا تھا جبکہ وہ خود ساجد کی موافقت میں ضاحک سے بلاوجہ مخالفت مول لے چکے تھے۔

قصیدے کے مندرجہ ذیل اشعار خاص توجہ کے مستحق ہیں ان سے فیصلہ میں آسانی ہو جائے گی۔

پشت دریشت تیری قوم میں پیدا آیا	وہ عمل جس سے کہ لرزے ز سما تا بہ سمک
خاندان میں ترے ہر گز یہ عمل ہے نہ ہوا	خلت ذالخ سے کیوں ہو تیرے دامن پہ شلک[3]

ضاحک سید تھے۔ سودا ترجیع بند میں اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

آپ کو کہتا ہے تو سیّد ہوں میں	جد میرا پوچھ تو ہے خیر الانام

---

[1] خوش معرکہ زیبا قلمی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

[2] خوش معرکہ زیبا قلمی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

[3] خوش معرکہ زیبا قلمی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سن تو ٹک اے انصف انسان نصف خر ہم نے کیا سید نہیں دیکھے مگر
قتل حرمت پر خدا کی خلق کے کب کسی سید نے باندھی ہے کمر[1]

ان اشعار کو دیکھ کر یہ کبھی باور نہیں کیا جا سکتا کہ سودا خاندان رسول سے تعلق رکھنے والے شخص کے متعلق یہ کہنے کی جرات کر سکتے ہیں کہ اس قوم میں پشت در پشت سے وہ عمل ہوتا آیا ہے جس سے سُنا تا بہ سمک لرزہ براندام ہیں۔ دراصل سودا نے یہ قصیدہ مولوی ساجد ہی کی شان میں کہا تھا جسکو مولف خوش معرکہ زیبا نے داستان سرائی میں رنگ و لو پیدا کرنے کے لئے ضاحک کے نام سے منسوب کر دیا۔

علی گڑھ کے طنز و ظرافت نمبر میں جناب قاضی عبدالودود نے معارضہ ضاحک و سودا کو فیض آباد کی یادگار مانتے ہوئے زمانہ تحریر ۱۱۸۶ھ یا اس کے کچھ دن بعد مانا ہے لکھتے ہیں:

"معارضہ ضاحک و سودا فیض آباد میں ہوا ہے اور میرے نزدیک اس کا زمانہ ۱۱۸۶ھ یا اس کے کچھ دن بعد ہے۔ لیکن ۱۱۸۸ھ اس کی آخری حد ہے، ابتدائی حد جو ۱۱۸۶ھ مقرر کی گئی ہے وہ اس لئے کہ سودا اس سے پہلے فیض آباد میں نہیں آئے (کلیات سودا (مصطفائی) میں فندی

---

[1] خوش معرکہ زیبا قلمی مسلم یونیورسٹی نمبر علیگڈھ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کی ایک ہجو پنجابی زبان میں ہے جس میں مادہ
تاریخ اسی سن کا ہے اور یہ مسلم ہے کہ فدوی
وسودا کا جھگڑا فرخ آباد میں ہوا ۱۱۸۸ھ اس
لئے بتائی گئی ہے کہ ہجو یہ نظموں میں روہیلوں کا
اس طرح ذکر ہے کہ گویا کہ ان کے عروج کی بات
ہے اور ۱۱۸۸ھ میں انھیں نواب شجاع الدولہ
نے انگریزوں کی مدد سے شکست دیکر ان کے
ملک پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس کی وجہ کہ میں یہ کیوں
سمجھتا ہوں کہ ضاحک وسودا کا جھگڑا فیض آباد
میں ہوا سکندر کی بحث میں ملیگا۔[1]

ضاحک وسودا کے جھگڑے کی قابل قبول تاریخ قاضی صاحب سکندر کی بحث میں بھی متعین نہیں کر سکے ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ اگر ہم ضاحک کے خلاف لکھی گئی تمام ہجوؤں کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد سب سے پہلے کہی گئی ہجو کا پتہ لگائیں تو اندرونی اور بیرونی شہادتوں کی روشنی میں جائے تصنیف اور تاریخ تصنیف کا ٹھیک ٹھیک اندازہ ہو سکتا ہے اس سلسلہ میں سودا کی ہجو سہ جا صبا ضاحک سے کہہ لیجد از سلام البتہ زیادہ قابل غور ہے۔ اس کے تنقیدی مطالعے سے یہ بات واضح طور پر سامنے آجاتی ہے کہ ضاحک کے خلاف سودا نے سب سے پہلی ہجو لکھی:

---

[1] طنز و ظرافت نمبر ص ۳۲

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جا صبا ضاحک سے کہہ بعد از سلام — کیوں کیا کرتا ہے ہجو خاص و عام
سن تو ٹک آ نصف انسان انصف خر — ہم نے کیا سید نہیں دیکھے مگر
قتل حرمت پر خدا کی خلق کے — کب کسی سید نے باندھی ہے کمر[1]

اس ہجو میں سودا، مصاحب خاں، ہسو خان، میر نواب اور ان کے بھائی مرزا بہلو اور مرزا علی کے اسماء دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ہجو کی ہے تو نے ان کی آج تک — جن سے جوں بھی مر نہیں سکتی ہے ہٹ
کیجو میری ہجو تو اے بھڑوے نٹ — تو سہی دوں پانس سے تجھ کو الٹ
مولوی صاحب کو پھر جو کچھ کہا — دیکھیو کیسا کروں گا چت و پٹ[2]

ہجو کے پہلے شعر سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ضاحک نے جن لوگوں کے خلاف قلم اٹھایا ان کا مد مقابل ہونا تو بڑی بات وہ لوگ اس لائق بھی نہ تھے جو جوں مار سکیں لہٰذا ضاحک کے مقابلہ میں آنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ساحد کی ہجو نے سودا کو قلم اٹھانے پر مجبور کیا۔ سودا ضاحک کی فطرت سے واقف تھے اور دوسروں کی ہجو میں ان کے سامنے تھیں چنانچہ یقین تھا کہ ضاحک جواب میں جورو اور بیٹی تو کجا مادر و خواہر کو بھی معاف نہیں کریں گے دوسرے شعر میں پانس سے الٹنے کی دھمکی اسی لئے دی ہے۔

ضاحک نے اس کا کیا جواب دیا ہمیں اس سے فی الحال بحث نہیں دیکھنا صرف یہ ہے کہ ہجو میں مذکور اشخاص کا تعلق کس جگہ سے تھا، اگر وہ لوگ دلی کے

---

[1] کلیات سودا قلمی ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ [2] کلیات سودا قلمی ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

رہنے والے تھے اور اسی کی خاک کے پیوند ہوئے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہجو دہلی کی یادگار ہے اور اگر ان کا تعلق فیض آباد سے تھا یا وہ لوگ دہلی سے ہجرت کرکے فیض آباد آئے تھے تو یہ ہجو فیض آباد میں لکھی گئی۔

مطالعہ کی آسانی کے لئے مولوی ساجد کے علاوہ ہجو میں مذکور دوسرے اصحاب کو فی الحال فراموش کیا جا سکتا ہے۔ ممکن ہے ضاحک نے ساجد کی ہجو سے پہلے ان لوگوں کے خلاف ہجویں کہی ہوں چنانچہ جواب دیتے وقت سودا نے پہل کرنے کے الزام سے بری ہونے کے لئے یا بلا وجہ جھگڑا کرنے کی ذمہ داری سے بچنے کے لئے ان حضرات کا بھی ذکر کر دیا۔ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ مولوی ساجد بھی دوسرے مہاجر شعراء کی طرح فیض آباد آئے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہجو فیض آباد میں لکھی گئی اور معارضہ ضاحک و سودا بھی یہیں ہوا جیسا کہ قاضی عبدالودود صاحب کا خیال ہے ضاحک کی قلندری ان کی اہلیہ کے "لوڑھے چونڈے اور غریب الوطنی کا بیان دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ معارضہ یا مکابرہ فیض آباد میں ہوا لیکن جب تک مولوی ساجد کے قیام فیض آباد کا ثبوت نہ مل جائے اس وقت تک فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ کلیاتِ میر حسن میں ساجد کی ہجو میں ایک خمسہ اور رباعیاں ملتی ہیں۔

خمسہ: لبس کہ تھا یہ اہلِ ایماں کا دیار ساجدِ بے دیں ہوا یاں آ کے خوار
ابتر یوں دے ہے بھر طوانا بکار سبز وار است ایں جہان بے مدار
ما چو تو گردیم در دے خار و زار

رباعی نمبر ۱

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

یہ مولوی ساجد جو ہے مومن کا ندیم — حکمت میں دخل دے ہے اکثر وہ لئیم
ع... واکرتا پھرتا ہے علاج — آیا ہے ..... کا حکیم

رباعی نمبر ۲:

ہیں مولوی ساجد کے دو فرزند جہال — ایک شیعہ ہے ایک سنی نامعقول
شیعہ سے ... دے سنی ... وہ آہ — کس طرح کرے نہ بحث فاعل مفعول

میر حسن کے خمسہ اور رباعیوں کو دیکھنے کے بعد قاضی عبدالودود کا بیان درست تسلیم کرنا پڑے گا۔

کلیات سودا میں ایک مخمس ضاحک کی ہجو میں ہے جس کا پہلا مصرعہ ہے یارب یہ دعا مانگتا ہے تجھ سے سکندر انچہ ہے آزاد اس مخمس کی شان ورود کے بارے میں لکھتے ہیں:

"سودا کے دیوان میں میر ضاحک مرحوم کی یہ ہجو جب میں دیکھتا تھا تو حیران ہوتا تھا کہ سکندر کا یہاں کیا کام؟ میر مہدی حسن فراغ کو خدا مغفرت کرے، انہوں نے بیان کیا کہ ایک دن حسب معمول مرزا سلیمان شکوہ کے یہاں پائیں باغ میں تخت بچھے تھے۔ صاحب عالم خود مسند پر بیٹھے۔ شرفاء و شعراء کا مجمع تھا۔ مرزا رفیع اور میاں سکندر مرثیہ گو بھی موجود تھے کہ میر ضاحک تشریف لائے۔ ان کی پرانی وضع اور لباس پر کہ ان دنوں انگشت نما تھی صاحب عالم مسکرائے۔ میر صاحب

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

آکر بیٹھے مزاج پرسی ہوئی، حقہ سامنے آیا۔ اتفاقاً
صاحب عالم نے مرزا رفیع سے کہا کہ کچھ ارشاد فرمائیے
دونوں صاحبوں کے معاملات تو انھیں معلوم ہی
تھے خدا جانے چھیڑ مقصود تھی یا اتفاقاً زبان سے
نکل گیا، سودا نے کہا میں نے تو ان دونوں کچھ
کہا نہیں میاں سکندر کی طرف اشارہ کر کے کہا
انہوں نے ایک مخمس کہا ہے۔ صاحب عالم نے فرمایا
کیا؟ سودا نے پہلا ہی بند پڑھا تھا۔ کہ میر ضاحک
مرحوم اٹھ کر میاں سکندر سے دست و گریباں ہو گئے
سکندر بے چارے حیران کہ نہ واسطہ نہ سبب یہ کیا
آفت آگئی۔ سب اٹھ کھڑے ہوئے دونوں صاحبوں
کو الگ کیا اور سودا کو دیکھئے تو الگ کھڑے مسکرا
رہے ہیں [1]

آزاد کے بیان پر تنقیدی نگاہ ڈالتے ہوئے نصیر حسین خیال۔
لکھتے ہیں:

یہ فراغ (جو اس داستان کے راوی بتائے گئے ہیں)
بھی ایک عجیب ستم ظریف ہیں مگر آزاد پر عجب ہے

---

[1] آب حیات صہ ۲۲۳، ۲۲۴ مطبوعہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کہ انہوں نے اپنے زمانے میں بھی دلی اور لکھنؤ کے
شرفا کو دیکھا اور ان کی تمیز داریوں کو نگاہ میں رکھا ہوگا
اس پر وہ ایسا قصہ بیان کر گئے۔ سکندر کو میں نہیں
جانتا مگر ضاحک کو پہچانتا ہوں اس لئے میں کہوں
گا کہ یہ حکایت از سر تا پا لغو ہے۔ اصل تو میاں سکندر
کا لکھنؤ جانا ہی ثابت نہیں پھر یہ کہ ضاحک کے سے
بزرگ کسی صحبت میں شرلفیوں سے یوں ہاتھا پائی
کر بیٹھیں اس پر مزید کہ یہ واردات مرزا سلیمان شکوہ
کے سے مہذب شہزادے کی ایک صحبت میں ہوتی ہے
میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ آزاد مرحوم کے وقت میں
دلی کے امراء کی صحبت کا کیا قرینہ ہو گیا تھا۔ اور ہمارے
پروفیسر صاحب نے کیا دیکھا۔ مگر جس وقت کا قصہ
انہوں نے چھیڑا ہے اس زمانہ کا ہمارا کوئی امیرزادہ
اتنا بے قرینہ نہ تھا کہ اس کی صحبت میں دو شریف
یوں گتھی ہو جائیں۔ ہمارے آزاد اپنی قصہ گوئی
میں اکثر بہت آگے بڑھ جاتے ہیں۔ اور ادھر اُدھر
نہیں دیکھتے [1]

---

[1] مغل اور اردو صہ ۱۲۲

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

آزاد کے بیان پر قصہ گوئی کا الزام لگانے والے خود بھی قیاس آرائی سے آگے نہ بڑھ سکے۔ خیال کے استدلال بھی ثبوت سے مبرا ہیں۔ آزاد نے قصہ گوئی اور داستان سرائی فراغ کے حوالہ سے کی۔ نصیر حسین صاحب ضاحک کو جانتے اور ان کے خاندان کو پہچاننے کے بعد بھی "شرافتوں" سے ناآشنا رہے میرے خیال میں سکندر سے ہاتھا پائی فحش گوئی سے کہیں بہتر ہے۔ میں قاضی عبدالودود صاحب کی مندرجہ ذیل عبارت سے سو فیصد متفق ہوں:

"ان کے نزدیک میر ضاحک سے شریف کا کسی دوسرے شریف آدمی سے دست و گریباں ہو جانا اور وہ بھی سلیمان شکوہ جیسے مہذب شہزادے کی صحبت میں حد درجہ غیر مستند ہے اس کے متعلق میری گزارش ہے کہ ضاحک کی فحش گوئی سے ہاتھا پائی کہیں بہتر ہے۔ رہے سلیمان شکوہ تو ان کی صحبتوں کا کیا رنگ تھا اس کا کچھ پتہ مجالس رنگیں اور تذکرہ خیراتی لال بے جگر (انڈیا آفس لندن) سے چل سکتا ہے۔ خیال کا یہ قول کہ سکندر کا لکھنؤ جانا ثابت نہیں زیادہ توجہ کا مستحق ہے اور یہ قطعی طور پر معلوم ہو جائے کہ وہ لکھنؤ نہیں گئے تھے تو آزاد کی بیان کردہ روایت کو غلط سمجھنے میں تامل نہیں ہونا چاہیئے لیکن وہ لکھنؤ گئے تھے اور کمال نے انھیں وہاں دیکھا ان سے ملاقات

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کی تھی (مجمع الانتخاب بحوالہ تاریخ ادبیات ہندی
و ہندوستانی از دتاسی جلد ۳ ص ۱۴۲) خیال کی دلیلیں
آزاد کی روایات کی تغلیط نہیں کر سکتیں، مگر اس سے
یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیئے، کہ یہ روایت صحیح ہے۔
سلیمان شکوہ ۱۲۵۵ھ میں دلی سے لکھنؤ آ گئے ہیں [۱]

مذکورہ بالا اقوال کے بعد مخمس زیر بحث کو ملاحظہ فرمائیے: —

یارب یہ دعا مانگتا ہے تجھ سے سکندر — خاک کی اڑاوے نہ کسی بن میں قلندر
گھر اس کے تولد ہوا اگر بچہ بندر — گلیوں میں نچاتا پھرے وہ بنگلے کے اندر
روٹی تو کما کھاوے کسی طرح مچھندر

گھوالی کو بھی اسکی یہی فکر ہے دن رات — بچہ کوئی بندر کا جو لاگ جائے مرے ہاتھ
سکھلا کے اسے ناچ کی نیلکی دو کاٹ — دوں بھڑوے نکھٹو کو جو اسکی کٹے اقبال
روٹی تو کما کھاوے کسی طرح مچھندر

اک ہانڈی پرانی سی کاگھر میں نہ ڈھونڈوں — پیرا تو کہاں اینٹھی سا کتا بھی نہ مانگوں
ٹکڑوں کے لئے کھدرے کی اک جھولی سلا لوں — پھر کیا کروں اتنا بھی جو سامان نہ بنا دوں
روٹی تو کما کھاوے کسی طرح مچھندر

کر بیجو لوگوں کی ناحق مجھے پٹوائے — اور اپنی ہوئی جیتی کی کالی سے نہ پائے
کوئی دوست ہوا سکا تو اس بھڑوے کو سمجھائے — اس سے تو بھلا دو گھڑی نیند ہی نہ آئے

---

[۱] طنز و ظرافت نمبر ص ۱۳۹

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

روٹی تو کما کھاوے کسی طرح مچھندر

کر چرخہ و پونی جو میں پیدا کروں چوتی — کھا جائے ہے یہ بھوک لہے بیل سے دونی
جم جم رہے آباد یہ بستی نہ ہو سونی — بندر کے نچانے میں بھلا کیا ہے نہ لونی

روٹی تو کما کھاوے کسی طرح مچھندر

بندر ہے کیا دہ مرد ہو تو رکھے لڑاوے — اک پیسہ اسے ملتا ہو دو پیسہ یہ پاوے
یہ میری نصیحت مواخاطر میں نہ لاوے — میں چاہتی ہوں اس سے بھلا کچھ تو میں آوے

روٹی تو کما کھاوے کسی طرح مچھندر

مر جائے موا یہ تو میں دوں پی پی کی پڑیاں — دے روٹیاں سوکھی مجھے مانگے ہے چڑیاں
لے لے کے ٹکے پیسے کو سب شہر کی گڑیاں — سی سی کے اسے دوں جو یہ بیچا کرے گڑیاں

روٹی تو کما کھاوے کسی طرح مچھندر

یوں بھی نہ ہو اس سے تو بات اور بنا دوں — دو چھوڑے رنگ حلوہ خانون بنا دوں
جو اس کے نچانے کی طرح ہے سو بنا دوں — میں کل کلی بی بی ہوں اسے کچھ تو سکھا دوں

روٹی تو کما کھاوے کسی طرح مچھندر

کہتی ہوں میں اس سے جو اسے شرم ہو میری — تو بیچ نہ کرتا پھرے بگڑ دا میری نیری
ان باتوں سے ہونے کو نہیں پیٹ کو سیری — لے حلوہ خانون کرے شہر میں پھیری

روٹی تو کما کھاوے کسی طرح مچھندر

اک اور علاج اب نظر آیا مجھے اس کا — منڈوا تی ہوں داڑھی موئے کی نائی سے بلوا
نتھ ناک میں ڈال اور پہنا سا ری دلہنگا — بکواؤنگی اس بھڑوے سے کوئے ہی پکڑا

روٹی تو کما کھاوے کسی طرح مچھندر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پایا یہ گدھا کانے میں بھی میں نے نہ پورا — گاتا جو وہ سُر سے تو میں لے دیتی تنبورا
جس کام میں دیکھو تو یہ چھیڑو ہے ادھورا — آخر میں بتا دوں گی اسے توپ زنبورا
روٹی تو کما کھاوے کسی طرح مچھندر

ان باتوں میں سیدا سکو اگر کچھ نہ کر آوے — اک مرثیہ کہہ شمر کا یہ طرح بنا دے
اس طرح کو پھر مولوی ساجد کو سکھا دے — یاروں کہتے اس بات کو پھر لے کے یہ جاوے
روٹی تو کما کھاوے کسی طرح مچھندر

گر بھیک کی لوگوں کے نہ کھاویگا یہ سوگند — تو ماں ہوں میں پھر اس کی وہ ہیگا مرا فرزند
اب مجھ کو رکھا چاہیئے تو منہ اپنا کرے بند — ان کاموں سے جو کام کرے اس سے ہوں خرسند
روٹی تو کما کھاوے کسی طرح مچھندر

آخر کہا اس نے مجھے اس پاس نہ رہنا ! — پھر بات نصیحت کی مجھے اس سے نہ کہنا
ان کاموں سے کیا اس کے نصیبوں میں ہے رہنا — لے دونگی میں دو چھوکریاں بیچ کے گہنا
روٹی تو کما کھاوے کسی طرح مچھندر

گر میں نہ کروں یوں تو بھلا کیا کروں لوگو — بھڑوائی ہی بھڑوے کی جو قسمت میں لکھی ہو
جو چیز جہیز وہ ہے مری مجھ سے کوئی لو — گروی اسے رکھوا سے دو چھوکریاں لے دو
روٹی تو کما کھاوے کسی طرح مچھندر

تب سن کے یہ ضاحک نے کہا ہنستی ہے خندی — کوئی بیٹی بھی اچھی سی مجھے تو نے نہ جن دی
ہم سب کو وہ پھر پالتی اللہ کی بندی — کہہ گہہ یہ کرتی ہے زباں کاہے کو گندی
روٹی تو کما کھاوے کسی طرح مچھندر

خاموش رہو سودا نہ زباں اپنی بہت کھول — جھگڑے میں خصم جورو کے آگے تو نہ اب بول

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کچھ سیم تلو ہی نہ گاؤنگی بجا ڈھول ڈنکا ہے دماے کا کریہ مصرع ہے انمول
روٹی تو کما کھاوے کسی طرح مچھندر

کلیات سودا میں الحاقی کلام مدنظر رکھتے ہوئے جناب قاضی عبدالودود کا خیال ہے کہ جہاں تک کلیات کے کسی نسخہ میں جو کامل طور پر قابلِ اعتماد ہو یہ مخمس نہ پایا جاوے اسے سکندر کی ملکیت سمجھنا چاہیئے۔ یہ بات کہ سکندر و ضاحک میں معارضہ ہوا تھا۔ دوسرے مخمس سے ثابت ہے اور مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دوسرا پہلے کا جواب ہے دوسرا بھی میر اخیال ہے غلطی سے۔ دیوان حسن میں شامل ہو گیا ہے۔ بیٹا باپ سے اس طرح خطاب کرے جیسا کہ نبد تین وغیرہ میں ہے۔ میرے نزدیک اس کے مصنف ضاحک ہیں [1]

مخمس:۔

ضاحک نہ خوف کر تو اب کیا ہے وہ مچھندر بکرے کا ہے وہ .... اور زادہ قلندر
باندھے ہے جب تلک وہ بکرے کو باہر اندر لکڑی کے بل نچا تو اس کو مثال بندر
..... تر اڈرے ہے ... یہ ہے سکندر

وہ صورت مخنث ہے اک مسخرہ سا تل چاوری ہے داڑھی اور ریوڑی نما سا
بھٹا سا ... کھا کے بیٹھا تیتا تبا سا آخر تو ..... اس کا کاسہ
..... تر اڈرے ہے ... یہ ہے سکندر

پھر اس سے کام کر کر تو آگے چل ادھر کو ماں اور بہن ہوں اسکی اور بیٹی ہو جدھر کو

---

[1] طنز و ظرافت نمبر ص ۱۴۳

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کر حشر گاہ اس کے جا کر تمام گھر کو امساک کھا کے فاحک مضبوط کر کمر کو
..... ترا ڈرے ہے .... پہ ہے سکندر

از غیب سے صدا یوں آتی ہے مجھکو ہر دم دیوت ہے وہ کھڑا اس کا نہ کر تو کچھ غم
سارے قبیلہ کو تو ... اس کے جا کے پہنچہ ... کو پھر ... اور مار شتق سے خم
..... ترا ڈرے ہے ... پہ ہے سکندر

وہ ایک ماں کا ... بچہ ہے بھیڑوا باطن میں نرم ہے وہ ظاہر میں گو ہے کڑوا
کترا کے اپنی مونچھیں جب آئے وہ مچھڑوا ... کا رکھ بنا کر تو اس کے سر پہ گڑوا
..... ترا ڈرے ہے .... پہ ہے سکندر

دھینور کا چھوکرا ہے پورب کا ہے زنانہ ہے مار واڑیوں کے ... اوپر دوانا
پنجابیوں کا رکھنا ہے ہاتھ میں ... ایسے کی بات ہرگز خاطر میں تو نہ لانا
..... ترا ڈرے ہے .... پہ ہے سکندر

ہر اک زبان کا ماہر اس واسطے ہوا ہے ماں نے حرام اس کی ہر جنس سے کیا ہے
سو نطفے جمع ہو کر ہر بابی اک بنا ہے کہہ اس کے منہ پہ جا کے ایسا وہ شخص کیا ہے
..... ترا ڈرے ہے ... پہ ہے سکندر

ہے نقل اس کی اک دن جو دکھایا اس ساحرہ نے مینڈھا اسکے تئیں بنایا
شب ہو تو ... سے سر کے تئیں بھڑایا ڈرنے لگا جو دنگڑا اس کے تئیں سنایا
..... ترا ڈرے ہے .... پہ ہے سکندر

اس نے کہا کہ گر وہ آجائیگا تو پھر کیا کہنے لگی کہ تجھ کو اس کی نہیں ہے پروا
کچھ بات میں بنا لوں ہر طرح سے تجھ کیا ..... کام اپنا تو کئے جا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

..... ترا ڈرے ہے .... یہ ہے سکندر

جب خوب ..... اس کو مزاج آیا — لیٹے ہی لیٹے اس نے سر کے تئیں ہلایا
بے تال مار دلی کہ نخرہ نیا جتایا — اوپر سے تال دلوا نیچے کے سُر سے گایا

..... ترا ڈرے ہے ... یہ ہے سکندر

.... اپنے آگے جو ماں سے تا بہ خالہ — نہ بھڑ دا اس طرح سے ہے خوب دیکھا بھالا
گر وہ چڑے تو کیا کہے ہے ایک چڑیا والا — ایسا کہاں سے آیا وہ رانی خاں کا سالا

..... ترا ڈرے ہے ... یہ ہے سکندر

ہمسایے میں تھی اس کی اکدن کہی کی شادی — واں جا کے جو رو اسکی بن بیٹھی پیر زادی
ننھے میاں کو سر پر بٹھائے مال زادی — کر آپ کو مخاطب پھر یہ مثل ستا دی

..... ترا ڈرے ہے .... یہ ہے سکندر

ننھے میاں جب آئے تب اڑیاں رگڑ کر — کہنے لگی کہ کوڑے آئیں تو کھلوں .. سر پر
دیور لگا یہ کہنے بھائی کا ہے مجھے ڈر — جھنجلا کے پھر وہ بولی تو میرے آگے لا دھر

..... ترا ڈرے ہے ... یہ ہے سکندر

سودا ہو یا سکندر گر ہووے کوئی کیسا — مفلس ہو وہ حسن بہار کھتا ہو پاس پیسہ
جیسا کہ کوئی ہوگا پائے گا یار ویسا! — ناحق جو ہوئے دشمن تو کیا ہے ایسا تیسا

..... ترا ڈرے ہے ... یہ ہے سکندر

مندرجہ بالا عبارت اور دیوان حسن کے مخمس کا بغور مطالعہ قاضی صاحب کی رائے سے اتفاق کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ قاضی صاحب کی پیش کردہ اندرونی .. شہادتوں کے علاوہ ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ دیوان حسن قلمی ایشیاٹک سوسائٹی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میں پہلی بحر اور دوسری مخمس بھی نہیں ہے۔ میر حسن اور عظیم کے درمیان کسی مخالفت کا سراغ نہیں ملتا لہٰذا اسے بھی الحاقی سمجھنا چاہیئے۔ اور قیاس یہ ہے کہ اس کے مصنف ضاحک ہیں ممکن ہے کہ نام بھی فرضی ہو۔ مخمس مذکور یہ ہے:

ایک قصہ میں سنا ہے مردم سے یہ قضارا — بیت الخلا گیا تھا میر اعظیم پیارا
ناگاہ کھڈی اوپر گیدڑ نے جا پچھاڑا — گھبرا کے ان نے تب واں چور کے تئیں پکارا

دل می رود ز دستم صاحب دلاں خدارا
درد آ کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

وہ دوڑ کر بچاری بیت الخلا تک آ کر — کہتی ہوئی یہ بھاگی اس بات کو بتا کر
اک گوز مار تو بھی شاید کہ بھاگے گیدڑ — تب کونتھ کر لگا وہ کہنے یہ آہ بھر کر

کشتی شکستہ دارم اے بادِ سخت برخیز
باشد کہ باز بینم آں یار آشنا را

رونے پہ اس کے واں سے جورو یہ ہنس کے بولی — رہنے کی نہیں میں تجھ پاس اب ہوئی تھی سو ہوا
نامرد چیز ہے تو رکھ اپنے گھر میں موئی — تب نوچ داڑھی اس نے لب سے یہ بات کھوئی

گر کوئے نیک نامی ما را گزر نہ دادند
گر تو نمی پسندی تغییر کن قضارا!

شب کو تو ماجرا یہ جو کچھ سنا سو گزرا — ہوتے ہی صبح اس کا یاروں میں پھیلا چرچا
آخر کے تئیں یہ قصہ سن کر چمن میں جا — پی کر مئے طرب کو ہر اک یہ بات بولا

در حلقۂ گل و مل خوش خواند دوشِ بلبل
بات الصبوح بے لوا یا ایہا السکارا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تجھ کو عظیم آخر کہتے نہ تھے دکھا کر — مت ہر کسی کے حق میں تو نیش زن ہوا کر
آتی نہیں تجھ کو دنیا میں زیست کرکر — اب اے لچے وخندی سن بات کان دھر کر

آسایش دو گیتی تفسیر این دو حرف است
با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

آخر حسنؔ کو تو نے کاہے کو یوں ستایا — تو اپنے منہ کے اوپر آفت عظیم لایا
تیغ سخن سے تو نے سر کو عبث کٹایا — دیکھو معاف میرا اب تو نے منہ کھلایا

حافظ بخود نہ لرزید این نقطہ ہا کہ آلود
اے شیخ پاکدامن معذور دار ما را[۲]

حافظ شیرازی کے حسین و جمیل غزل کے اشعار کو مخمس میں کھپا کر جس جرأت رندانہ کا ثبوت دیا گیا ہے اس کا پرتو صرف ہجو نگار شاعر ہی کی زندگی میں مل سکتا ہے۔ میر حسن جیسے سلیم الطبع عظیم کی تنقیش زنی کے باوجود حافظ کی غزل کو اس طرح تباہ کرنا گوارا نہ کرتے۔ چنانچہ میں اس مخمس کو ضاحک کی ملکیت تصور کرتا ہوں۔

محمود فاروقی میر حسن خاندان کے دوسرے شعراء میں ضاحک کی ایک ہجو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "میر ضاحک کا کلام نایاب ہے۔ بڑی جستجو کے بعد ایک ہجو ہاتھ لگی ہے جس کے چند بند درج ذیل ہیں:

سودا کی لغویات کو ضاحک نہ دیکھ رہ — حلدی جلادے اس کے یہ ابیات کر کے تہہ

---

۱ ضاحک کا تخلص اس طرح آسکتا ہے "ضاحک تو نے آخر کاہے کو یوں ستایا
۲ دیوان حسن تلمی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پوچھے اگر وہ کیا میری تقصیر، تو یہ کہہ ابیں زادہ زیادہ نہ کر دست بیچ گہہ

غزو ایں عمل کہ شداد کردہ

موزوں خرد سالی ہیں نین شعر جو کیا جا کر فسون شاہ میں اصلاح کو دیا

واں جس محل نے بات کا مضمون پا لیا چشمک زدہ فسونی و گفتہ بیا بیا

من ہم بہ بیمش کہ چہ ارشاد کردہ

شیرازی تھا باپ تیرا اور نہ آملی وہ خرس گر محل کوئی ہوگا تو کاہلی

گو ناں گو شعر کہتے پہ تیری زباں کھلی ہر گز بے نہ گو بدت آغا علی قلی

زیں گفتگو عبث دل خود شاد کردہ[1]

فاروقی صاحب نے تلاش و جستجو کے بعد حاصل ہونے والے مخمس کا ماخذ نہیں بتایا۔

کلیات سودا (مخطوطہ) جامع مسجد گورکھپور میں یہ مخمس موجود ہے مطبوعہ کلیات میں ۲۱ اور مخطوطہ میں ۲۵ بند ہیں۔ فاروقی صاحب کے مذکورہ بالا تینوں بند اس طرح لکھے ہوئے ہیں:

ہاتف کی لغویات کو اے دل نہ دیکھ رہ جلدی جلا دے اس کی وہ ابیات کر کے تہ

پوچھے اگر وہ کیا میری تقصیر، تو یہ کہہ اے زادہ زیادہ نہ کر دست بیچ گہہ

غزو ایں عمل کہ تو شداد کردہ

موزوں خرد سالی میں تین شعر جو کیا جا کر فسونِ شاہ میں اصلاح کو دیا

---

[1] میر حسن اور خاندان کے دوسرے شعراء۔ محمود فاروقی صفحہ ۳۲۰

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ناں جس غزل نے بیت کا مضمون پالیا چشمک زد آں قشونی و گفتا بیا بیا

من ہم بہ بیگمش کہ چہ ارشاد کردہ

شیرازی تھا نہ باپ ترا اور نہ آملی وہ خوش گر غزل کوئی ہوگا تو کابلی

گو ناگوں شعر کہنے پہ تری زباں کھلی ہرگز کسے نہ گوید ت آغا علی قلی

زیں گفتگو عیث دل خور شاد کردہ[1]

پہلے بند میں سودا کی جگہ "ہاتف" اور ضاحک کی جگہ "اے دل" ملتا ہے مطبوعہ نسخہ دونوں کشور پریس، میں تخمس سے پہلے یہ عبارت ملتی ہے۔

تخمس در ہجو میر علی ہاتف شاعر بموجب استدعا حکیم آفتاب کہ ہجو حکیم مذکور گفتہ بود[2]

موجودہ تحقیق کی روشنی میں فاروقی صاحب کی رائے سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔

---

[1] کلیات سودا مخطوطہ جامع مسجی لائبریری گورکھپور

[2] کلیات سودا جلد اول ص ۱۱۴-۱۱۴

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میر حسن

حسن تخلص، نام میر غلام حسن ۱۱۴۰ھ یا ۱۱۴۲ھ کے درمیان پرانی دلی کے محلہ سید واڑہ میں پیدا ہوئے۔ سیاسی انتشار اور معاشی بدحالی کی گود میں آنکھ کھلی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد میر ضاحک کے زیر سایہ حاصل کی لیکن جن نامساعد حالات نے ضاحک کو حصول علم سے محروم کر دیا تھا، میر حسن بھی انھیں کا شکار ہو گئے۔ دلی ہندوستان کا دل ضرور تھی اس کی دھڑکنیں تبدیل ہو رہی تھیں کہ مستقل میں سنبھلنا بہت مشکل ہے امرائے سلطنت کی خود غرضیاں، اختلافات بغاوت کی چنگاریوں کو شعلہ جوالہ بنا رہی تھیں۔ دھیرے دھیرے عالم یہ ہو گیا کہ ۱۱۴۷ھ میں باجی راؤ چوتھ وصول کرنے دکن سے دلی کی طرف چل پڑا۔ محمد شاہ نے اعتماد الدولہ قمر الدین خاں اور امیر الامراء صمصام الدولہ کو مقابلے کے لئے روانہ کیا مگر محفل ناؤ و نوش میں رقص مہیلا کے شیدائی دربار میں محدود و معیوب سیاسی بازی گری کے تماشائی میدان کارزار میں بڑا کام کیسے کرتے صلح کی بات شروع ہوئی لیکن نواب برہان الملک نے شمشیر اٹھا کر مردانگی کا ثبوت دینا زیادہ بہتر خیال کیا ۱۱۴۹ھ میں ملہار راؤ کو شکست دے کر باجی راؤ کی طرف بڑھے۔ برہان الملک کی کامیابی دلوں کو گرمانے، حوصلے بلند کرنے اور امرائے سلطنت کو ذاتی اور اجتماعی کوتاہیوں سے دور رکھنے کے بجائے مخالفت کا سبب بن گئی۔ صمصام الدولہ کی مکروہ سیاست "معیوب مداخلت کے بغیر ہی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نواب کو آگے بڑھنے سے روک دیا گیا نتیجہ یہ ہوا کہ دلی کی حفاظت کے لئے عزت و دولت لٹانے والے مداخلت بیجا پر جھنجھلا گئے۔ برہان الملک شاہی حکم کے خلاف ورزی نہیں کر سکتے تھے۔ دربار کی اندرونی مخالفت، خزانہ شاہی کی حالت اور بادشاہ کی عادت سے واقف تھے چلتی ہوئی ہواؤں کا انداز دیکھ کر فوراً اس نتیجہ پر پہونچ گئے کہ ان حالات میں دلی کا سنبھلنا مشکل ہی نہیں غیر ممکن ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس سلسلہ میں اودھ بھی ہاتھوں سے چلا جائے لہٰذا انہوں نے مرہٹوں سے معاہدہ کر لیا اور اودھ محفوظ ہو گیا۔

محمد شاہ مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی سیلابی اور سیمابی کیفیت سے بخوبی واقف تھے لہٰذا قمرالدین خاں اور نواب عضنفر جنگ کو مقابلہ کے لئے روانہ کیا گیا دارالحکومت فوج سے خالی ہو گیا۔ مرہٹوں نے وقت سے فائدہ اٹھا کر دلی کا محاصرہ کر لیا۔ امرائے سلطنت نے بڑھ کر مقابلہ تو ضرور کیا مگر فیصلہ مرہٹوں کے حق میں ہوا۔ بادشاہ چوتھ دینے پر راضی ہو گئے۔ بحر سیاست میں اب بظاہر سکون ہو گیا۔ تہہ آب ابلتے ہوئے طوفانوں کی پیدا کئے تھی۔ بادشاہ رنگ رلیوں میں اور امرائے سلطنت ریشہ دوانیوں میں اس طرح مصروف ہو گئے کہ دہلی کی تباہی و بربادی کے وقت بھی ہوش میں نہ آسکے

قتل و غارتگری تباہی و بربادی کے اس طوفان کے بعد پورے شہر میں معاشی الجھنوں اور ذہنی انتشار کے ساتھ ہراس و مایوسی کا دور دورہ ہو گیا۔ لوگ ملک کے مختلف حصوں میں عزت بچانے اور سر چھپانے پر مجبور ہو گئے۔ میر حسن اس وقت دس یا بارہ سال کے تھے۔ خاندان کی معاشی حالت پہلے ہی بہتر نہیں تھی۔ نادار

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

طوفان کا ردعمل مزید الجھنوں کی شکل میں ظاہر ہوا وسائل محدود سے محدود تر ہوتے گئے ضاحک کے نزک روزگار کے بعد تمام راہیں مسدود ہو گئیں۔ پورے خاندان کا بوجھ میر حسن کے سر پر آ گیا ابھی حالات پر قابو نہ پا سکے تھے کہ احمد شاہ ابدالی نے تصویر کے بچے ہوئے رنگ و روغن پر سیاہی پھیر دی ۱۷۶۱ء میں دلی دوسری بار ابدالی کے ہاتھوں لوٹی گئی عوام اپنی بربادیوں کا شمار بھی نہ کر سکے تھے کہ صفدر جنگ اور احمد شاہ میں جنگ چھڑ گئی۔ دلی میں عزت بچانا مشکل ہو گیا۔ کوئی فرخ آباد پہنچا تو کسی نے فیض آباد کے لئے رخت سفر باندھا۔ میر حسن اور ان کا خاندان بھی اسی پر آشوب زمانے میں فیض آباد آیا تاریخ نویسوں اور تذکرہ نگاروں نے ان کی عمر بارہ سال بتائی ہے۔

تذکرہ ہندی :۔ بہ عمر دوازدہ سالگی قضا اورا بہ طرف پورب افگند۔ بقیہ عمر در فیض آباد و لکھنؤ گذرانیدہ [۱]

خوش معرکہ زیبا :۔ دوازدہ سالگی میں شاہجہاں آباد سے لکھنؤ میں آیا [۲]

گل رعنا :۔ بارہ برس کے سن میں والد کے ساتھ فیض آباد آئے کچھ مدت وہاں رہ کر لکھنؤ چلے گئے۔ [۳]

---

[۱] تذکرہ ہندی قلمی ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ

[۲] خوش معرکہ زیبا قلمی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

[۳] گل رعنا صفحہ ۲۳۹

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

آب حیات — عالم شباب میں والد کے ساتھ فیض آباد آئے [1]

خم خانۂ جاوید — عالم شباب میں معہ والد بزرگوار کے فیض آباد میں آکر آباد ہوئے [2]

حیات انیس — عالم شباب میں اپنے والد میر ضاحک کے ساتھ فیض آباد گئے [3]

لیکن میر حسن مرحوم تذکرہ شعرائے اردو میں یوں رقمطراز ہیں:

"شروع جوانی از گردش روزگار بدیں جا رسید کہ ہر گز کسے
ندیدہ کردہ است بہ طرف لکھنؤ و فیض آباد رسیدم" [4]

تذکرہ ہندی، خوش معرکہ زیبا، جواہر سخن اور گل رعنا کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ میر حسن بارہ سال کی عمر میں فیض آباد آئے۔ صاحب آب حیات خم خانۂ جاوید اور حیات انیس کی اطلاعات کے بموجب میر حسن 'عالم شباب' میں فیض آباد آئے۔ مذکورہ بالا تمام بیانات میں یہ کہیں نہیں معلوم ہوتا کہ میر حسن کا خاندان فیض آباد کس سنہ میں پہنچا۔

زمانہ حال کی تصنیفات میں لکھنؤ کا دبستان شاعری اور میر حسن اور ان کے خاندان کے دوسرے شعرا پر اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی صاحب لکھتے ہیں:

---

[1] آب حیات صفحہ ۳۱۰

[2] خم خانۂ جاوید صفحہ ۳۳۲

[3] حیات انیس صفحہ ۱۰

[4] تذکرہ شعرائے اردو میر حسن صفحہ ۵

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

وفات ۱۲۰۱ھ میں ہوئی اس وقت عمر تقریباً پچاس سال تھی
اس حساب سے ۱۱۶۳ھ یا ۱۱۶۴ھ میں لوہرو آئے ہوں گے [۱]

محمود فاروقی میر ضاحک کے متعلق لکھتے ہیں :

"میر ضاحک نے دہلی کو ۱۱۶۳ھ یا ۱۱۶۴ھ کے
لگ بھگ چھوڑا ہوگا وہ نواب صفدر جنگ
کے عہد میں فیض آباد وارد ہوئے [۲]

فاروقی صاحب میر حسن کے بیان میں رام بابو سکسینہ کی متعین کردہ
تاریخ پر تنقیدی نگاہ ڈالتے ہوئے تحریر کرتے ہیں :

"یہ بات پہلے ہی ثابت ہو چکی ہے کہ ۱۱۶۴ھ
تک میر ضاحک فیض آباد پہونچ چکے تھے۔
اب اگر میر حسن کی یہ تاریخ پیدائش
قبول کر لی جائے جو رام بابو سکسینہ نے
لکھی ہے تو دہلی چھوڑتے وقت میر حسن
کی عمر کم از کم ۲۳ برس قرار پائے گی اور
"ان کا شروع جوانی کا زمانہ بے معنی ہو جائیگا [۳]

---

[۱] لکھنؤ کا دبستان شاعری صفحہ ۱۰۲
[۲] میر حسن اور خاندان کے دوسرے شعراء صفحہ ۷، ۳
[۳] میر حسن اور خاندان کے دوسرے شعراء صفحہ ۷، ۳

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مذکورہ بالا عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ فاروقی صاحب رام بابو سکسینہ کی لکھی ہوئی تاریخ پیدائش صرف اس وجہ سے قبول نہیں کرتے کہ اس کو مان لینے کے بعد میر حسن کا مثنوی جوانی والا فقرہ بے معنی ہو جائیگا۔ ان کے پاس رام بابو سکسینہ کی تردید کے لئے کوئی دوسرا ثبوت نہیں۔

میر حسن کے فیض آباد پہونچنے کے متعلق بعض دوسرے محققین اور ناقدین کے یہاں بھی اشارے مل جاتے ہیں میر شیر علی افسوس مثنوی سحر البیان کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

"بعد برہم ہونے سلطنت کے شہر مذکور (دہلی) سے مجبوراً اپنے والد کے ساتھ صوبہ اودھ میں آیا سکونت فیض آباد میں اختیار کی علاقہ روزگار کا نواب سالار جنگ بہادر مرحوم کی سرکار میں بہم پہنچایا" [1]

درگا پرشاد بوستان اودھ میں لکھتے ہیں:

"بعد خرابی دہلی بہ فیض آباد رسید" [2]

فرہنگ مجموعہ سخن میں مرقوم ہے:

"بعد بربادی سلطنت دہلی مع اپنے والد کے

---

[1] دیباچہ مثنوی سحر البیان قلمی ایشیاٹک سوسائٹی

[2] بوستان اودھ درگا پرشاد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

فیض آباد میں آکر مقیم ہوئے۔[۱]

قاضی عبدالودود کا خیال ہے کہ میر حسن نے اغلباً رحملہ درانی کے بعد سفر کیا۔ درانی کا پہلا حملہ ۱۱۷۰ھ اور دوسرا ۱۱۷۴ھ میں ہوا[۲]

مولوی عبدالحق صاحب مرحوم گلشن ہند کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"سب سے پہلے نادر شاہ[۳] کی تباہی کے بعد سراج الدین علیخاں پہونچے اس کے بعد سودا[۴] تشریف لے گئے۔ سودا کے انتقال کے بعد میر نے ۱۱۸۲ھ میں دلی سے کوچ فرمایا۔ میر صاحب کے جاتے ہی دلی سونی ہو گئی اور میر حسن میر سوز جرأت سب لکھنؤ جا بسے اور دلی کی رونق لکھنؤ میں آگئی[۵]

میرے نزدیک میر شیر علی افسوس درگا پرساد اور قاضی عبدالودود کے بیانات زیادہ قابلِ اعتماد ہیں مولوی عبدالحق صاحب سے لغزش ہوئی وہ ابدالی کے دوسرے حملے کو "نادری تباہی" کا نام دے گئے۔ ڈاکٹر الوالللیث

---

۱ فرہنگ مجموعہ سخن مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۲ طرز و طراقت میر علی گڑھ یونیورسٹی صفحہ ۱۲۶

۳ سراج الدین علیخاں آرزو ابدالی کے دوسرے حملہ کے بعد فیض آباد آئے مولوی صاحب کو غلط فہمی ہو گئی تھی

۴ آرزو کے بعد مہاجرین میں دوسرا نام میر حسن کا آتا ہے سودا بہت بعد میں آئے۔

۵ مقدمہ گلشن ہند مطبوعہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

در محمود فاروقی کے متعین کیے ہوئے سنین پر اعتماد نہ کرنے کی درج ذیل وجوہات ہیں۔

۱۱۶۳ھ یا ۱۱۶۲ھ کا زمانہ نواب صفدر جنگ کا زمانہ حکومت تھا ان کا قیام مستقل دلی میں رہا کیونکہ عمدۃ الملک نے بادشاہ سے کہہ کر ۱۱۵۶ھ میں اودھ سے دلی بلوا لیا تھا۔ ۱۱۵۷ھ میں بادشاہ نے عمدۃ الملک کی سفارش سے صفدر جنگ کو میر آتشی یعنی توپ خانہ کی افسری کا خلعت عطا کیا اور اسی سال کشمیر کی صوبیداری بھی عنایت ہوئی ۱۱۵۸ھ میں۔ مومن الدولہ اسحٰق خاں تستری وصفدر جنگ بادشاہ سے اور قریب ہو گئے۔ ۱۱۶۱ھ میں محمد شاہ کا انتقال ہوا۔ صفدر جنگ نے چھتر شاہی احمد شاہ کے سر پر رکھا۔ حافظ رحمت خاں کی محبت اور شرافت نے صفدر جنگ کو وزیر ہندوستان بنایا۔ شروع میں بادشاہ وزیر کی رائے سے سر مو بھی انحراف نہ کرتے تھے لیکن کچھ دنوں بعد جاوید خاں خواجہ سرا بادشاہ کے بہت نزدیک ہو گیا۔ ۱۱۶۳ھ میں صفدر جنگ نے پٹھانوں کے ہاتھ شکست کھائی تو بادشاہ دشمنوں کی رائے سے متاثر ہو کر صفدر جنگ کے مخالف ہو گئے۔ دہلی میں داخلہ بند کر دیا گیا۔ وزیر ہندوستان نے جاوید خاں کو رشوت دیکر معافی پائی جاوید خاں کے بڑھتے ہوئے اختیارات سے صفدر جنگ دل ہی دل میں کڑھتے تھے۔ مگر کچھ کہہ نہیں سکتے تھے۔ جمادی الاول ۱۱۶۶ھ سے بادشاہ اور وزیر الملک کے درمیان کدورت کا اظہار ہونے لگا۔ صفدر جنگ نے دربار میں آنا جانا کم کر دیا۔ ۶ رجب ۱۱۶۶ھ میں بادشاہ اور صفدر جنگ کے درمیان

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لڑائی چھڑ گئی۔ تقریباً چھ ماہ دلی اپنے مہربان عاکموں کے ہاتھوں تباہ ہوتی رہی بادشاہ اور وزیر کے درمیان صلح کی بات چیت کے دوران غلط فہمی کی بنیاد پر مومن الدولہ اسحٰق خاں کی حویلی لٹوا دی گئی۔ مرزا محمد علی سالار جنگ اور مرزا افتخار الدولہ کو قلعہ کے اندر قید کر دیا گیا۔ بالآخر محرم ۱۱۶۷ھ میں نواب صفدر جنگ وزیر الممالک اور بادشاہ میں صلح ہوئی اور صفدر جنگ صوبہ اودھ کو لوٹے۔

صفدر جنگ کا مستقل قیام دلی میں ہو تو فیض آباد کے عروج اور مہاجرین کے آنے کا امکان باقی نہیں رہتا اور پھر اس وقت حیدر سالار جنگ بھی موجود نہ ہوں۔

میر حسن اپنے تذکرہ میں میاں محمد علی بیدار کا حال لکھتے ہیں:

"میاں محمد علی المتخلص بہ بیدار جوان محمد شاہی
ست از شاگردان مرتضیٰ قلی بیگ کہ شاعر فارسی
گو بود و فراق تخلص می نمود قریب چہاردہ سال
شاہ باشد کہ فقیر او را در لباس درویشی در شاہ
جہان آباد دیدہ بود" [1]

میر حسن نے اپنا تذکرہ ۱۱۹۱ھ میں ختم کیا اور ۱۱۹۲ھ تک اضافہ کرتے ہے جناب عرشی رامپوری کی تحقیق کے مطابق اس کی ابتداء ۱۱۸۴ھ یا اس

---

[1] تذکرہ شعرائے اردو میر حسن ص ۳۱۵

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سے کچھ پیشتر ہوئی لکھتے ہیں :

میں یہ قیاس کرتا ہوں کہ میر حسن نے ۱۱۸۶ھ
میں یا اس سے کچھ پیشتر تذکرہ شروع کر کے ۱۱۹۱ھ
میں ختم کر دیا تھا۔ بعد کے اضافوں میں صرف
شاہ فصیح کی تاریخ وفات ہے جو ۱۱۹۲ھ میں واقع
ہوئی [۱]

مان لیجئے کہ میر حسن نے بیدار کا حال آغاز تذکرہ کے وقت ہی لکھ دیا تھا۔ تو ان کا بیان ۱۱۸۴ھ کے لگ بھگ لکھا جانا چاہیئے۔ اس حساب سے میر حسن نے بیدار کو ۱۱۷۰ھ یا ۱۱۷۱ھ کے قریب دہلی میں دیکھا ہوگا۔ میر حسن ۱۱۷۰ھ میں دلی میں ہوں تو ۱۱۶۳ھ یا ۱۱۶۴ھ میں فیض آباد میں آنے کا قرینہ کہاں سے پایا جاتا ہے۔

چہار گلزار شجاعی (۱۱۹۸ھ) میں ہرچرن داس سالار جنگ اور ان کے خاندان کی دہلی سے فیض آباد روانگی کے متعلق لکھتا ہے :

ذکر روانہ شدن خانم صاحبہ محل نواب نجم الدولہ
بہادر شہید مرحوم و مرزا علیخاں افتخار الدولہ بہادر
نواب سالار جنگ بہادر از شاہ جہان آباد بہ طرف
اودھ الہ آباد و تعلقہ نواب صفدر جنگ بہادر

---

[۱] دستور الفصاحت عرشی رامپوری ص ۶۸

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

رحلت نمودن قاسم علی خاں بہادر در بنگلہ فیض آباد [1]

نواب سالار جنگ کا خاندان دلی سے نکل کر دو روز شاہدرہ میں ٹھہرا مصنف چہار گلزار شجاعی ہمسفر تھا۔ شاہدرہ سے چل کر لکھنؤ پہنچے راجہ نول رائے کی حویلی میں ٹھہرے اسی درمیان میں نواب صفدر جنگ کا انتقال ہو گیا۔

تاریخ نہیت دوم ذی الحجہ سنہ مذکور [2] در بلدۂ لکھنؤ تعلقہ نواب صفدر جنگ رسیدند و در حویلی راجہ نول رائے قیام ورزیدہ چون خبر بیماری نواب صفدر جنگ بہادر در راہ مشہور شدہ بود۔ و از رسیدن لکھنؤ بعد از دو روز از بنگلہ فیض آباد کہ متصل اودھ ست در لکھنؤ شائع شد کہ نواب صفدر جنگ بہادر از عالم فانی بہ عالم جاودانی۔

رحلت نمود" [3]

تاریخ اودھ [4] جلد اول میں نواب صفدر جنگ کی تاریخ وفات ۱۱۶۷ھ دی ہوئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ نواب سالار جنگ اسی سنہ میں

---

[1] چہار گلزار شجاعی ہر چہ نہ ماس قلمی نیشنل لائبریری کلکتہ جادو ناتھ سرکار کلکشن

[2] سنہ مذکور سنہ ایک ہزار یکصد شصت ہفت (۱۱۶۷) ہجری) بحوالہ گلزار شجاعی۔

[3] چہار گلزار شجاعی قلمی نیشنل لائبریری کلکتہ (۴) تاریخ اودھ نجم الغنی صفحہ ۲۹۴

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

فیض آباد آئے لہذا اس سے پیشتر میر حسن کا فیض آباد آنا ممکن نہیں کیونکہ ہجرت کے بعد میر حسن انہیں کی سرکار سے وابستہ رہے اس کے علاوہ دلی سے ہجرت کرنے والوں میں سب سے پہلا نام سراج الدین علیخاں آرزو کا آتا ہے جن کے متعلق سرو آزاد میں مرقوم ہے:

"پوشیدہ نہ ماند کہ بعد تمام سرو آزاد سراج الدین علی خاں آرزو از شاہ جہان آباد برخاستہ رفت سفر بہ دیار مشرق کشید و در بلدہ لکھنؤ آمد و بوساطت اسحٰق خاں با نواب صفدر جنگ ہمغار ہم ذی الحجہ سنہ سبع وستین مائہ والف (۱۱۶۷ھ) درگذشت آرزو با شجاع الدولہ خلف مذکور کہ قایم مقام پدر شد بسر می برد و در جمادی الآخر سنہ تسع ومائہ والف (۱۱۶۹ھ) در بلدہ لکھنؤ فوت کرد و در ہمیں شہر مدفون گردید"[1]

میر حسن تذکرہ شعرائے اردو میں میر امانی کے بیان میں لکھتے ہیں:

"جوان بود بہ کمال خوبی طبع موزونے داشت با فقیر بسیار آشنا بود پیشتر فکر مرثیہ می نمود ازیں جا سبب پریشانی روزگار بہ طرف مرشد آباد رفت"[2]

---

[1] سرو آزاد صفحہ ۲۳۰ [2] تذکرہ شعرائے اردو میر حسن صفحہ ۱۵

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

گلشن ہند میں میر امانی کے مرشد آباد پہنچنے کی تاریخ دی ہوئی ہے:

میر امانی نام خلف ہیں خواجہ آتمی کے جنکا مذکور
اوپر ہوا ہے ۱۱۸۱ھ میں وارد مرشد آباد کے ہوئے
اور جناب سید الشہدا کی تعزیہ داری کا شغل
ہمیشہ رکھتے تھے [1]

میر حسن کا تذکرہ قیام فیض آباد کی یادگار ہے اس لئے امانی کے بیان میں ازیں جا کے معنی فیض آباد ہونگے۔ اس بیان سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ میر حسن کا خاندان آرزو کی وفات کے بعد اور میر امانی کے مرشد آباد جانے سے پیشتر (یعنی ۱۱۸۰ھ یا ۱۱۸۱ھ سے پہلے) فیض آباد پہنچ چکا تھا۔

۱۱۷۰ھ میں احمد شاہ ابدالی نے پہلا حملہ کیا چنانچہ خان آرزو کی وفات دلی کی بربادی اور بیدار کا بیان دیکھ کر یقین ہو جاتا ہے کہ میر حسن ۱۱۷۱ھ یا ۱۱۷۲ھ میں دلی سے روانہ ہو کر دیگ میں چند ماہ رہنے کے بعد لکھنؤ آئے اور پھر فیض آباد میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ نواب سالار جنگ ۱۱۶۷ھ میں فیض آباد آ چکے تھے میر حسن ان کی سرکار میں باریاب ہوئے اور ۱۱۹۲ھ تک انکے لڑکے میر نوازش علی کی سرکار سے وابستہ رہے۔ ہجرت کی مذکورہ بالا تاریخ قبول کرنے سے پیشتر یہ بات واضح ہو جانی چاہیئے کہ ۱۱۷۰ھ یا ۱۱۷۱ھ میں سالار جنگ کی ذاتی حیثیت ایسی تھی کہ وہ اپنے یہاں شاعروں اور ادیبوں

---

[1] گلشن ہند صفحہ ۳۷

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کو ملازم رکھ سکیں؟ اس وقت خود سالار جنگ شجاع الدولہ کے مہمان تھے۔ ۱۴ رجب ۱۱۷۵ھ کو شاہ عالم ثانی نے انہیں تن بخشی گری کا خلعت عطا کیا۔ لہٰذا میرے خیال میں ۱۱۷۵ھ سے پہلے سالار جنگ اور ان کے لڑکے میر حسن یا کسی شاعر کو اپنے سایہ عاطفت میں نہیں لے سکتے تھے۔ چنانچہ ملازمت کی تاریخ ۱۱۷۵ھ اور ۱۱۸۰ھ کے درمیان قرار پائے گی۔

کلیات میر حسن میں سات قصائد ہیں جس میں ایک قصیدہ نواب سالار جنگ کی شان میں ہے۔ قصیدے کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت سالار جنگ کا تقرر ہو چکا تھا اور میر حسن نے باریابی حاصل کرنے کے لئے یہ قصیدہ لکھا۔ اگر قصیدہ ملازمت کے بعد لکھا گیا ہوتا تو شاید اور بھی قصیدے سالار جنگ یا ان کے لڑکے کی شان میں ہوتے۔ گمان غالب ہے کہ فیض آباد آکر میر حسن نے ملازمت سے پیشتر یہ قصیدہ کہا۔ اس کے جستہ جستہ اشعار سے میرے خیال کی تائید ہوتی ہے:

نہ پوچھ نقش محبت کی ہم سے کچھ تاثیر
ہوا نہ وہ تو مسخر پہ ہم ہوئے تسخیر

بہ رنگ دیدۂ حسرت زدہ ہے داغ زخم
الٰہی کس کی نگہ کا لگا جگر پہ تیر

دل شکستہ کی تعمیر سے جو ہو دے فراغ
تو پہلے کعبہ کی اے شیخ کیجیے تعمیر

پڑے ہیں دام میں ہم آب و دانہ کی خاطر
نہ جرم زلف کا اس کی نہ خال کی تقصیر

نہیں کشود جو طالع کی اس چمن سے مجھے
رہوں ہوں غنچہ صفت میں اس لئے دلگیر

زبس کی خلق جہاں کی یہ ناتوانی ہے
جو دیکھتا ہے مجھے سو وہ جانتا ہے حقیر

کسی کے دل پہ نہیں یہ خبر کہ ہے مداح
یہ ایسے شخص کا جو ہے امیر این امیر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کہ جس کا نام ہے سالار جنگ فخر جہاں
سپہر مرتبہ حاتم ہمم فرشتہ نظیر

متین و عادل و ممتاز و صاحب فطرت
حکیم و حاکم و دانا و عاقبت اندیش

رحیم محسن و ممدوح و منعم و فیاض
عادل و شجیع و منصور و صاحب شمشیر

کمال دوست ہم پیشہ حق شناس کریم
خلیق و منصف و قایم مزاج نیک ضمیر

بلند طالع و نیک اختر و کرم گستر
محب آل نبی اور ذاکر شبیر

سخن شناس و سخن سنج و نکتہ داں سخن
سخن پذیر و سخن پرور و سخن پہ قدیر

کہو تو کیوں نہ کرے فخر شاہ ہندوستان
کہ جیسے عہد میں ایسا ہو صاحب تدبیر

رہا نہ عہد میں اس کے شکستگی کا حرف
زلیس کہ ہوتی رہی ہر طرف سدا تعمیر

سخاوت اس کی نہ ہمت کا پوچھ مجھ سے حال
میں کیا کہوں کہ ہے یہ بات تو بہت تشہیر

کب آیا اس کے در اوپر کوئی کھلا الیسا
کہ مثل گل نہ گیا کاسہ زر سے بھر کے فقیر

سوال پر تو ہر ایک نے ہے پر وہ غیر سوال
کسی کو گاؤں ہے دیوے کسی کو ہے جاگیر

زلیس کہ پاتے ہیں انعام اہل حرفہ تمام
برابر ہیں گھروں میں وہ بیٹھے مثل امیر[1]

میر حسن نے اپنی مثنوی گلزار ارم میں سفر کا حال دیا ہے جس میں فیض آباد کی تعریف کے علاوہ انگوری باغ، موتی باغ، ترپولیہ، لال باغ اور چوک وغیرہ کا ذکر ہے یہ تمام باغات اور عمارتیں ۱۷۷۵ء کے بعد کی ہیں۔ کیونکہ شجاع الدولہ نے بکسر کی جنگ کے بعد فیض آباد کی ترقی کی طرف دھیان دیا۔ اس مثنوی سے قاری کو ہجرت کے متعلق بڑی آسانی سے دھوکہ ہو سکتا ہے۔ مثنوی کے مطالعہ

---

[1] کلیات میر حسن قلمی آزاد لائبریری علی گڑھ۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سے پیشتر یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیئے کہ گلزارِ ارم ۱۱۹۲ھ میں لکھی گئی اور اس وقت فیض آباد ترقی و تعمیر کی انتہا تک پہنچ چکا تھا ۱۱۷۶ھ سے ۱۱۸۰ھ تک فیض آباد میں ترقی ہوتی رہی مگر اس کی آن بان وہ نہیں تھی جو مثنوی گلزارِ ارم میں نظر آتی ہے۔

جو ہیں داخل ہوا میں اس نگر میں — کھلا جنت کا دروازہ نظر میں
عجب معمورۂ آباد پایا — مثالِ گل ہر اک دل شاد پایا
وہ انگوری وہ موتی باغ دیکھا — ارم جس کی حسد سے داغ دیکھا
بیاضِ جد دنی جیسے ہو سادہ — کھلا بازار اور رستے کشادہ
دو رستہ اہلِ حرفہ اور دکاندار — لڑی موتی کی ہو جیسے نمودار
دو رستی راستہ میں اتنا رستہ — کسی نے آج تک دیکھا ہے بستہ
سرِ بازار واں تر پولیا ہے — کہ جوں دروازہ جنت کا کھلا ہے
بنایا ہے کسی استاد کا وہ — نمونہ ہے جہاں آباد کا وہ
یہ دیکھا شہر واں کا میں نے خیم — وطن کا دل سے جاتا رہا غم [۱]

شجاع الدولہ نے بکسر کی جنگ کے بعد فیض آباد کو شاہ جہاں آباد کا نمونہ بنانا چاہا اور بڑی حد تک کامیاب بھی ہو گئے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا اشعار سے پتہ چلتا ہے۔ میر حسن کے علاوہ منشی فیض بخش اور تحسین کے یہاں بھی فیض آباد کے حسن و خوبی کا ذکر بار بار ملتا ہے۔ تحسین تو طرزِ مرصع کے دیباچہ میں لکھتے ہیں،

---

[۱] کلیات میر حسن قلمی آزاد لائبریری علی گڑھ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

"بندہ بموجب حکم اس سروش غیب کے بیچ زینت
البلاد فیض آباد کے فی الحقیقت نگین خاتم مملکت
ہندوستان کا ہے دیدہ سے قدم کر کے داخل ہوا
گلشن کی طرح ہر طرف تختہ تختہ بہار خط و خال شاہان
زریں لباس کے بیچ اس کی رونق افزا ہے دیدہ
نظارگیوں کی ہو رہی ہے ہر کوچہ اس بلدہ خاص
الخاص کا علیحدہ علیحدہ ایک گلشن ہی ہے کہ ہر سمت
رنگ برنگ گلدار حسن و جمال مہوشان گلگوں قبا
کی فروغ بخش چشم تماشائیوں کی ہوتی ہے روست
صحن قطعہ چوک کی آ کر ملاحظہ کیجئے تو لذت سیر قطعہ
ہشت بہشت گوشہ خاطر سے فراموش ہو جائے
اور جو رفعت محراب ترپولیہ کی دیکھئے تو شاخ پردازی
بہار ارتفاع قوس و فرح کے سے زبان دل خاموش
ہو جائے۔ واقعی شہر کیا ہے ایک طلسم کا تماشا ہے"[1]

مذکورہ بالا مباحث کو سامنے رکھ کر میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ میر حسن کا خاندان ۱۱۷۶ھ اور ۱۱۸۰ھ کے درمیان فیض آباد پہنچا۔ تاریخ پیدائش ۱۱۴۱ھ یا ۱۱۴۲ھ متعین کی جا چکی ہے۔ لہٰذا فیض آباد میں داخلہ کے وقت ان کی عمر تقریباً

---

[1] دیباچہ نوطرز مرصع قلمی ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پینتیس اور اڑتیس سال کے درمیان رہی ہوگی۔ تاریخ ہجرت کا صحیح تعین ہو جانے کے بعد تاریخ پیدائش ۱۱۵۰ھ یا ۱۱۵۱ھ بھی مان لی جائے جب بھی ان کی عمر پچیس تیس سال کے درمیان ہو جاتی ہے۔ حالانکہ میر شیر علی افسوس نے عمر کا اندازہ پچاس سال سے زیادہ کیا تھا۔ ہم اگر زیادہ سے مراد پانچ سال بھی لیں تو اس حساب سے میر حسن کی عمر اس وقت تیس پینتیس سال قرار پائے گی۔

مصائب زمانہ کے ہاتھوں میر حسن سے مادر وطن کی گود ہی نہیں محبوبہ دلنواز کا دامن بھی چھوٹ گیا۔ مثنوی گلزار ارم کے مندرجہ ذیل اشعار میں "صمید دل افگار" نے غریب الوطنی کے ذکر کے ساتھ دل کی داستان بھی لکھی ہے۔

ہوا آوارہ ہندوستان جب سے — قضا یورپ میں لائی مجھ کو تب سے
لگا تھا ایک بن سے واں مرا دل — ہوئی اس کی جدائی سخت مشکل
میری آنکھوں میں وہ صورت کھڑی تھی — پیالی میں وہ چینی سی جڑی تھی
چلا گاڑی میں یوں آیا میں لاچار — قفس میں جس طرح صیاد دل افگار
بہانہ رکھ جدائی کا وطن کی — میں رو رو ندیاں کرتا تھا ان کی
کسی سے کہہ نہیں سکتا تھا احوال — کہ تھی شرم و حیا سے عشق وبال
ہر اک میدان تھا اس آنکھ سے گل — کٹی برسات میں وہ اپنی منزل
کسی رہ میں نظر پڑتا تھا جب باغ — میں اپنے دل کے لگتا دیکھنے داغ[1]

دلی کو آخری سلام کر کے میر حسن معہ اہل و عیال ڈریگ پہنچے چھ ماہ قیام کے

---

[1] دیوان حسن قلمی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بعد شاہ مدار کی چھیڑ یوں کے ساتھ مکس پورہ ہوتے ہوئے لکھنؤ آئے اس وقت نقشہ کچھ اس قسم کا تھا:

غرض یہ ملک ہے پتھر پہ پستا	کہیں اونچا کہیں نیچا ہے رستا
کسی کا آسماں پر گھر ہوا میں	کسی کا جھونپڑا تحت الثرا میں
نہیں یہ لکھنؤ یہ ہے زمانہ	زمانے پر عبث رکھتا یہاں نا
غرض گنجان ہے یہ شہر باہم	سما سکتا نہیں یاں غیر کا دم
ہر اک کوچہ یہاں تک تنگ تر ہے	ہوا کا بھی یہاں مشکل گزر ہے
سیہ گل سے گلی یوں تر بہ تر ہے	بغل جیسا کہ حبشی کی بہ بہ ہے
فراغت سے یہاں کس کا مکاں ہے	ہر اک گھر کس کا سا دل یہاں ہے
غرض افتاد ہے یاں بھیڑ لپکا	سما دھڑکا ہے یوسف طلعتوں کا
رکھے ہے جو کوئی فرزند و اطفال	ہو لاہے اس کو یاں کا رہنا خیال
بھلا اس طرح سے آرام کد ہو	رہے یاں وہ جو کوئی لاولد ہو[1]

لکھنؤ کی خرابیاں دیکھ کر میر حسن کا دل اچاٹ ہو گیا۔ فیض آباد تشریف لائے نواب سالار جنگ کی خدمت میں قصیدہ گزرانا باریابی حاصل ہوئی۔ سردار جنگ کی صحبت راس آئی محل میں آمد و رفت بڑھی۔ بیگمات بے حجابانہ سامنے آنے لگیں قلعہ معلی کی زبان کے آشنا پہلے ہی تھے بیگمات محل کی قربت نے اس لب و لہجہ کا رمز شناس بھی بنا دیا۔ تذکرہ بہار بے خزاں میں احمد حسین لکھتے ہیں:

---

[1] مثنوی گلزار ارم (دیوان حسن قلمی) مسلم یونیورسٹی۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بہ سرکار نواب سردار جنگ خلف نواب سالار جنگ
کامیاب بودہ لہجہ زبان بیگمات از حسن صحبت پرزنگیاں
آئینہ روکہ از سر ادق عصمت نواب نامدار بودند و
بے حجابانہ لیل و نہار با ایشان چشم دوچار می داشت بہم
رسانیدہ و تکلفات تحمارت و اختراعات طرز دلبری دلداری
زاید" [۱]

محلات کی بے حجابانہ آمد و رفت اور بے تکلفانہ
گفتگو نے محبت کو راہ دی، محل کی ایک عورت سے
محبت و موانست پیدا ہوئی صاحب خوش معرکہ زیبا
نے اس راز کی طرف کھل کر اشارہ کیا ہے:
"بسبب تقاضائے جوانی محل کی ایک عورت سے
محبت و موانست پیدا ہوئی" [۲]

مثنوی گلزارِ ارم سے سعادت خاں ناصر لکھنوی کے مذکورہ بالا بیان کی
تصدیق ہوتی ہے۔

یہ دیکھا شہر واں کا میں نے جیدم — وطن کا دل سے سب جاتا رہا غم
وہاں بھی میں نے ایک محبوب پایا — نہایت دل کا وہ مرغوب پایا

---

[۱] تذکرہ بہار بے خزاں قلمی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
[۲] خوشی معرکہ زیبا قلمی سعادت خاں ناصر مسلم یونیورسٹی۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نئی طرزوں سے میرے دل کو چھیڑا بھلا یا غمِ قدیمی اس نے میر اللہ

نواب سالار جنگ اور اُن کے لڑکے میر حسن کے محسنوں میں تھے۔ ان کی سرکار سے حاجت مندوں کو جاگیریں ملا کرتی تھیں، مگر میر حسن دیرینہ خدمت گزار ہونے کے باوجود غمِ دوراں سے نجات نہ پا سکے۔ تذکرہ شعرائے اردو کا فقرہ "تا حال بہر نوع گذراں می نمایم" معاشی الجھنوں کی تفسیر پیش کرتا ہے۔ عسرت و تنگدستی کے اس عالم میں آفریں علی خاں ناظر بہو بیگم نے اپنی ادب نوازی اور سادات پروری کا ثبوت دیا۔[۲]

نہیں بعید یہ سادات پروری سے تیری کہ میر احسن ابن حسن بھی ہووے بحال

غرض حسن کی یہ ہے آرزو کہ بنگلے میں تیری مدد سے بھی جاوے وہ قلعہ کی چال[۳]

سالار جنگ کی طرح جواہر علی خاں کی مہربانیاں مضبوط سہارا نہ بن سکیں۔ اک عمر کی تنگ دستی و پریشاں حالی نے جوہر شمشیر کو زنگ آلود کر دیا تھا۔ آفریں علی خاں کے مدحیہ قصیدے کے چند اشعار سے میر حسن کی حالت کا اندازہ ہو جائے گا۔

یاں تک کیا ہے اس غمِ دوراں نے مجھ کو تنگ کیا ہے عجب جو مجھ میں سماوے نہ میرا رنگ

افسردہ دل ہوں غنچہ پژمردہ کی طرح بادِ خزاں نے جی کی رکھی جی ہی میں اُمنگ

---

[۱] مثنوی گلزارِ ارم مشمولہ کلیاتِ حسن (قلمی) مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

[۲] خلیق و احسن کی ملازمت کی طرف اشارہ ہے۔

[۳] قصیدہ در مدحِ جواہر علی خاں کلیاتِ حسن قلمی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جوہر شناس ہو کوئی میرا تو سمجھے وہ — کس کس طرح کی بھری ہے دل میں مرکز نگ
ہاں تک ہے سرد مہری دوراں کہ کیا کہوں — آتا نہیں ہے شمع کے نزدیک اب پتنگ
سیکھوں ہنر وہ کس کے لئے قدر داں ہے کون — سعدی بھی ہوں اگر تو وہ لاتے پھریں پتنگ[1]

شجاع الدولہ اور سالار جنگ کے عہد میں سرد مہری دوراں کے انداز اتنے رقیبانہ نہیں تھے۔ آصف الدولہ کی مسند نشینی لکھنؤ کی قسمت کا ستارہ بن کر چمکی۔ فیض آباد پر تاریکی سایہ پڑنے لگا۔ میر حسن بیداری بخت کی امید میں لکھنؤ پہنچے مگر حالات نے یہاں بھی سنبھلنے نہ دیا۔

نہیں معلوم تھی مجھ کو جدائی — قضا پھر لکھنؤ میں مجھ کو لائی
برا دن سر سے قسمت نے نہ ٹالا — مجھے جنت سے چوں آدم نکالا[2]

کلیات میر حسن میں دو قصیدے نواب آصف الدولہ کی مدح میں ہیں۔ نواب موصوف ۱۱۸۸ھ میں مسند نشین ہوئے ایک سال بعد شکار کے بہانہ سے لکھنؤ میں جا بسے۔ میر حسن نے ۱۱۹۱ھ میں تذکرہ شعرائے اردو مکمل کیا۔ حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں۔ مجبوراً لکھنؤ پہنچے مگر دل نالوں کی بجلی صحبتوں کا تمنائی تھا۔ اسی دوران میں یعنی ۱۱۹۲ھ میں مثنوی گلزار ارم مکمل ہو جاتی ہے۔ میرے خیال میں اس کی ابتداء اور تکمیل لکھنؤ کے دوران قیام میں ہوئی۔ لکھنؤ میں دو سال رہ کر واپس فیض آباد لوٹے۔ مثنوی در تہنیت عید میں اس جدائی کی سمت اشارہ پایا جاتا ہے۔

---

[1] قصیدہ در مدح جواہر علی خاں (کلیات حسن قلمی مسلم یونیورسٹی
[2] مثنوی گلزار ارم (کلیات حسن قلمی، مسلم یونیورسٹی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

فلک کی یہ منشا کہ جمعرو ہی سے بعید　　کہ دو سال ہو مجھ کو بنگلے میں عید
یوں ہی عید میں میں یاں آیا کروں　　تمر اپنے روزوں کا پایا کروں [1]

میر حسن نے دو قصیدے نواب آصف الدولہ کی سرکار میں گزرانے معاش کا سہارا پیدا ہوا۔ نواب مذکور میر حسن سے دل رفتہ تھے مثنوی سحر البیان کی تصنیف کے بعد میر حسن بڑی امیدیں لیکر دربار میں حاضر ہوئے اتفاقاً مدیحہ اشعار میں یہ شعر آگیا [2]

سخاوت یہ ادنیٰ سی اک اسکی ہے　　کہ ایک دن دو شالے دیئے سات سو

اس سے پیشتر آصف الدولہ نے چودہ سو دو شالے متقربین اور تابعین کو مرحمت فرمائے تھے۔

مذکورہ بالا شعر مزاج عالی پر گراں گذرا ہو ملازمت سے سبکدوش کر دیئے گئے۔ صاحب طبقات سخن کا خیال ہے کہ شہر بدر کر دیئے گئے لیکن کچھ دنوں کے بعد مثنوی سحر البیان سنا کر حاضر ہوئے قصور معاف ہوا مگر ایک دو شالے سے زیادہ انعام نہ حاصل کر سکے ایک آخری امید تھی۔ وہ بھی لوٹ گئی مستقل بیمار رہنے لگے۔ اور آخر کار ۱۲۰۱ھ میں شمع علم و ادب ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی۔ محلہ مفتی گنج لکھنؤ میں عقب باغ نواب قاسم علی خاں بہادر مدفون ہوئے۔ میر حسن کی وفات کے بارے میں خوب چند ذکا عیار الشعراء میں لکھتے ہیں

---

[1] کلیات حسن قلمی مسلم یونیورسٹی

[2] مثنوی سحر البیان (کلیات حسن قلمی) مسلم یونیورسٹی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

"از سرکار نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر صلہ یافتہ شادی مرگ باشند"[1]

تذکرہ سرور میں مرقوم ہے:

"بہ اجل طبعی از ین جہاں درگزشت"[2]

میر حسن کے متعلق خوب چند ذکاء کا قول غلط فہمی پر مبنی ہے۔ مصحفی نے تاریخ وفات کہی ہے:

چوں حسن آں بلبل خوش داستاں — رو از ین گلزار رنگ و بو تباخت
بسکہ شیریں بود نطشتق مصحفی — شاعر شیریں زباں تاریخ یافت[3]

مصحفی کے علاوہ صاحب گنج تاریخ نے بھی تاریخ وفات لکھی

گشت زدنیا چو بہ عقبی رواں — میر جہاں عاشق نام حسن
سال وصالش چو بجستم ز دل — گفت بگو بود غلام حسن ۱۲۰۱ھ[4]

گلشن ہند میں مرزا علی لطف تاریخ وفات ۱۲۰۵ھ بتاتے ہیں اور نواب نصیر حسین خیال نے ایک مضمون میں جو میر حسن کے متعلق اودھ پنچ جلد ۲ نمبر ۴ میں چھپا تھا ۱۲۰۱ھ لکھی ہے[5]

---

[1] عیار الشعراء قلمی۔ انجمن ترقی اردو علیگڈھ

[2] تذکرہ سرور مرتبہ خواجہ احمد فاروقی (حسن) ص ۲۱۳

[3] مثنوی سحر البیان قلمی مسلم یونیورسٹی

[4] گنج تاریخ صفحہ ۱۵۲ مطبوعہ جامع مسجد لائبریری گورکھپور

[5] بحوالہ عبدالباری آسی مقدمہ مثنویات میر حسن مطبوعہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میر حسن کی پیدائش ۱۱۴۱ھ یا ۱۱۴۲ھ دیکھتے ہوئے یہ کسی طرح نہیں مانا جاسکتا کہ نواب نصیر حسین خیال صاحب نے تاریخ وفات ۱۲۴۱ھ لکھی ہوگی غالباً سہو کاتب ہے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دیوانِ ضاحک کی بازیافت[1]

قدیم مخطوطات، فرامین، اسناد و دیگر نوادرات کی تفتیش، فراہمی اور حفاظت کی غرض سے حکومت بہار نے چند افراد پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کی جس نے قلیل مدت اور محدود وسائل کے باوجود قابلِ ستائش کام انجام دیا۔ اراکین کے خلوص ان کی محنت اور کام کی اہمیت دیکھتے ہوئے حکومت نے اس عارضی کمیٹی کو ایک مستقل ادارہ کی شکل دے دی۔ کمیٹی کے ایک رکن کی حیثیت سے قیام الدین احمد صاحب پروفیسر سید حسن عسکری کی قیادت میں بہار کے مختلف کتب خانوں کا جائزہ لیتے ہوئے بتیا راج پہنچے اسٹیٹ کے محافظ خانہ میں کام کے دوران معلوم ہوا کہ راجہ صاحب کا ایک ذاتی کتب خانہ بھی تھا جس میں سنسکرت، فارسی اور اردو کے مخطوطات تھے۔ لیکن خاندانی اختلافات، تنازعات اور معاشی تنزل کے باعث بڑی حد تک تباہ و برباد ہو چکا ہے جو مخطوطات دست بردِ زمانہ سے محفوظ رہ گئے تھے۔ ان میں دیوان ضاحک کا ایک نسخہ بھی تھا۔ دیوان ۲۲۰ اوراق پر مشتمل ہے تقطیع ۱۱ × ۶، اندازہ ہے سنہ تحریر ۱۱۹۹ھ[2]

---

[1] دیکھئے رسالہ معاصر پٹنہ حصہ ۱۸ جولائی ۱۹۶۲ء، رسالہ معاصر حصہ ۲۰ ستمبر ۱۹۶۵ء حصہ ۲۱ جولائی ۱۹۶۶ء

[2] رسالہ معاصر پٹنہ حصہ ۱۸ جولائی ۱۹۶۲ء

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مختلف اصناف سخن کی مجموعی تعداد حسب ذیل ہے۔

غزلیات فارسی	۵۹
غزلیات اردو	۲۲۰
رباعیات	۵۹
قصاید	۷۶
سلام	۴۰
منقبت	۳

دیوان صاف نستعلیق خط لبہی کاغذ پر لکھا ہوا ہے اوراق ۲۲۰ اکثر اوراق پر غزلوں کے درمیان میں رباعیات و قطعات درج ہیں۔ غزلوں کی ابتدا میں نثری عبارتیں بھی لکھی ہیں ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ ایک غزل کے مقطع کے بعد قطعہ یا رباعی درج ہے اس کے بعد اسی غزل کے چند اشعار لکھ دیئے گئے ہیں۔ اشعار دوہری سرخی کے اندر لکھے ہیں کتابت دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ دو کاتبوں نے دیوان کی تکمیل میں حصہ لیا۔ عام دستور کے مطابق اس دیوان میں ترقیمہ نہیں ہے بلکہ نصف کتاب میں (ورق ۱۰۰) پر سنہ تحریر یوں درج ہے۔

"بروز سہ شنبہ تمت بعون الا ایلیس معلم الملکوت
بوقت یک پہر روز باقیماندہ بتاریخ ششم شہر
رجب شعبان المعظم سنہ ۱۱۹۹ھ"

ورق ۲۰۵ پر سنہ تحریر دوبارہ درج ہے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تمت ہذا الدیوان من کلام میر غلام حسین المشتہر بہ ضاحک
حیکارت (؟) مزید عصر بروز سہ شنبہ تاریخ نہم ذی الحجہ سنہ ۱۱۹۹"

دیوان کی ابتداء درج ذیل قطعہ سے ہوتی ہے۔

قصد کلی نہ بود ضاحک را — کایں ہمہ شعر آبدار نوشت
بہر احباب بر صحیفہ عصر — فقرہ چند غم گسار نوشت

اس قطعہ کے بعد فارسی نثر میں چند صفحات کا دیباچہ ہے جس کے چند فقرے درج ذیل ہیں۔

وقال سید الجہلمین وحید المفرحین وممتحن المطربین نافضل السامعین واضحک الفاحکین شاعر الآفاق فی حق الاحقاق اسمعوا یا نواصب الہند والسند والیزدان وماوراء النہر وروم وشام بن اہل العراق علی اذنکم جماق وفی بطونکم پجاق ..... وقال حق المومنین ومحب آئمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین وجوہ یومئذ ضاحکۃ مستبشرۃ وصلی اللہ علی خاتم الانبیاء"

تمت شد دیوان علیہ اللعنۃ میر غلام حسین المتخلص بہ ضاحک قدس اللہ علیہ اللعنۃ کے بعد ایک فارسی غزل "در جواب جامی" درج ہے غزل سے پہلے یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔

"غزل فی الہزل بالفضل منکلام اہل فضل در جواب جامی بکمال پختگی نہ خامی من طبع زاد مولانائے ضاحک نبیرہ میر امامی سید انامی خوش کلامی عالی مقامی"

اس کے بعد غزل لکھی ہوئی ہے جس کا مقطع یہ ہے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

"خیال خامی مکن کو جامی وصالِ جاناں محال ضاحک
نہ عقل یاور نہ بخت رہبر نہ تن توانا نہ دل شکیبا"

قیام الدین احمد دیوان ضاحک کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اس میں (تذکرہ شعرائے اردو) اور دیگر تذکروں میں
ضاحک کے جو متفرق اشعار پائے جاتے ہیں اسمیں نہیں ہیں مگر اس بناء
پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ اشعار ضاحک کے نہیں ہیں"[1]

ضاحک کی شاعری اور عجیب و غریب نثر کے متعلق میر حسن[2] اور دوسرے تذکرہ نگاروں کے بیانات کے علاوہ ہجویات ضاحک کی زبان ان کا لب و لہجہ اور اس دور کی مختلف تاریخی شخصیتوں کا ذکر دیکھنے کے بعد دیوان کے الحاقی ہونے کا خیال شاید ہی پیدا ہوا۔ میر حسن اور دیگر تذکرہ نگاروں نے ضاحک کے جو اشعار نقل کئے ہیں۔ ان کی غیر موجودگی سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ضاحک کے کلام کا کچھ حصہ تا حال ہمارے سامنے نہیں آسکا ہے تذکرہ مسرت افزا میں قاضی چند اللہ "والی غزل کے چار شعر ہیں اور دیوان میں اسی غزل کے چودہ اشعار درج ہیں۔ دیوان میں جراءت کی ایک غزل کاتب کی غلطی سے شامل ہوگئی تھی اس کے متعلق یہ وضاحت موجود ہے

"در مسودہ ہائے میر صاحب غزل جراءت بود کاتباں بہ غلطی دریں نوشتند"

---

[1] رسالہ معاصر پٹنہ حصہ ۱۸ جولائی ۱۹۶۲ء

[2] تذکرہ شعرائے اردو ص ۱۰۴

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

حکیم معالج خاں کی ہجو کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے۔

وہ تو جو کچھ ہوا سو ہو گزرا — پر یہ تازہ کلام سنیئے ذرا!
ایک پیدا ہوا یاں بد ذات — کہتا ہے میں ہوں منکرِ سادات
گو کہ سادات کا ہوا ہے وفور — اتنا منکر بھی کیا ہے ہونا ضرور
عقل باور کرے ہے یہ تو کد — کہ نہ ہو ہند میں کوئی سید
پس یہ ظاہر ہے اس کی بات سے اب — کہ وہ ہے کاشمیر کا عقرب
نیش کز دم نہ از پئے کیں است — مقتضائے طبیعتش این است
کھودے ہے سب کی ذات اور ایماں — طرفہ ہے یہ کوئی معالج خاں
ہے معالج کہ یا ہے یہ دجّال — پڑے سب سیدوں کا اس پہ وبال

معالج خاں کی دوسری ہجو جس کا عنوان "شنودی بزور مثنوی" ہے۔ اسی تمہید کے طور پر نثر کا وہی نمونہ درج ہے جس کا ذکر میر حسن نے تذکرہ شعرائے اردو میں کیا ہے۔ معالج خاں کے علاوہ جعفر زٹل، مرزا مظہر جان جاں، قدری لاہوری، سودا، شجاع الدولہ، نعمت خاں عالی وغیرہ کا ذکر ملتا ہے کسی کی غزل کے جواب میں غزل موجود ہے تو کسی کی تعریف میں قصیدہ لکھا گیا کسی شخصیت کو ہجو کا نشانہ بنایا گیا مثلاً نواب شجاع الدولہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

شجاع دولت دیں آفتاب عالم تاب! — خدا کا نور ہے وہ ذوالجلال فی الاکرام
اگاڑی بیٹھے تو دے بیٹھ بھاگ جاوے پٹھان — پچھاڑی مارے تو دم داب بھاگ جاوے پٹھان

"در مدح شجاع الدولہ لید در خدمت افاغنہ" کے دو شعر دیکھیے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نفاق و منکر و خاین | فاغنہ کے نام | ہمیشہ لعنت حق اون پر دوام مدام
نکاح جملیہ ان کے حلال مذہب میں | مطاع و سشتن کون نزد شان ہمشیہ حرام

جعفر زٹلی اور میرزا مظہر جان جاں کا اس طرح ذکر کیا ہے۔

جعفر بڑا زٹلی شاکر بڑا زٹلی | شاکر بڑا زٹلی جعفر بڑا زٹلی
جان جاناں ہے مظہر شیطان | بس رسائیو ہے یہ سخن جانا

ایک طویل ہجویہ قصیدہ در جواب نعمت خاں عالی ہے۔

آں اجمر الاحلام بسیار حشو و مہمل | آں اچمر الاجامر بسیار حشو و مہمل
نے اسپ گاؤ نے خر نے اشتر و نہ استر | نے مادہ است نے نر بسیار حشو و مہمل
نے بادی و نہ خاکی نے آبی و نہ ناری | نے آدمی نہ جنی بسیار حشو و مہمل
مستنقع القفافر مسکنکر الکتاکر | مستنخر الخناخر بسیار حشو و مہمل
نہ زاغ نہ زغن شد نہ بلبل چمن شد | نہ مرد شد نہ زن شد بسیار حشو و مہمل
اے ضاحک زمانہ بگزار آں زمانہ | واں آکل طعانا بسیار حشو و مہمل

متعدد ہجویہ نظموں رباعیوں اور اشعار میں سودا کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ کہیں ہجویہ انداز ہے تو کہیں فحش گوئی کبھی کبھی پھبتی بھی نظر آتی ہے۔ ایسی ہی ایک رباعی یہ ہے۔

اتنا آگے کبھی سودا نہ ہوا تھا سو ہو | بنگلے میں بیٹھ کے رسوا نہ ہوا تھا سو ہوا
گو کہ در ماہیہ ہوا بیش و لے عزت کم | شاعروں بیچ چھلا نہ ہوا تھا سو ہوا

سودا کتے پالنے کے شوقین تھے۔ اس کمزوری کو ہجو میں اسطرح بیان کیا ہے

زاغ یا زاغ باز ہا با باز | جنس با جنس می کند پرواز

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مرد با مرد ہیز ہا با ہیز — جنس با جنس می کند تجویز

اس کا سارے سگوں سے ناطہ ہے — ایک سفرے پہ ساتھ کھاتا ہے

کلوا اور جھبرا لینڈی اور تازی — سب شریک طعام و ہم بازی

کلوا کلہ چبائے جاتا ہے — اور جھبڑی جھبرا ساتھ کھاتا ہے

ایک دوسری ہجو کے چند اشعار یہ ہیں۔

بے تامل مزن بگفتن دم — نیک گوئی اگر بود پرچہ غم

حلفی کر چکا حلا صفرا — جب حلا صفرا تب ہوا سودا

ناصر الملک کا وہ سالا ہے — چاہے گھر ڈوبے میں کھیلا کھالا ہے

سلف لب شاعروں میں سودا ہے — ایک سر میں ہزار سودا ہے

سودا کے خلاف لکھی گئی طویل ہجو "نزاع باز ہا با با نالح" کی تمہید کے طور پر یہ نثری قصیدہ بھی لکھا ہوا ہے۔

"خطبہ کنوویہ فی ذم المعادیہ غیبیہ غیر ذکیہ کلہم اجہل البریہ منکلام سیدا عہلین وحید المفرحین وممتحن المطربین و خرا لسامعین واضحک الضاحکین سیدا الاولین والآخرین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الجنس مرہ الجنس بمثل اسمعوا یا مومنین مذمت مالح و قدح دم ناصالح مستحرق الاصفر مزار رفیع بن مرزا شفیع المشتہر بہ سودا"

ہجویہ قصاید، مثنویات اور ضاحک کی اختراعی زبان میں لکھے گئے اشعار

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کے علاوہ دیوان میں سنجیدہ کلام بھی ہے۔ اردو اور فارسی کلام کا معتدبہ حصہ ہجویات پر مشتمل ہے لیکن سنجیدہ اردو اور فارسی کلام بھی قابلِ دید ہے سلام اور منقبت دیکھنے سے ان کے مذہبی رجحانات کا اندازہ ہوتا ہے۔ ضاحک کی شخصیت کا یہ پہلو بھی مطالع کی دعوت دیتا ہے اُن کی شاعری پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے شخصیت کا کوئی پہلو فراموش نہیں کیا جا سکتا ہے مطالع کی۔۔

آسانی کے لئے سنجیدہ اور مذہبی کلام کی مثالیں بھی درج کی جاتی ہیں۔

دل کو دردام کر گیا دلبر — ہائے کیا کام کر گیا دلبر
چہرہ پر کھول یار زلف سیاہ — صبح یا شام کر گیا دلبر
کام اوس کا کیا نہ ہم نے کچھ — اپنا وہ کام کر گیا دلبر
مہر کی کر نگاہ وہ مہرو — مشتری نام کر گیا دلبر
زلف سنبل ہے چشم نرگس دیکھ — چہرہ گلفام کر گیا دلبر
ہم گئے گھر سے جب وہ گھر کو گیا — کام یہ خام کر گیا دلبر
درم و دام لے گیا وہ شوخ — سب کو بے دام کر گیا دلبر

آفت سہی بلا سہی جور و جفا سہی — فرقت سہی فراق بلا پر بلا سہی
جھڑکی سہی غرور سہا گالیاں سہی — اتنی بلائیں ہم نے سہیں تو نے کیا سہی
رنج و فراق درد و الم غصہ و غضب — جو کچھ سہا یا تو نے بمہر و وفا سہی
روزِ ازل سے عشق تباں سرنوشت تھا — آپ کے لکھے کو خوب لکھا ہم لکھا سہی
وہ یار دیوے گالیاں اور ہم دعا کریں — آپس کا ایسا دین جو تھا سب ہوا سہی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ضاحک تیرے فراق میں جلتا ہے روز و شب پہنچا ہے اس کا شعلہ دل تا کجا سہی

تجھ کو تجھ کو جی جان کر کے پچتایا — خوب پہچان کر کے پچتایا
ہم تو دیکھیں گے یار ہو سو ہو — دل میں یہ ٹھان کر کے پچتایا
ان گلوں بیچ گل کی باس نہیں — دل گلستان کر کے پچتایا
نہ گیا تھا تیری گلی سے اے — پھر وہاں آن کر کے پچتایا
اس میں سنگلاخ میں ضاحک — باغ دلستان کر کے پچتایا

راہ سے راہ جیسے نکلے ہے — چاہ سے چاہ ویسے نکلے ہے
شاخ در شاخ ہے مودت سبز — کاہ سے کاہ کیسے نکلے ہے
ہاں سے ہاں کبھی تو نکلے ہے — ماہ سے ماہ جیسے نکلے ہے
ضاحک عصر جائے عشق کی بابت — راہ سے راہ ایسے نکلے ہے

ہماری اشکباری کل در و دیوار لے ڈوبی — ہزاروں شہر کے جتنے تھے سب آثار لے ڈوبی
رہے ابرو کماں وہ شوخ جیکے بھال مژگاں کے — جگر میں عاشقوں کے تا لب پیکاں لے ڈوبی
اگرچہ پیرتے ہیں حسن کے دریا کو سب عاشق — ولے چاہ ذقن اس یار کی ہر بار لے ڈوبی
پڑے بحر تفکر ہی میں دونوں کھاتے ہیں غوطے — مسلمانوں کو تسبیح گبر کو زنار لے ڈوبی
ملی گنگا و جمنا میں گلابی سرسری ندی — یہ تیرتھ بینی الہ آباد کی کفار لے ڈوبی
یہی منظور ہے ضاحک تجھے یہ مصرعہ فدوی — مژہ کی نوک سینے میں نگاہ یار لے ڈوبی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

غم لائے نہ تھے لے چلے ہم — دل دیوانہ تھا دے چلے ہم
آفات ہزار لاکھ در ہجر — جو کھیتے نہ تھے کھے چلے ہم

قصیدہ خطابیہ

(۵۳ شعر)

سلام تم کو مسلم ہے یا امیر و کبیر — امیر کل امیر وصی رد زعید غدیر
نبی نے اپنا ولی عہد تم کو جگ میں کیا — خدا نے تجھ کو کیا بادشاہ خیبر گیر
خدا کے علم کے دیوان کا مجنس ایک — محمد علی و فاطمہ شبر و شبیر
خدا نے خسرو دور جہاں رسول کیا — اسی رسول کے دونوں جہاں میں تم ہو وزیر
وہ کون شخص جو محتاج تیرے در کا نہیں — تمہارے جود کے محتاج کل غنی و فقیر
محمد عربی کے نواسہ کا بندہ — نہ ہووے قوم نصاری کا یہ فقیر اسیر
تمہیں ہو مشتری عاصیاں بروز نشور — تمہیں ہو نجم سعادت تمہیں ہو بدر منیر
متاع دل ہوئی غارت صنم کی دولت سے — نہ چھوڑا سنگ دلوں نے فقیر تا قطمیر
خدا کے علم کے عالم ہو یا علی علام — علوم دین کے مصحف کی ہو بحق تفسیر
سلام کرتا ہے جبریل تم کو جھک جھک کر — امین وحی خدا مصطفے کے خویش و مشیر
تمہیں سلام ہے مسنون فرض ہے تسلیم — خدا کی بندگی میں تم نے کی ہے عمر اخیر

قصیدہ در مدح امام حسین

(۲۹ اشعار)

حسین ولی شہید حی قدیم — رہا زندہ من بعد کردن دو نیم

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نبوک سناں سورۂ کہف خواند — سناتا باصحاب کہف الرقیم
بوقت سحر شہہ کو کرکر سلام — مری بندگی شہہ کو کہہ اے نسیم
تیری خاکِ پا عرش کا افتخار — یہی بات کرسی نشیں ہے ندیم
تیرے غم میں سیپارہ دل ہوگیا — یہ مصحف لکھا ہے الٓمٓر کا
گل باغ حیدر کی سن کر خزاں — چو منقار بلبل شدہ دل دو نیم

مناقب حسین

(۵۵ اشعار)

سن مناقب شبیر و شبّر کے — یہ گزیدہ ہیں دونوں دادر کے
ہر دو چودہ طبق کے ہیں خاوند — دونوں سلطان ہفت کشور کے
مالک الملک جنت الماوا — دونوں شبیین یوم محشر کے
راکب دوش مصطفیٰ ہر دو — ہر دو مصرع حسین حسن در کے
ہر دو دریائے رحمت غفار — دونوں ستار عیب اکثر کے

"مناقب چہاردہ معصوم"

(۱۶ اشعار)

قلم نے لوح پہ جب مصطفیٰ کا نام لکھا — وصی شاہ رسل مرتضیٰ کا نام لکھا۔

۱؎ الف، لام، میم

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

انھیں کے پاس لکھا اسم حضرت زہرا — انھیں پہ عفت و عصمت کا اختتام لکھا
انھیں کے بعد حسن کو لکھا بہ خلق حسن — شہ سریر زبرجد بہ احترام لکھا
جو چاہا نام مبارک حسین کا لکھے — قلم سے خون بہا چہرہ لالہ فام لکھا
پھر ان کے بعد لکھا نام پاک زین عباد — صبور کرب و بلا اصبر الانام لکھا

ضیائے چشم رسول خدا امام حسین — سرور سینہ خیر النساء امام حسین
تن رسول دل مرتضیٰ و جان حسن — مکین کرسی عرش علا امام حسین
بدست مار بہ شد باعث نجات امم — قتیل معرکہ کربلا امام حسین

گر نگہ لالہ بر گل اندازد — داغ در جان بلبل اندازد
چشم بر چشم نرگس مستش — شعلہ در قلب سنبل اندازد
عشق در ہر دلے کہ خیمہ زند — صبر و ہوش و خرد کل اندازد
بہر برجستہ مصرعہ شاعر — جان خود در تامل اندازد

با دل زار مبتلا چہ کنم — سیر م نیست دل رہا چہ کنم
سرمہ در چشم یار جا کردہ — ما سیہ بخت سرمہ سا چہ کنم
بر گ گل با نوائے بلبل ساعت — من بے برگ و بے نوا چہ کنم
سخن راستی نمی شنوی — با تو اظہار مدعا چہ کنم

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

شب چنیں تشنہ چناں بودنمی دانستم
پیش در پیش نہاں بود نمی دانستم
دانہ خال تیرا دیدہ گرفتار شدم
دام ہر چند عیاں بود نمی دانستم
یار یا تیغ نگہ کرد میرا قتل و بہ گفت
ضاحک عصر فلاں بود نمی دانستم

در شب ہجر آں صنم خواب کجا و من کجا
تشنہ وصل او منم آب کجا و من کجا
از غم عشق آں جواں پیر شدیم و ناتواں
طاق شدہ است طاقتم تاب کجا و من کجا
کاب میان ہندیاں شعر کبیر اں کبت
من مغل ہلم تیم کاب کجا و من کجا

میر حسن تذکرہ شعرائے اردو میں ضاحک کی علم و فضل اور شاعری کے متعلق لکھتے ہیں۔

"از سادات عالی شان سپہر مکان، عالم فاضل ناثر و ناظم بہ غایت فہیم ہزل دوست مزاح پسند مایلہ گو و نکتہ سنج درویش مزاج متوکل .... در ہجو مولوی ساجد بہ کار بردہ اند چوں طبایع سامع را در خور سخن بلند نہ یافتند بہ قدر حوصلہ آں ہا بہ طرف ہزل تو سن قلم راندند لیکن زبان عجیب و غریب اختیار کردہ اند کہ از آدم تا ایں دم کسے نہ گفتہ .... غزل ایشاں کم از چہل و پنجاہ بیت نمی باشد بر ہر غزل ہزل پارہ نثر نوشتن نیز شعار اوشان است [1]

---

[1] تذکرہ شعرائے اردو میر حسن صفحہ ۱۴۱

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بھگوان داس سفینہ ہندی میں لکھتے ہیں۔

"میر غلام حسین دہلوی سید و فقیر بخوبی بے نظیر بود در ہندی اشعار ضحک آمیز گفت برائے ہمیں ضاحک تخلص می کرد طرزے کہ اورا اختیار کردہ از نوادر بود اکثر بہ ملاقات راقم می آمد"[1]

ضاحک میر حسن کے والد اور بھگوان داس کے دوست تھے۔ دوسری معاصر شہادتوں کو سامنے رکھتے ہوئے اُن لوگوں کے بیانات کو زیادہ اہمیت دی جانی چاہیئے۔ لیکن ان بیانات کو بنیاد بنا کر فیصلہ دیتے ہوئے دوسرے بیانات کو بھی نظر رکھنا چاہیئے۔ میر حسن نے ان کی ظرافت کا ایک واقعہ یوں بیان کیا ہے کہ میر علی نقی پہلے فارسی میں شعر کہتے تھے۔ اس وقت تسکین تخلص تھا بعد کو جنون تخلص اختیار کیا جب ریختہ گوئی کی طرف مائل ہوئے تو کافر تخلص کرنے لگے ایک دن ضاحک نے میر علی نقی سے کہا تم نے فارسی اور ہندی میں شعر کہے اب عربی زبان میں شعر کہو اور ملعون تخلص کرو۔

تذکرہ مسرت افزا میں ایک واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

"میر ضاحک در مجلس میر ماشاء اللہ نشستہ بود کہ درویشے از در در آمد میر ماشاء اللہ از و نام استفسار نمودہ گفت حیدر اللہ ضاحک از میر۔۔ گفت کہ بریں قافیہ شعرے بفرمایند چوں میر

---

[1] تذکرہ ہندی قلمی بحوالہ قاضی عبدالودود۔ طنز و ظرافت نمبر علی گڑھ ص ۱۳۲

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تامل شد ضاحک خود از روے مضحکہ بدیہہ گفت۔ [1]

مختلف تذکرہ نگاروں کے بیانات، میر علی نقی حیدر اللہ کے واقعات اور دیوان کے اکثر اشعار کا مطالعہ کرتے ہوئے ایک ہزل دوست، مزاح پسند بذلہ گو دنکتہ سنج اور درویش مزاج شاعر کی شخصیت ابھرتی ہے۔ جو کینہ پروری تنگ خیالی، کم ظرفی، جلن حسد یا جھنجھلاہٹ کا شکار نہیں۔ مقابلے یا مجادلے میں حریف کی پگڑی اچھالتے ہوئے نظر آتا ہے۔ لیکن ذہن صاف اور دل کشادہ ہے دوسروں کی پھبتیوں کی داد دینا ہی نہیں کھل کر تعریف کرنا۔ اور سننا بھی جانتا ہے۔ قاضی حیدر اللہ کا واقعہ پڑھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ ضاحک نے ان کا عجیب و غریب نام سنا اور رگ ظرافت پھڑکنے لگی۔ مقصد تفحیر کی توہین نہیں حاضرین محفل کی تفریح تھا چنانچہ میر ماشاء اللہ نے تامل کیا تو چند مضحک آمیز اشعار خود نظم کر دیئے۔ اہل مجلس ہمہ خندہ قہقہہ افتادند۔"

آب حیات میں نقل کیا گیا ہے کہ سودا نے اپنی ہجو سن کر اذیت تحسین کے ساتھ کچھ روپیہ اور ایک قطعہ لکھ کر دیا جس کا ایک مصرعہ ہے

"دہن سگ بہ لقمہ دوختہ"

یہ "ایک دانا و بینا" کی شخصیت ہے۔ یہی واقعہ اگر ضاحک کے ساتھ

---

[1] تذکرہ مسرت افزا بحوالہ قاضی عبدالودود
طنز و ظرافت نمبر ص ۱۳۰۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پیش آتا تو اس شاعر کے ساتھ خود بھی اشعار ضحک آمیز کہہ کر اسکو سنا دیتے۔ اُن کی شاعری اور شخصیت بلند نہ سہی لیکن اُن کی معصومیت یا بھول پن سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ سودا جیسے بلند پایہ شاعر کے سامنے ضاحک کی ہجویات، غزلیات مراثی یا فارسی شاعری کی کوئی حیثیت یا اہمیت نہیں۔ ان کے کلام میں تہ داری بصیرت دردمندی، بلندی، گہرائی و گیرائی کی تلاش لاحاصل ہے۔ وہ شہر آشوب اور تضحیک روزگار تو کجا شیدی فولاد خاں اور تربت سنگھ کے ہاتھی جیسی ہجو بھی نہیں لکھ سکتے تھے۔ فرد یا سماج کی کمزوری خامیوں، نارسائیوں اور مجبوریوں پر قہقہہ لگا سکتے ہیں لیکن طنز کا تیکھا وار نہیں کر سکتے۔ ضاحک کی توکل مزاجی اور درویشی نے مزاح نگاری و بذلہ سنجی کے سہارے فرد اور سماج کی کمزوریوں کی طرف اشارہ کر کے ہنسنا اور ہنسانا سکھایا ان پر نشتر یا مرہم لگانا چیزے دیگر است۔ ان کے دیوان میں اکثر فارسی اور اردو غزلیں دوسروں کے جواب میں لکھی گئی ہیں۔ لیکن عام طور پر سنجیدہ غزلوں میں بھی دو تین شعر کے بعد ضاحک کا کھلنڈرا پن عود کر آتا ہے اور اچھی بھلی غزل کے بیچ میں ان کی عجیب و غریب زبان اور انداز بیان کا پرتو جھلکنے لگتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ضاحک کو الفاظ کے اختراع اور استعمال پر بڑی قدرت تھی۔ مشکل سے مشکل فارسی و ہندی الفاظ کے ہم قافیہ بے معنی یا بامعنی الفاظ بناتے چلے جاتے تھے۔ مترادفات کا خزانہ بھی قابل دید ہے لیکن ان تمام خوبیوں کا استعمال صرف دل بہلانے اور دنیا سے دور رہنے کے لئے گیا گیا ورنہ ایسی شاعری کو اور کیا حیثیت دی جا سکتی ہے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دلّی نہ ہوئی للّی رکھ یاد اس سخن کو — رکھ یاد اس سخن کو دلی نہ ہوئی للّی
کلکتہ دپن بھتہ سلبتہ والبتہ — البتہ دلی بتہ پن بھتہ و کل کتہ
تن کو نہ ملے لتّا نہ پیٹ کو ہو روٹی — نہ پیٹ کو ہو روٹی نہ تن کو ملے لتّا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

باب دوم

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اردو مثنوی کا ارتقاء

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اردو مثنوی کا ارتقاء

ہر صنف سخن ارتقائی مراحل سے گزرتے ہوئے جانے کتنی ظاہری اور معنوی ہیئتی اور موضوعاتی تبدیلیوں سے دوچار ہوتی ہے آج اردو ادب میں صنف مثنوی کا نام آتے ہی ہمارے ذہنوں میں ایک طرف تو قطب مشتری خواب و خیال، سحر البیان اور گلزار نسیم کا نقشہ آجاتا ہے تو دوسری طرف موسم زمستاں ابر کرم، پرکھا رت یا چپ کی داد کا تصور ابھرتا ہے ساتھ ہی ساتھ وہ اشعار بھی نظر کے سامنے آجاتے ہیں جو مختلف نثری تصنیفات میں مثنوی کے زیر عنوان درج ہیں لیکن عام طور پر وہی میر اثر اور نسیم کی مثنویاں دل و دماغ پر چھا جاتی ہیں وجہ یہ ہے کہ جو موضوع کسی ایک صنف سخن میں عرصہ تک جاری و ساری رہتا ہے وہ موضوع تقریباً اس کا لازمی جزو بن جاتا ہے اور اس مخصوص صنف کا نام آتے ہی ذہن بے اختیارانہ اس موضوع کی طرف کھنچ جاتا ہے۔ بقول ڈاکٹر محمود الٰہی:

"ایک صنف میں جو موضوع غالب و حاوی رہا ہے
وہ موضوع اس صنف کا تقریباً لازمی جز بن گیا ہے اور
اس صنف کا نام لیتے ہی اس کے عروضی ڈھانچے کیساتھ
اسکا متداول موضوع بھی ذہن میں آجاتا ہے" [1]

---

[1] اردو قصیدہ نگاری کا تنقیدی جائزہ باب اول ص ۴۶-۴۵

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کسی صنف کے متداولہ موضوع کے ساتھ عروضی ڈھانچے کا ذہن میں آنا فطری ہے۔ فارسی اور اردو ادب میں اصناف کی تقسیم عروضی ترکیب کے لحاظ سے کی گئی ہے۔ مرثیہ کے علاوہ دوسری اصناف میں عروضی ڈھانچوں سے سرمو بھی تجاوز یا انحراف نہیں کیا جا سکتا۔ قصیدہ، مسدس، مخمس، مثنوی کی صورتوں یا (FORMS) میں نہیں کہا جا سکتا۔ مثنوی قصیدہ کی حدوں میں داخل ہو کر مثنوی نہیں رہ سکتی۔ لیکن تغیر و تبدل کے مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے ہر صنف میں تبدیلی یقینی ہے۔ چنانچہ مثنوی بھی زمانہ کے ساتھ ہیئت اور موضوع کے مختلف اور رنگا رنگ پیرہن قبول کرتی رہی ہے

مثنوی کی معنوی تعریف کو سامنے رکھا جائے تو ایسے اشعار جن کے بیت کا قافیہ جدا اور ہر دو مصرعے ہم قافیہ ہوں، مثنوی کہے جائیں گے۔ کل مثنوی ایک ہی وزن میں ہوتی ہے۔ اشعار کی کوئی خاص تعداد نہیں۔ مثنوی سات اوزان میں کہہ سکتے ہیں جو علم عروض میں متعین ہیں[1]

انشاء اللہ خاں دریائے لطافت میں لکھتے ہیں۔

مثنوی کا کہنا سات بحروں پر منحصر ہے ایک بحر متقارب مثمن مقصور (آخری رکن کے لحاظ سے) یا محذوف (اسی رکن کے لحاظ سے) ہے اور یہ بحر بادشاہوں کے باہم محاربات

---

[1] نور اللغات صفحہ ۴۳۸

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اور جنگ کے بیان کے لئے مخصوص ہے" [1]

انشاء اللہ خاں انشاء نے مثنوی کی جن سات بحروں کا ذکر کیا ہے اور بحر متقارب مثمن مقصور یا محذوف کا نام دے کر خاموش رہ گئے۔

۱۔ بحر سریع مسدس مطوی موقوف :۔ مفتعلن مفتعلن فاعلات

۲۔ بحر خفیف مسدس مقطوع :۔ فاعلاتن مفاعلن فعلن

۳۔ بحر ہزج مسدس اخرب محذوف :۔ مفعول مفاعلن فعولن

۴۔ بحر ہزج مسدس مقصور یا محذوف :۔ مفاعیلن مفاعیلن فعولن

۵۔ بحر متقارب مثمن مقصور محذوف :۔ فعولن فعولن فعولن فعل (یا فعول)

۶۔ بحر متقارب مثمن اثرم مقبوض :۔ فعل فعولن فعل فعولن (یا فعلن فعلن فعلن فاع

۷۔ بحر رمل مسدس مقصور یا محذوف :۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلن (یا فاعلات)

بحر متقارب مثمن مقصور یا محذوف کے متعلق انشاء نے لکھا ہے کہ یہ بحر بادشاہوں کے باہم محاربات اور جنگ کے بیان کے لئے مخصوص ہے۔ لیکن انہوں نے اس بحر کو رزمیہ مضامین کے لئے مخصوص کرنے کی کوئی دلیل نہیں پیش کی فردوسی کے شاہنامہ لکھنے کی وجہ سے ایسی مترنم بحر کو صرف رزمیہ مضامین کیلئے وقف کر دینا درست نہیں معلوم ہوتا۔ بہر حال مذکورہ بالا بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایران میں جب یہ صنف وضع کی گئی ہوگی تو اس کا

---

[1] دریائے لطافت صفحہ ۲۹۳

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اطلاق ایسے اشعار پر کیا گیا ہوگا جن کے دونوں مصرعے "مصرع" یعنی ہم قافیہ ہوں گے۔ رفتہ رفتہ اس کی تعریف میں وسعت پیدا ہوئی۔ اس کے لئے بحریں مخصوص کر دی گئیں اور قصہ پن اس کا لازمی جز قرار دیا گیا۔

مثنوی کی لغوی تعریف کو سامنے رکھ کر جب ہم اردو کے ابتدائی نمونوں پر نگاہ ڈالتے ہیں تو زیادہ تر اشعار اور صوفیا کرام کے اقوال مثنوی کے پیکر میں ملتے ہیں اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ شاعری کی ابتدا مثنوی کے (FORM) میں ہوئی۔

اردو شاعری کے ابتدائی نقوش ہندی بحروں میں ہونے کی وجہ سے مکمل تعریف پر پورے نہیں اترتے لیکن دو مصرعوں میں قافیوں کی ترتیب۔ انھیں مثنوی کی تعریف سے قریب تر کر دیتی ہے۔ فارسی بحریں مروج ہوئیں تو صرفی و نحوی اصولوں نے راہ پائی۔ غزل، قصیدہ، مثنوی، مخمس، مسدس، رباعی، ترجیع بند، ترکیب بند وغیرہ کی تعریفیں اور فنی ضوابط کی پابندی لازمی قرار پائی۔ شعرا مختلف اصناف سخن پر طبع آزمائی کرتے وقت فارسی شاعری کا معیار سامنے رکھتے تھے۔ مثنوی اپنے ارتقائی سفر میں پیچ و خم سے گزرتی اور منزلوں کو سر کرتی ہوئی آگے بڑھی ہے مگر اس ارتقائی سفر کا مکمل اور مسلسل تاریخی تسلسل قایم نہیں کیا جا سکتا۔ محقق تلاش و جستجو کے بعد بکھری اور الجھی ہوئی تمام کڑیاں ایک ایک کر کے جوڑتا ہے نئے نئے حقائق سامنے لاتا ہے اور ادبی تاریخ دھیرے دھیرے مکمل ہوتی رہتی ہے مثلاً آج سے چند سال پہلے مولانا عبدالسلام ندوی نے قطب شاہ کی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نقیہ مثنوی کو اردو کا اولین نمونہ قرار دیا تھا لیکن تحقیق نے اس بات کو غلط ثابت کر دیا۔ عبدالسلام صاحب شعر الہند جلد دوم میں لکھتے ہیں:

"اس کا آغاز مذہبی حیثیت سے ہوا چنانچہ ۱۰۱۸ھ میں قطب شاہ نے ایک نقیہ مثنوی لکھی جس کا ایک نسخہ حسب بیان تاریخ شعرائے اردو سرکار کمپنی کے کتب خانہ میں موجود تھا۔ اس کے بعد رستمی جو دکن کے ممتاز شعراء میں تھا۔ محمد امین قطب شاہ پسر ابراہیم قطب شاہ کی بیٹی مسمی بڑی بیوی کی فرمائش پر خاور خانہ[1] ایک مثنوی لکھی"[2]

ڈاکٹر محی الدین قادری زور اور ڈاکٹر عبدالحق اسی ۱۰۱۸ھ کی ایک مثنوی قطب مشتری کو عرصہ تک اردو مثنوی کا اولین نمونہ خیال کرتے تھے لیکن تحقیق کی راہیں دھیرے دھیرے استوار ہوتی گئیں نئے مواد کی بازیابی نے نظریات میں تبدیلی پیدا کی لہٰذا پروفیسر عبدالقادر سروری نے "اردو مثنوی کا ارتقا" میں بایں ہمہ بدیع الدین گنج شکر متوفی ۶۶۲ھ کے نمونے تلاش کیے:

"قدیم ترین زمانہ کی اردو مثنوی کے جو نمونے دستیاب

---

[1] رستمی کی مثنوی کا نام خاور نامہ ہے

[2] شعر الہند حصہ دوم صفحہ ۱۸۰

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہوئے ہیں وہ حضرت بابا شیخ فرید شکر گنج (متوفی)
سنہ ۶۶۴ھ سے منسوب ہیں" [1]

محمود شیرانی نے قدیم ریاضوں سے آپ کے کلام کے جو نمونے پیش کئے ہیں انمیں اکثر مثنوی کی ترتیب پائی جاتی ہے :

تن دھونے سے دل جو ہوتا پاک — پیش رو اصفیا کے ہوتے غوک
ریش سبلت سے گر بڑے ہوتے — بوکڑوں سے نہ کوئی بڑے ہوتے
خاک ڈلے سے گر خدا پائیں — گائے بیلاں بھی واصلاں ہو جائیں
گوش گیری میں گر خدا ملتا — گوش چوپاں دکنداں کوئی نہ واصل تھا
عشق کا رموز نیارا ہے — خرمد پیر کے نہ چارا ہے [2]

حضرت امیر خسرو سے جو کہانیاں اور کہہ مکرنیاں منسوب ہیں وہ بھی مثنوی کے پیکر میں ہیں

شیخ فرید الدین گنج شکر [3] اور امیر خسرو کے یہاں زبان کی صفائی اور فارسی بحروں کا استعمال دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔ عہد اپ بھرنش کی تصنیفات سامنے آتی ہیں تو شبہات یقین کی صورت اختیار کرنے لگتے ہیں۔ امیر خسرو کی خالق باری کا الحاقی ہونا ثابت ہو چکا ہے [4] اور یہ بات بھی ابھی

---

[1] اردو مثنوی کا ارتقاء، عبدالقادر سروری صد ۱۴، ۱۵
[2] اردو مثنوی کی نشوونما میں صوفیاء کرام کا حصہ ڈاکٹر عبدالحق۔
[3] پنجاب میں اردو محمود شیرانی صاحب صد ۱۷۶
[4] بحوالہ پنجاب میں اردو ملاحظہ کیجئے صد ۱۷۵ تا ۱۹۵

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جگہ پر بالکل درست ہے کہ صوفیائے کرام کے اشعار میں مریدین نے اضافے کئے ہیں۔ ثبوت کے طور پر مندرجہ ذیل اشعار کو لیجیے، کیا انہیں آج سے تقریباً سات سو سال پہلے کی تصنیف کس طرح مانا جا سکتا ہے۔

خاک ڈالے سے گر خدا پائیں گائے بیلاں بھی واصلاں ہو جائیں (شیخ فرید شکر گنج)

تازی چھوٹا دیس میں قصبے پڑی پکار دروازے دیتے رہ گئے رنکس گئے سوار (حضرت امیر خسرو)

ریختہ کے ساتھ نظموں میں بھی اگر فارسی بحریں پائی جائیں جب بھی زبان کی صفائی دیکھتے ہوئے، ان نظموں کو مکرتیوں، پہیلیوں کے الحاقی ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا ان نظموں پر اظہار خیال کرتے ہوئے ناقد اور محقق کے سامنے پرتھوی راج کے فوراً بعد کی زبان ہونی چاہیئے۔ حضرت امیر خسرو (متوفی ۷۲۵ھ)[۱] نے پرتھوی راج (متوفی ۵۸۸ھ)[۲] کے صرف نوے سال بعد شاعری شروع کی۔ اس عرصہ میں زبان میں اتنی بڑی تبدیلیاں بڑے سے بڑے لسانی انقلاب سے بھی رونما نہیں ہو سکتی ہیں۔ جناب مسعود حسین خاں صاحب "مقدمہ تاریخ زبان اردو" میں لکھتے ہیں:

ان کی زبان کہیں سے بھی پرانے پن کا سراغ
نہیں دیتی۔ اس پر اپ بھرنش کی لسانی۔
روایات کا بھی اتنا بھی آب و رنگ نہیں جتنا

---

[۱] بحوالہ پنجاب میں اردو صہ ۱۰۰

[۲] بحوالہ پنجاب میں اردو صہ ۱۶۶

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کہ ہمیں دکنی ادبیات میں مل جاتا ہے [۱]

عہد اب بھرنش کی تصنیفات کو الگ کر دیجئے۔ اور امیر خسرو سے تقریباً دو سو سال بعد لکھی گئی قطبن کی مثنوی "مرگاوتی" سے اس کا مقابلہ کیجئے۔ یہ صحیح ہے کہ قطبن کے یہاں امیر خسرو کی بہ نسبت مقامی اثرات زیادہ ہیں۔ پھر بھی اس سے زبان کا اندازہ ہو ہی سکتا ہے۔ قطبن نے شیخ بڈھن کے ذکر میں لکھا ہے:

شیخ بڑھن جگ سانچا پیرو — نام لیت سدھ ہووے سریرو
پاچھلے پاپ دھووے سب گئے — جھڑیں پرانے اور سب نئے

شاہ حسین کی مدح میں کہتا ہے:

شاہ حسین آہے بڑے را جا — چھتر سنگاسن ان کو ساجا
پنڈت اور بدھ ونت سیانا — پڑھے پوران ارتھ سب جانا
دان دے لوگنت نہ آوے — بلی اوکرن نہ سر پر پاوے [۲]

قطبن کی مرگاوتی اور کبیر داس کے یہاں بھی مثنوی کا پٹ ملتا ہے

گئی بیس اب آیو بڈھاپا — بنا پیو کہو یو ترنا یا!
سبھی بیس میں کھیل گنوائی — پیہہ کے نیہا نیک نہیں پائی
ساٹھ برس میں جات نہ جانی — گور کی بچن نیک نہیں مانی [۳]

میرے خیال میں قطبن کی مرگاوتی ہندی ادب کا ابتدائی کارنامہ ہونے

---

[۱] مقدمہ تاریخ زبان اردو ڈاکٹر مسعود حسین خاں صد ۱۲۱، ۱۲۵

[۲] پنجاب میں اردو محمود شیرانی صد ۲۱۲، ۲۱۳

[۳] اردو مثنوی کا ارتقا، عبدالقادر سروری صد ۱۷

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کے باوجود اپنی مجموعی خصوصیات کی بنا پر ہماری مثنوی سے زیادہ قریب ہے۔ یہاں مثنوی کا پٹ نہیں نکر و فن کی جھلک ملتی ہے۔

مرگاوتی پدماوت کی طرح عشقیہ افسانہ ہے جس میں کنچنگر کے راجہ روپا کی دختر مرگاوتی اور راجہ گنپت دیو چندگیری کے فرزند کی داستان عشق بیان کی گئی ہے۔ شہزادی مرگاوتی اور کمالات کے علاوہ فن پرداز سے بھی واقف تھی شہزادہ اس کے عشق میں گرفتار ہوا۔ بڑے مصائب کے بعد رسائی ہوئی اور دونوں کی شادی ہو گئی۔ شادی کے کچھ عرصہ بعد شہزادی یکایک غائب ہو جاتی ہے۔ اس کی تلاش میں شہزادہ بیابانوں کی خاک چھانتا ایک دریا سے محصور پہاڑی پر پہنچتا ہے۔ ایک عورت رکمنی کو راکشس کی قید سے نجات دلاتا ہے لڑکی کا باپ شکر گزاری کے طور پر رکمنی کی شادی شہزادہ سے کر دیتا ہے۔ چند روز بعد شہزادہ چھپ کر نکل جاتا ہے اور مسلسل تکلیف اٹھا کر مرگاوتی کے پاس پہنچتا ہے۔ وہ اپنے باپ کے مرنے کے بعد اسکی جانشین بن کر راج کر رہی تھی شہزادہ حکومت میں شریک ہو جاتا ہے۔ میاں بیوی بارہ سال تک حکومت کرتے ہیں۔ راجہ گنپت فرزند کی جدائی کی تاب نہ لاکر آدمی روانہ کرتا ہے یہ خبر پانے کے بعد شہزادہ مرگاوتی کے ساتھ روانہ ہوتا ہے۔ راستہ میں رکمنی کو لیتا ہوا گھر پہنچتا ہے کئی برس تک آرام و سکون کے ساتھ حکومت کرتا رہا۔ ایک دن شکار کھیلنے گیا اور ہاتھی سے گر کر فوت ہو گیا۔ اس کی وفادار بیویاں نعش کے ساتھ جل کر مر جاتی ہیں۔ اور قصہ ختم ہو جاتا ہے [۱]

---

[۱] بحوالہ پنجاب میں اردو صفحہ ۲۱۱

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور شیخ بہاؤالدین برادی اور سید ہاشم حسین علوی کے ملفوظات میں بھی مثنوی کے ابتدائی نقوش کی جھلک مل جاتی ہے۔ عہد جہانگیری کے ایک شاعر شیخ عثمان علی کے منظوم قصے "چترا ولی" میں ہندی بحر ہونے کے باوجود مثنوی کی زیادہ خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ زمانے کے ساتھ زبان کا ڈول اور کینڈا متعین ہوتا گیا۔ صفائی اور قوت بیان آتی گئی فارسی کے اثرات بڑھتے گئے چنانچہ کچھ دنوں کے بعد ہندی بحروں کی جگہ فارسی بحروں نے لی۔

شیخ عثمان کی چترا ولی تک پہنچتے پہنچتے اردو مثنوی کا ہیولیٰ تیار ہو چکا تھا۔ گجرات اور دکن میں اس کا حقیقی ڈیل ڈول اُجاگر ہوا۔ شعرائے گجرات، گولکنڈہ و بیجاپور نے اس کی رگ و پے میں خون جگر شامل کر کے۔ حیات جاوداں بخش دی۔ گجرات کے شعراء میں شاہ علی جیو گام، دسنی اور میاں خوب محمد چشتی کا نام سرفہرست آتا ہے۔ جیو گام دسنی کے مجموعہ کلام "جواہر اسرار" میں صوفیانہ مثنویوں کی مبارک کوششیں ملتی ہیں۔ لیکن نواب محمد چشتی کی "خوب ترنگ" قدیم مثنوی کا قابل قدر نمونہ سمجھی جاتی ہے۔ شاہ میراں کی "خوش نامہ" اور "خوش نغز" اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

شاہ برہان الدین جانم کے ایسے منظوم رسالے ملتے ہیں جن میں مثنویاں بھی ہیں۔ ایک مثنوی کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے ؎

الٰہی کلیاں کھول حاجات کیاں — برآویں اس مناجات کیاں
تیرا نام دیکھی ہے ہر گنج کا — ترا رحم مرہم ہے ہر اک رنج کا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کیا کوچہ سرمست اس ٹھار یوں　　کہ چن تے محمد کے گلزار یوں
کیا آپ اول اپیں ابتدا　　رکھیا ناوں اپس اوپر کر خدا[1]

دکن کی ادبی خدمات روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ بہمنی، عادل شاہی اور قطب شاہی دور میں ہزاروں شاعر ادیب پیدا ہوئے۔ انھوں نے فکر و فن کے ساز پر غزل کے مدھر راگ گانے کے ساتھ مثنوی کی حسین و جمیل اور مترنم دھنیں بھی چھیڑیں۔ بہمنی دور میں نظامی، فیروز، اشرف اور شاہ میراں جی شمس العشاق کی خدمات سے کون واقف نہیں ہے۔ نظامی بیدری کی "پدم راؤ کدم" موضوع حسن و عشق پر اردو کی پہلی طویل مثنوی مانی جاتی ہے۔ اس سے پہلے بالعموم مذہبی نظمیں یا صوفیانہ مثنویاں پائی جاتی تھیں۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور دکنی ادب کی تاریخ میں لکھتے ہیں:

"موجودہ معلومات کے لحاظ سے (نظامی) اردو کا وہ پہلا شاعر ہے جس نے حسن و عاشقی کے موضوع پر ایک طویل مثنوی "پدم راؤ" لکھی ورنہ اس سے قبل کی جو اردو نظم و نثر ملتی ہے وہ بالعموم مذہبی اور صوفیانہ موضوعوں سے متعلق ہے۔"[2]

پدم راؤ کدم کی ابتدا حمد و نعت و منقبت سے ہوتی ہے اس کے بعد سلطان

---

[1] اردو مثنوی کا ارتقاء عبدالقادر سروری صہ ۳۳

[2] دکنی ادب کی تاریخ۔ محی الدین قادری زور صہ ۱۷

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

علاؤالدین شاہ بہمنی کی تعریف ہے ؎

بڑا شاہ وہ شاہ جس شاہ جگ — وہیں سیونے جرم تس پائے لگ
اکھیں شہہ کیا شاد دکھن دھرن — گگن دل دھرت دل مسخر کرن
عطارد مسخر ہوائے قلم — مسخر کیا سوردے ہت علم

چمکنے لگے جب کنک ہت ثیر — چڑھاوا کیا دھرت آکاس پر[1]

فیروز، مشتاق اور لطفی کی طرح سرزمین بے در سے اٹھا گولنڈہ پہنچا تو ابراہیم قطب شاہ نے ملاقات کی خواہش ظاہر کی عالم مخدوم جی شیخ محمد ابراہیم کے اس معتقد نے اور مرید نے ملنے سے انکار کر اسکی شاعرانہ حیثیت کا اندازہ وجہی اور نشاطی جیسے شعراء کے تعریفی اشعار سے کیا جا سکتا ہے۔ ابن نشاطی کہتا ہے ؎

نہیں وہ کیا کروں فیروز اُستاد — جو دیتے شاعری کا کچھ سرے داد

وجہی، فیروز اور محمود کی تعریف میں یوں لکھتا ہے ؎

کہ فیروز و محمود اچتے جو آج — تو اس شعر کو ہوت ہوتا رواج
کہ نادر تھے دونوں دو اس کام میں — رگیا میں کئے یوں اچھے خام میں

فیروز کی دوسری مثنوی توصیف نامہ میراں محی الدین بھی موجود ہے۔ اس دور کے دوسرے شاعر شاہ میراں جی شمس العشاق گزرے ہیں آپ

---

[1] دکنی ادب کی تاریخ محی الدین قادری زور صہ ۱۶۶

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کی دو مثنویاں "خوشش نامہ" اور "خوش نغز" کافی مشہور ہیں۔

عادل شاہی دور کے مثنوی نگاروں کی فہرست بہت طویل ہے۔ ملک قمی، شاہ برہان الدین جانم عبدل، حکیم آتشی، مرزا محمد مقیم مقیمی، حسن شوقی، محمد ابراہیم صنعتی، کمال خاں رستمی، ملک خوشنود، ملک الشعرا نصرتی شاہ ملک، شاہ امین الدین، سید میران ہاشمی، محمد امین ایاغی، شغلی سیوا، علی، مومن، مرتضیٰ، مختار، قدرتی، نادر اور شاہ معظم وغیرہ۔ لیکن ان میں ملک قمی، مقیمی، رستمی، خوشنود اور نصرتی کی خدمات کو کسی عہد میں فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

ملک قمی ہندوستانیت کا دلدادہ تھا۔ اس نے ایک مثنوی "مخزن اسرار" نظامی کے جواب میں لکھی۔ مقیمی کی دوسری مثنوی "چندر بدن و مہیار" ہے۔ اس میں ایک شہزادی (ہندو) اور مسلمان تاجرزادہ محی الدین مہیار کے عشق کی داستان بیان کی گئی ہے۔ مقیمی غواصی کا ذکر بڑی عقیدت و احترام سے کرتا ہے اس کے کلام میں غواصی کے اثرات بھی پائے جاتے ہیں لیکن "چندر بدن مہیار" میں جس حسن انتخاب کا ثبوت دیا ہے اسے دیکھ کر اس کی بے مثال انفرادیت کا سکہ دل پر بیٹھ جاتا ہے۔ خان رشید صاحب اردو کی تین مثنویاں" میں رقمطراز ہیں:

> قطب مشتری تشبیہ و استعاروں میں اپنا جواب نہیں رکھتی سیف الملوک اور بدیع الجمال میں جذبات نگاری کا کمال ہے۔ لیکن چندر بدن

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دھیار ہر اعتبار سے مکمل اور اپنے دور کی
سحر البیان سے کم نہیں۔ اگر مقیمی جزئیات میں
بھی مشق و مہارت کا ثبوت دیتا تو یہ مثنوی
بے نظیر ہوتی۔ [1]

مقیمی کی مثنوی کو دیکھ کر امین نے 'بہرام و بانو حسن' لکھی لیکن مکمل نہ کر سکا مرزا شاہ نے اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

کمال خاں رستمی نے جملہ اصناف سخن پر کمال حاصل کیا تھا۔ خدیجہ سلطان شہر بانو بیگم کے اعلاق انعام پر ابن حسام کے فارسی 'خاور نامہ' کا ترجمہ کیا جسکا شمار اردو کی طویل ترین مثنویوں میں کیا جاتا ہے۔ بلکہ خدیجہ سلطان کے انعامی مقابلہ میں ملک خوشنود نے بھی حصہ لیا تھا۔ اور اسے اول انعام ملا تھا اس نے امیر خسرو کی حسین و جمیل فارسی مثنویوں کا ترجمہ کیا۔ جن میں 'یوسف زلیخا'، 'بازار حسن'۔ اور 'ہشت بہشت' بہت مشہور ہیں۔

ملک الشعرا نصرتی رزمیہ اور بزمیہ کا یکساں استاد تھا۔ 'گلشن عشق' میں کنور منوہر اور مدھومالتی کی داستان عشق نظم کی گئی ہے۔ 'علی نامہ' میں عادل شاہ کی رزم و بزم کا قصہ قلمبند ہے۔ نصرتی کو منظر نگاری میں کمال حاصل تھا۔

کہتا ہوں اتا فوج دہلی کی بات — چلی تھی دکن دل پہ کس دھات سات

---

[1] اردو کی تین مثنویاں۔ خان رشید صہ ۱۰

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کہ جس فوج کو دیکھنے میں سمیج ۔۔۔ دلے ناکسے انتہا ہو را دہیج
ہتیاں کا عرابہ بھلے میل میل ۔۔۔ انتھا جس میں سردار اصحاب فیل
سراسر اگر بھار اسارا دے ۔۔۔ تو یک فوجدار اس میں دار دیئے

قطب شاہی دور میں محمد قلی، وجہی، غواصی، حسن شوقی، علی اکبر جینڈی ابن نشاطی، قطبی، میراں جی، اور مرید شاہ فاروقی کا نام لیا جاتا ہے جن میں وجہی، غواصی، اور ابن نشاطی کو زیادہ شہرت ملی۔ ان کی مثنویاں ہمارے ادبی سفر کی سنگ میل بھی ہیں اور منزل حیات بخش بھی، قطب مشتری، سیف الملوک اور بدیع الجمال اور پھول بن سے کون واقف نہیں۔ رنگ و آہنگ کے ساتھ تشبیہہ و استعاروں کا کمال دکھایا گیا ہے۔ کہیں حسن و خوبی سے جذبات نگاری کی داد دی گئی ہے۔ اور کہیں سادگی و پرکاری کے سہارے صنعتوں کے نقوش بھی بنائے ہیں۔

ابوالحسن تاناشاہ کے عہد میں طبعی، غلام علی خاں لطیف، امین، افضل، محب اور فائز آگے بڑھے۔ طبعی کی بہرام و گل اندام اردو کے بہترین کارناموں میں شمار کی جاتی ہے۔ طبعی مثنوی لکھ رہا تھا کہ وجہی خواب میں آیا پوری مثنوی سننے کے بعد اسے اپنا ثانی کہتا ہے ؎

لگیا میں جو یو مثنوی بولنے ۔۔۔ یوں موتیاں سچھل ڈھال تیوں رولنے

؎ دکنی ادب کی تاریخ ص ۵۳، ۵۴

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

یو دجہی مرے خواب میں آئے کر　　مکھ اپنا سورج ناد دکھلائے کر
سراسر سنیا جو میری مثنوی　　کہیا بات طبعی ہے تیری لوی
ہو خوش حال سن کر یو باتاں مرے　　اپس کے لے باتاں میں باتاں مرے
بڑے پیار سے اپنا دے یو مثل　　سنیا سو پڑیا خواب میں میں اچھل[1]

مذکورہ بالا اشعار میں شاعرانہ تعلّی نہیں فنکارانہ حقیقت ردپوش ہے زبان کی سلاست اور شاعرانہ نزاکتوں کے لحاظ سے طبعی، وجہی، غواصی اور ابن نشاطی تینوں پر سبقت لے گیا ہے بقول ڈاکٹر محی الدین قادری زور

"ابن نشاطی اپنی خصوصیات کے لحاظ سے
دبستان غواصی کا ہیرو اور جانشین تھا طبعی
صحیح معنوں میں جانشین وجہی سمجھا جا سکتا ہے"[2]

اس دور کے ایک شاعر محمد نے "مثنوی" معجزہ فاطمہ" لکھی جس کی فنی حیثیت کم لیکن تاریخی اور دستاویزی حیثیت بہت زیادہ ہے۔ ابوالحسن تاناشاہ کے کردار کے متعلق پھیلی ہوئی افواہوں کی تردید مدحیہ اشعار سے ہوتی ہے۔

طبعی کے ساتھ امین نے "قصہ ابوشحمہ" غواصی نے "قصہ حسینی، شاہ افضل نے "محی الدین نامہ" اور غلام علی نے جائسی کی "پدماوت" کا اردو ترجمہ کیا۔

---

[1] دکنی ادب کی تاریخ صہ ۹۲
[2] دکنی ادب کی تاریخ صہ ۹۳

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

یہ مثنویاں طبعی اور نشاطی کے کارناموں کے سامنے پست سہی مگر ان سے ارتقا کی کڑیاں مل جاتی ہیں۔ اس عہد کا آخری شاعر فائز گزرا ہے اس کی مثنوی "رضوان شاہ و روح افزا" ہے۔

مغل حکمراں قند ہائے پارسی کے شیدائی تھے۔ حکومت دکن زیر نگیں سلطنت دہلی آئی تو قدیم شاعری کا انحطاط شروع ہو گیا مغل سپاہیوں نے ابوالحسن تانا شاہ کی خوابگاہ کے ساتھ شعر و سخن کا گہوارہ بھی برباد کر دیا شعرا ملک کے مختلف حصوں میں جائے پناہ ڈھونڈھنے لگے۔ وطن عزیز اجڑنے کے بعد بحری حیدر آباد پہنچا لیکن یہاں بھی سکون نہ مل سکا تباہی و بربادی کا لازمی نتیجہ مایوسی، احساس کمتری اور فراریت کی شکل میں ظاہر ہوا۔ مذہبی رجحان بڑھا دنیا کی بے ثباتی اور مرثیہ خوانی کا رواج عام ہونے لگا۔ اس دور میں اکثر شعراء کے کلام میں ناامیدی مایوسی اور سلوک و معرفت کی چھاپ نظر آتی ہے ولی دکنی کا دور دراصل شمالی ہندوستان کی شاعری کے سنورنے اور نکھرنے کا زمانہ تھا شعرائے محمد شاہی بانکپن کے شیدائی تھے۔ چنانچہ شاعری میں ولی کی روایات کی پاسداری کے ساتھ بانکپن کا طور طریقہ بھی شامل کر دیا۔

شمالی ہند میں مثنوی کے آغاز و ارتقا پر گفتگو کرتے ہوئے اکثر محققین اور ناقدین نے بابا فرید گنج شکر امیر خسرو اور کبیر کے بارہ ماسہ کا ذکر کیا ہے۔ بابا فرید اور امیر خسرو کی زبان اور ان کے الحاقی کلام کے متعلق گزشتہ صفحات میں اظہار خیال کیا جا چکا ہے۔ کبیر کے بارہ ماسہ کو غالباً اس وجہ سے مثنوی کی فہرست میں داخل کیا گیا کہ یہاں بھی مثنوی کے قافیہ کی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پابندی نظر آتی ہے۔ اس کا ابتدائی شعر یہ ہے۔

گئی بیس اب آ ئیو بوڈھا پا بنا بیئو کہو یو ترنا پا

لیکن ٹیپ کا دوہا دیکھنے کے بعد غلط فہمی دور ہو جاتی ہے

شمالی ہندوستان میں مثنوی نگاری کی ابتدا افضل کی بکٹ کہانی سے ہوئی اور تکمیل میر جعفر زٹلی نے کی[1] زٹل میدان ہجو میں نادرہ زبان و عجوبہ روزگار ہونے کے علاوہ مثنوی نگاری میں بھی یادگار زمانہ تھے ان کا زمانہ ۱۰۶۱ھ تا ۱۱۲۵ھ متعین کیا جاتا ہے کلیات میں کئی اردو مثنویاں پائی جاتی ہیں جنمیں "ظفر نامہ" اور "طوطی نامہ" قابل ذکر ہیں۔ میر حسن نے تذکرہ شعرائے اردو میں ان کی مثنوی کے دو شعر نقل کئے ہیں جو طوطی نامہ سے لئے گئے ہیں۔

سنو اے طوطی روحانی من نہ کر الفت پہ رنگیں پنجرۂ تن

نہ تو یاں ہے نہ یہ پنجرہ رہیگا بلا کر لال تجھ کو کیا کہے گا[2]

نواب صمصام الدین محمد خاں فائز کے متعلق محققین ہنوز کسی فیصلہ کن نتیجہ پر نہیں پہنچے ہیں۔ تاہم جناب سید مسعود حسن رضوی ادیب کی تحقیقات سے انحراف نہیں کیا جا سکتا۔ فائز کے دیوان میں بہت سی چھوٹی چھوٹی مثنویاں ہیں جن میں "تعریف بنگلہ" "تعریف ہولی" "در وصف بھنگڑ ان درگاہ۔ قطب" اور "تعریف جوگن" قابل ذکر ہیں۔

---

[1] شیخ عبداللہ امین اور محبوب عالم شیخ محمد جیون نے بھی مثنویاں لکھیں۔

[2] تذکرہ شعرائے اردو میر حسن ص ۴

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بیٹھی تھی مرگ چھالے کے اوپر — مہ رخاں بیچ اسے نہ تھا ہمسر
سر سے پا تک تمام ننگی تھی — اس کے پنڈے پہ ایک لنگی تھی
کم ہے اس مکھ سوں جوت چندر کی — چیری اس اچھڑا ہے اندر کی
جوڑا بالوں کا باندھ کر جوگن — بیٹھی تھی کنڈلی مار اک ناگن
دل اتیتاں کے ڈس کے کرتی بند — سر کے پیچھے رکھی لپیٹ کمند
جوڑا نہیں گیند ہے کنہیا کی — یا سہس ناگنی ہے دربا ئی[1]

جعفر علیخاں ذکی ولد مرزا مومن بیگ متوسلان نواب عمدۃ الملک میں سے تھے۔ انہوں نے "رام راجا کے عشق میں ایک مثنوی لکھی۔ مثنوی ناپید ہے۔ مگر چند اشعار تذکرہ شعرائے اردو سے نقل کئے جاتے ہیں[2]

الٰہی شوق سے دل کو جلا دے — برہ کی آگ تن من میں لگا دے
جلا جوں پھلجھڑی مجھ ناتواں کو — شرر لبریز کر ہر استخواں کو
فنا کر عشق میں یوں جان بیتاب — کہ جوں آتش میں کھپ جاتا ہے سیماب

محبوب کی تعریف میں لکھتے ہیں:

صفا اس کے بنا گوشوں کی دیکھ آن — خجالت سے رہے موتی پکڑ کان
زلیں گل برگ لب میں نازکی ہے — کٹورے میں پیے ہے پھول کی مے

آپ نے محمد شاہ کی فرمائش پر مثنوی حقہ شروع کی مگر پوری نہ کر سکے

---

[1] دیوان نایاب مرتبہ مسعود حسن رضوی صہ ۲۱۳، ۲۱۴

[2] تذکرہ شعرائے اردو صہ ۴۰

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اسے حاتم نے مکمل کرلیا۔ اسی زمانے میں فضائل علی بے فیدنے اپنے عشق کی داستان پر درد کو مثنوی کا جامہ پہنایا بقول میر حسن "قریب بالفصیحت گفتہ است"[1] شمالی ہندوستان کی یہ پہلی طویل مثنوی ہے اس کے علاوہ سحر البیان کی تخلیق کے وقت اسی مثنوی نے میر حسن کی رہنمائی کی۔ اشعار ملاحظہ کیجیے[2]

عجب خواب دیکھا میں اس رات میں
ہوا جس سے میں پیچ اور تاب میں

ہوا تھا جنہوں سے میں اول جدا
سو کیا دیکھتا ہوں وہی دلربا

کہ جو چاہتی تھی مجھے دل سیتی
جدا بھی ہوا تھا میں متکل سیتی

سو کہتی ہے یوں مراد من پکڑ
کہ چھوٹے ترے غم سے میرا جگر

شب و روز رونا میرا کام ہے
ترے نام لینے سے آرام ہے

پھرے میرے یوسف تو کسی گلی
تیری چاہ میں میں ہوئی بادلی

نامہ محبوب کے چند اشعار اور ملاحظہ کیجیے،

تمہاری خوشی سے یہاں خیر ہے
سدا ہجر کے باغ کی سیر ہے

بہت پھول لالا دکھائے مجھے
ترے داغ سے کچھ نہ بھائے مجھے

جو دیکھا تھا تم رنگ سرخ و سپید
ہوئے تاج سراب نہ رکھیو امید

مرے من ہرن بوجھ کرمن کی بات
کرو شاخ آہو اور پریت برات

جو بارا ہو پھر غم اسے دیجیے
جو ماندہ ہو پر ہم اسے کیجیے

کروں کیا نکلتی نہیں جان ہے
کہ یہ میری غلطی کی تاوان ہے[3]

---

[1] تذکرہ شعرائے اردو ص ۱۱۸

[2] تذکرہ شعرائے اردو میر حسن ص ۱۱۹، ۱۲۰

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

آبرو نے محمد شاہی دور میں متعدد مثنویاں لکھیں [1] جن میں "موعظہ آرایش معشوق" کو قابل انتخاب کہا گیا ہے شاہ حاتم کے "دیوان زادہ" [2] میں پانچ مثنویاں ہیں ۱ مثنوی سراپا ۲ ساقی نامہ ۳ وصف قہوہ ۴ وصف تمباکو و حقہ ۵ مثنوی بہاریہ مسمی بہ بزم عشرت۔ اس میں تقریباً ساڑھے چار سو اشعار ہیں۔ ہولی کی دھوم دھام کا نقشہ قابل دید ہے ؎

ادھر یار اور ادھر خوباں صف آرا — تماشا ہے تماشا ہے تماشا
گلال ابرک سے سب بھر بھر کے جھولی — پکارے یک بیک ہولی ہے ہولی
کوئی ہے سانوری کوئی ہے گوری — کوئی چمپا بدن عمروں میں تھوڑی

محمد فقیہہ درویش کا بھی شمار جو ۱۶ محمد شاہی میں کیا جاتا ہے "ساقی نامہ" کے علاوہ اور کوئی دوسرا ادبی نقش موجود نہیں۔ آپ مرزا مظہر جانان کے شاگردوں میں تھے حال میں ڈاکٹر محمود الٰہی کو ۱۱۴۲ھ میں لکھی گئی ایک بیاض میں یہی ساقی نامہ دستیاب ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ درویش نے ۱۱۴۲ھ سے بیشتر ساقی نامہ کہا

ارے ساقی اے جان فصل بہار — یہی تھا ہمارا اور تیرا قرار
ستم سے گزر کچھ تو انصاف کر — خدا سے تو ڈر کچھ تو انصاف کر
تامل سے ٹک دیکھ گل کا شکوہ — کہ لبریز ہے باغ تا دشت و کوہ
اس آتش میں میرا نہ کر دل کباب — نہ کر میری طاقت کے زہرے کو آب

---

[1] شعر الہند حصہ دوم صـ ۱۸۱

[2] دیوان زادہ حاتم ملی۔ اسٹیٹ لائبریری رامپور

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کہ میں جاں بلب ہوں پیالے کی طرح لگی ہے مجھے آگ لالے کی طرح [۱]

مذکورہ بالا عہد تک دلی میں مثنوی کا بچپن رہا۔ سودا میر قائم سوز اور میر اثر کے ہاتھوں یہ صنف دھیرے دھیرے پروان چڑھی۔ اس عہد میں سودا کا شہرہ عام تھا۔ میر تقی میر نکات الشعرا میں لکھتے ہیں:

غزل و قصیدہ و مثنوی و قطعہ و مخمس و رباعی

ہمہ را خوب می گوید [۲]

سودا کی مثنویوں کے بارے میں میر تقی میر کا بیان درست نہیں۔ مرزا قصیدہ گوئی اور ظرافت نگاری کے بادشاہ تھے مناظر کی مصوری جذبات کی نقاشی اور جذبات کے بیان میں کمال نہ حاصل کر سکے بقول شیفتہ:

مرزا از اقسام شاعری در مثنوی فکر معقول نہ داشت [۳]

سودا کی مثنوی نگاری کے متعلق شیفتہ کی رائے سے اتفاق کرنے کے بعد میں اس حقیقت کا اظہار کر دینا مناسب خیال کرتا ہوں کہ ان کی عشقیہ مثنوی "قصہ پر شیشہ گر و زر شیشہ" میں عاشق و معشوق مرد ہونے کے باوجود شدت جذبات کی اکثر مثالیں ملتی ہیں۔

کلیات میر میں ۳۷ مثنویاں ہیں مگر شعلۂ شوق" اور "دریائے عشق" کے

---

[۱] بیاض مملوکہ سید ہاشم علی سبزپوش گورکھپور

[۲] نکات الشعراء صفحہ ۳

[۳] گلشن بے خار مطبوعہ گورکھپور یونیورسٹی لائبریری

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

علاوہ کسی اور مثنوی کو حیات جاوید نہ حاصل ہو سکی۔ مثنوی دریائے عشق کی کامیابی کا بہترین ثبوت مصحفی کی "بحر المحبت" ہے۔ حالی مقدمہ شعر و شاعری میں میر کی مثنویوں پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جتنی میر کی مثنویات ہم نے دیکھی ہیں وہ سب
نتیجہ خیز اور عام مثنویوں کے برخلاف بے شری
اور بے حیائی کی باتوں سے مبرا ہیں"۔ [۱]

میر کی مثنویوں کے افسانے دلچسپ نہیں ہوتے مگر بیان کی سادگی اور شیرینی میر صاحب کا حصہ ہے۔ میر کی مثنویوں کے بر اثر ہونے سے انکار نہیں کرتا مگر نتیجہ خیز ماننے کو تیار نہیں۔ حالی کا یہ فرمانا کہ تمام مثنویوں کے برخلاف بے شری اور بے حیائی کی باتوں سے مبرا ہیں بڑی حد تک درست ہے۔

میر سوز نے صرف ایک مثنوی لکھی ہے جو مختصر ہونے کے باوجود، سادگی لطافت اور شیرینی زبان کی دولت سے مالا مال ہے۔ اس دور میں خواجہ میر اثر کی مثنوی "خواب و خیال" پلاٹ اور تکنیک کے لحاظ سے قابل قدر اضافہ کی صورت میں ظہور پذیر ہوئی۔ شیفتہ گلشن بے خار میں لکھتے ہیں:

مثنوی ایشاں شہرت تمام دارد کہ بنائے آں
بر محاورہ بحث است و ازیں جہت مرغوب عوام [۲]

---

[۱] مقدمہ شعر و شاعری حالی مطبوعہ گورکھپور یونیورسٹی لائبریری

[۲] گلشن بے خار مطبوعہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

قایم چاندپوری نے ۲۵ مثنویوں لکھیں[۱]۔ دو مثنویاں کے علاوہ باقی سب مختصر ہیں۔ جذب الفت یا درویش عروس کو راسخ عظیم آبادی نے "اعجاز عشق" کے نام سے لکھا یہ مثنوی عشقیہ ہے اور قایم کی فنکاری کا قابل قدر نمونہ ہے۔ خواب و خیال کے بعد ادبی حیثیت سے نواب محبت خاں محبت کی مثنوی "اسرار محبت" بہت زیادہ مشہور ہے۔ آخری شعر سے تاریخ اختتام معلوم ہوتی ہے ؎

کہی تاریخ اس کی یہ بہ صنعت　　عجب قصہ ہے "اسرار محبت"

۱۱۹۷ھ

اسرار محبت "سسی اور پنوں کی داستان عشق پر مشتمل ہے نواب محبت خاں نے اصل قصہ (پنجابی) میں ترمیم و اضافہ کر کے مسٹر جانسن کی فرمایش سے لکھنؤ میں نظم کیا۔ مثنوی کا آغاز محبت کی تعریف و توصیف "اسرار عشق اور تاثیر عشق" کے بیان سے ہوتا ہے۔ اصل قصہ کے پلاٹ اور واقعات کا اسرار محبت سے موازنہ کرتے ہوئے ڈاکٹر گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں:

> محبت نے اصل پلاٹ کو بہت مختصر کر دیا کئی واقعات حذف کئے ہیں۔ اور کچھ اپنی طرف سے بڑھا بھی دیئے ہیں۔ لیکن لطف یہ ہے کہ قصہ

---

۱ گلشن بے خار مطبوعہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کی دل چسپی میں کوئی کمی نہیں آتی"[۱] اسرار محبت کی فنی خوبیوں پر اظہار خیال کرتے ہوئے نارنگ صاحب فرماتے ہیں:

"محبت کی مثنوی اپنی ادبی اور فنی خوبیوں کی وجہ سے اردو مثنویوں میں اونچا درجہ رکھتی ہے یہ کسی نغز گو اور قادر الکلام شاعر کی تصنیف ہے۔ سسی کے حالات کو اس قدر سہولت اور سوز سے بیان کیا گیا ہے کہ دل پر چوٹ لگتی ہے تشبیہیں حسین ہیں اور مصرعے سادہ اور بے ساختہ"[۲]

سسی اور پنوں کی داستان عشق سے شاید ہی کوئی ناواقف ہو نواب محبت خاں کی ذہانت کا اندازہ اشعار ذیل سے کیجئے:

عجب قصہ عجائب ہے کہانی — کہ سنکر ہو دل فولاد پانی
سمجھتا ہی نہ ہووے جو دم سرد — جگر سے وہ بھی کھینچے آہ پر درد
عزیزو کیا کروں اسکا بیاں ہائے — کہ مر جانے کی ہے یہ داستاں ہائے

محبوب کا سراپا مثنوی نگار شعرا کا محبوب موضوع رہا ہے خواجہ میر اثر خواب و خیال میں لازوال تصویر پیش کر چکے ہیں۔ نواب محبت خاں پری

---

[۱] نگار اصناف سخن نمبر ۱۹۵۶ء، ص ۷۹ ڈاکٹر گیان چند
[۲] ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں مطبوعہ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ ص ۱۴۲
[۳] ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں مطبوعہ گوپی چند نارنگ ص ۱۳۸

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تمثال سمنی کا سراپا یوں بیان کرتے ہیں۔

سراپا کیا لکھوں اس شمع رو کا — کہ تھی وہ حسن کا شعلہ سراپا
عیاں یوں ہوئے تھے عنبر آلود — کہ جیسے شمع کے شعلہ پہ ہو دود
گندھی چوٹی نظر اس طرح آوے — کہ جیوں مار سیہ لہرا دکھاوے
بہت تھا دل جلوں کا اس میں سکن — اچنبھا ہے کہ اک سانپ اور کی من
پریشاں رخ پہ یوں زلفیں تھیں یکسر — رگ ابر سیہ جیسے ہو مہ پر
وہ دندان آبدار اس سیم بر کے — کہ سوراخ ان سے ہو دل میں گہر کے
اور اس کی نتھ کا یہ پیارا ہے حلقہ — کہ گویا حسن نے مارا ہے حلقہ
نہیں گردن کی کچھ تعریف ہوتی — وہ ہے گویا صراحی دار موتی
یہ ساعد پر نزاکت تھی نمودار — رگ گل کی بھی نسبت جس پہ ہو بار
یہ گرمی اس کے تھی ہر اک سخن میں — کہ آتش سی لگا دے جان و تن میں

میر تقی میر کے سوز و گداز مصحفی کی زبان اور جرأت کے انداز بیان نے اس افسانے میں وہ لطافت، شیرینی اور سوز و گداز پیدا کیا کہ پڑھنے والے کے لئے دل پر قابو رکھنا مشکل ہو جاتا ہے میر حسن تذکرہ شعرائے اردو میں محبت کی مثنوی کا ذکر نہیں کیا لیکن گلزار ارم اور سحر البیان کا مطالعہ کرتے ہوئے اس مثنوی کے لب و لہجے کے اثرات اکثر نظر آتے ہیں۔

کلیات میر حسن میں گیارہ مثنویاں ہیں سب سے پہلی مثنوی شادی ہے مگر میر حسن نے تذکرہ شعراء اردو میں لکھا ہے۔

"فقیر دریں مدت قریب ہفت ہشت ہزار بیت گفتہ باشد دیک ترکیب

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سند دیگر رموز العارفین گفتہ است کہ مقبول دلہا گردیدہ
مشہور شدہ است"

مذکور بالا بیان دیکھ کر یہ غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ میر حسن کی پہلی مثنوی رموز العارفین ہے لیکن ان کے دوسرے جملے "مشہور شدہ است" پر غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ میر حسن نے رموز العارفین کا ذکر خاص طور پر کیا ہے اس لئے کہ یہ مثنوی معروف و مقبول ہو چکی تھی اس بیان سے مثنوی شادی کی اولیت پر حرف نہیں آتا۔ اس عہد سے پہلے مثنوی عرصہ تک پابندیوں کے دائرہ میں رہتے ہوئے بھی بہت کچھ بدل چکی تھی، غالباً اسی لئے میر حسن نے تذکرہ میں اس کا ذکر کرنا مناسب خیال نہ کیا ہوگا۔

مثنویات میر حسن پر تبصرہ کرتے ہوئے تاریخی ترتیب کا خیال رکھا گیا ہے، چنانچہ سب سے پہلے مثنوی شادی کی ادبی خوبیوں کا تجزیہ کیا جائے گا

مثنوی شادی

آصف الدولہ کے جشن شادی کی یہ مختصر یادگار مثنوی اختصار کے باوجود تخیل کی بلندی زبان کی صفائی انداز بیان کے کمال برجستگی روانی اور محاورہ بندی کی قابل قدر یادگار ہے۔ کہیں انداز بیان کا کمال ہے تو کہیں منظر کشی کی بیش بہا تمثالیں، مثنوی کے زمانہ تصنیف کے متعلق محمود فاروقی صاحب ارشاد فرماتے ہیں:

تاریخ تصنیف کا تعین ممکن نہیں مگر داخلی و خارجی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

شہادتوں کی بنا پر وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ
فیض آباد میں تصنیف ہوئی" [1]

سبب تصنیف معلوم ہونے کے بعد تاریخ تصنیف کا تعین آسان ہو جاتا ہے۔ صاحب تاریخ اودھ کے مطابق آصف الدولہ کی شادی ۱۱۸۷ھ میں ہوئی لہٰذا مثنوی کی تاریخ تصنیف ۱۱۸۱ھ قرار پائیگی مگر میر حسن نے تذکرہ شعرائے اردو میں صرف رموز العارفین کا نام لیا ہے۔ تذکرہ ۱۱۹۱ھ میں ختم ہوا اور میر حسن ۱۱۹۲ھ تک اضافہ کرتے رہے۔ چنانچہ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مثنوی ۱۱۹۲ھ کے بعد لکھی گئی۔ لیکن اس کی اندرونی خصوصیات پر غور کرنے سے یہ خیال باطل ہو جاتا ہے۔ مثنوی کے آخیر میں شجاع الدولہ کی تعریف میں اشعار پائے جاتے ہیں، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا اس وقت تک انتقال نہیں ہوا تھا۔

تب کہا اک شخص نے تو سقدر — حال سے ہے کیا جہاں کے بیخبر
ہے وہ نواب ایک شجاع الدولہ نام — دھاک سے لرزے ہے جسکے روم و شام

شجاع الدولہ کا انتقال ۱۱۸۸ھ میں ہوا۔ دوسرے شعر کے پہلے مصرعے سے ان کی حیات کا ثبوت ملتا ہے لہٰذا تاریخ تصنیف ۱۱۸۸ھ سے پہلے ہو جائیگی شجاع الدولہ کی تعریف کے بعد میر حسن لکھتے ہیں:

زر کی کچھ اس سے نہیں مجھ کو غرض — گر قبول افتد زہے عز و شرف [2]

---

[1] میر حسن اور خاندان کے دوسرے شعراء صفحہ ۱۲۵

[2] کلیات میر حسن قلمی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مثنوی کے آخری شعر سے ایک طرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تصنیف کے پیچھے زر و جواہر کی تمنا یا انعام و اکرام کی لالچ نہیں تھی۔ دوسری طرف یہ راز بھی آشکار ہو جاتا ہے کہ جس شادی کے سال دو سال بعد اس کا حال نظم کر کے عام طور پر کوئی شاعر عزت و شرف کی تمنا نہیں کر سکتا۔ ایسی تہنیتی کاوشیں انہیں مخصوص موقعوں پر قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہیں جن کی تحریک پر تصنیف کا دار و مدار ہوتا ہے۔ ان دلائل کی بنیاد پر میں قیاس کرتا ہوں کہ مثنوی شادی کی تاریخ تصنیف ۱۱۸۱ھ ہے۔ تذکرہ شعرائے اردو میں اس کا نام نہ آنے کی وجہ سے یہ ہوئی ہوگی کہ میر حسن نے اس کا شمار سنجیدہ مثنویوں کی صف میں نہیں کیا ہوگا یا اس تہنیتی تصنیف کو فنی اصول و ضوابط کے معیار پر پورا نہ پایا ہوگا۔

رموز العارفین، گلزار ارم اور سحر البیان کی طرح، مثنوی شادی میں حمد و نعت اور منقبت کا طویل سلسلہ نہیں پایا جاتا۔ چند تمہیدی اشعار کے بعد شاعر اصل موضوع کی طرف مڑ جاتا ہے۔ محمود فاروقی صاحب اسے اجتہاد تصور کرتے ہیں۔ یہ انداز قصیدوں میں بھی ملتا ہے۔ کبھی تو شاعر خواب سے بیدار کیا جاتا ہے کبھی خاموش اور اداس بیٹھا رہتا ہے تو ہاتف کی آواز اسے چونکاتی ہے۔ سودا کا قصیدہ ہے:

صبح ہونے جو گئی آج میری آنکھ جھپک
دی دہن آ کے خوشی نے در دل پر دستک

میر حسن کی مثنویوں میں اسی طرز کی تشبیب ہے۔ ملاحظہ کیجیے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

شام کو میں فکر میں بیٹھا تھا کل — یعنی تھی میرے تئیں فکرِ غزل
یک بیک ہاتف نے دی آواز یوں — آج کے دن فکر میں بیٹھا ہے کیوں
گھر سے باہر تک نکل اے بے خبر — چل ذرا قدرت خدا کی سیر کر
فکر و غم ہے آج نوبت سے بعید — شام میں ظاہر ہے یاں صبح امید
سن کے یہ مژدہ اٹھا میں یک بیک — سیر کرتا جوں گیا بازار تک
دیکھا رستہ میں ایک انبوہ عجوم — تب کہا میں نے کہ کیسی ہے یہ دھوم
اک نے کہنے کہ چلا چل بے خبر — چل ہمارے ساتھ تو بھی سیر کر

تمہید کی اشعار کے بعد اصل موضوع تک آنے کے لئے میر حسن نے قصیدہ کو شعراء کی طرح گریز کا سہارا لیا جس سے مثنوی کا دامن بڑھ گیا۔ جہاں تک حمد و نعت اور منقبت میں اجتہاد کی بات ہے اس کے متعلق یہ عرض کر دینا کافی ہے کہ قصائد کی تکنیک کا سہارا لے کر آگے بڑھنے والا شاعر مثنوی کی دیرینہ روایات کو برقرار رکھ کر کامیاب نہیں ہو سکتا تھا اور اگر اس کے باوجود انہیں برتنے کی کوشش کرتا تو ناکامی یقینی تھی۔ میر حسن کی فنکارانہ صلاحیتیں یہاں بھی کام آگئیں۔ دریا کا منظر ملاحظہ کیجیے:

دیکھتا کیا ہوں کہ بے حد و قیاس — روشنی کا اٹھ رہا ہے دریا کے پاس
فرش سے تا آسمان تک ہے بلند — مہر سے روشن ہے جیسے اسکا چند
تھا شعاعِ روشنی کا بس وفور — شام سے لے صبح تک تھا وقتِ نور
نیچے اوپر جلتے تھے جو چل چراغ — تھا عدد کو داغ پر بالائے داغ
کیا بیاں اسکا کروں میں سر بسر — طوطی تقریر کے جلتے ہیں پر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

روشنی کا نقشہ پیش کرنے کے بعد آتش بازی کے چھوٹنے کا سماں دکھاتے ہیں:

روشنی کچھ اک نہ تھی اس جا عیاں — اس میں آتش بازی کا بھی تھا سماں
اک چراغاں کا نہ تھا تنہا ظہور — موج زن دریے پہ تھا دریائے نور
کاسۂ مہتاب تھا اس کا حباب — نور سے لبریز مثلِ آفتاب
روشنی کی جھار مچھ میں اس میں یوں — نکلی مرجاں نکلے ہے دریا میں جوں
دیکھ روشن اس میں کاغذ کے کنول — جل گئے پانی میں غیرت سے کنول
جنبش ہر شعلۂ شمع و چراغ — موج دریا کے تئیں کرتے ہیں داغ

منظر نگاری کی مثالیں ملاحظہ کیجیے:

بیچ میں جب اس کے چھٹتے تھے انار — نور کی سی لہر تھی فوارہ وار
ہاتھی آتش بازیوں کے چھٹتے جب — نور کوہ طور تھا نظروں میں تب
مور اس کے اس میں چھوٹے اس نمط — چھوٹتی ہیں جس طرح دریا میں لیط
پھلجھڑی بن پھول گل برسے انار — کرتے جاتے تھے طبق گل کے نثار
دیکھ کر اس وقت یہ سو بھی دلیل — ایسی ہی ہووے گی گلزار خلیل

آتش بازیوں کے مور، ہاتھیوں، لیطوں اور انار دں کے ساتھ موگرا، سیوتی، شبو، گلاب، اشرفی، نرگس اور گل لالہ بھی چھوٹتا تھا۔ جلوس میں شریک نغمہ سراؤں کا عالم دیکھیے:

جتنے تھے نغمہ سرا استاد تھے — سب ہنر لوک زباں پر یاد تھے
اس قدر شہنائی والے خوشنوا — جس کو کہیے لحن داؤدی ادا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تصویر کشتی اور منظر نگاری کے یہی ابتدائی نقوش گلزار ارم اور سحر البیان میں مزید نکھار کے ساتھ سامنے آتے ہیں۔ کہیں کہیں تشبیہات کی ندرت اور لطافت کا قابلِ داد ہے ؎

کشتیاں یوں تھیں جواہر کی رواں — جس طرح دریا میں تیریں کشتیاں
سبز فانوسوں کی اس میں یوں جھلک — جس طرح پانی پہ سبزے کی جھلک
رنگ کے شیشے نہ تھے اس میں دھرے — دل سیھوں کے تھے یہ عشرت سے بھرے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

رموز العارفین

مثنوی گلزار ارم اور سحر البیان میں تخیل کی بلند پروازیاں، فنی چابکدستیاں اور شاعرانہ نزاکتوں سے لطف اندوز ہونے والے مثنوی رموز العارفین میں اخلاقی موشگافیاں زہد و تقویٰ کی تعلیم صبر و قناعت کی تلقین اور ثواب دارین کی خواہش دیکھ کر چونک جاتے ہیں۔ رموز العارفین کی تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اپنی غفلت پر آنسو بہائیں، حق کو پہچانیں اور اسے پڑھ کر ثواب دارین حاصل کریں۔

محمود فاروقی صاحب لکھتے ہیں:

"رموز العارفین اسلئے لکھی گئی تھی کہ لوگ اسے پڑھ کر ان کے لئے دعا مغفرت کریں اور انہیں بزرگوں کے طفیل میں ثواب دارین حاصل ہو"[1]

یا اخلاقی حکایتوں اور عارفوں کے رمزوں سے بھرپور مثنوی کا نام بھی اس لئے رموز العارفین رکھا گیا۔ میر حسن کہتے ہیں:

عارفوں کی ہیں کہ رمزیں ہیں لکھیں　　نام اس کا ہے رموز العارفین

---

[1] میر حسن اور خاندان کے دوسرے شعراء، صـ ۱۰۹

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میر حسن کی شاعری کے رازہائے سربستہ کے رازداں اور اُن کی زندگی کے نشیب و فراز کے واقف کاروں کے لئے یہ مثنوی معمہ بن جاتی ہے گلزارِ ارم اور سحر البیان کا خالق رموز العارفین کا مصنف بھی ہو سکتا ہے تعجب کی بات ہے۔ خواجہ میر درد یا میر اثر اس کے خالق ہوتے تو قاری کو تعجب نہ ہوتا۔ میر نوازش علی کے محل کی بیگمات کے جھرمٹ میں زندگی بسر کرنے والا شاعر درویش عاقل، صاحب حال و نیک اعمال کی حکایت سنائے تو تعجب یقینی ہے۔ مگر میر حسن کی مایوسیوں اور مجبوریوں پر نگاہ ڈالنے سے یہ مشکل آسان ہو جائے گی۔

میر حسن ۱۱۷۵ھ اور ۱۱۸۰ھ کے درمیان فیض آباد پہنچے۔ میر نوازش علی کی سرکار میں خدمت کا موقع ملا، طبع عالی در ہمہ فن بلند دیکھ[1] کر میر حسن کو بڑی تسکین ہوئی اور سمجھے کہ صلاحیتوں کی بھرپور داد مل جائے گی۔ مگر خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ معاشی دقتیں بڑھتی رہیں۔ اسی زمانہ میں شجاع الدولہ کے انتقال نے بے ثباتی عالم کا بہترین ثبوت پیش کر دیا۔ فیض آباد کو دلہن بنانے والا اس کے حسن سے لطف اندوز ہونے سے پہلے موت کی گود میں پہنچ گیا نتیجہ یہ ہوا کہ گرفتار فکر معاش عارفوں کے رموز سے آگاہ ہو کر ملک درویشی کی بادشاہت کا طلبگار ہو گیا اور اس کی یہ تمنا رموز العارفین کے سانچے میں ڈھل کر اسی سال (۱۱۸۸ھ) عوام کے ہاتھوں میں پہنچ گئی۔

---

[1] تذکرہ شعرائے اردو میر حسن ص ۵۲

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جب بھرا اور معاقی سے یہ طشت — تھے ہزار و یک صد و ہشتاد و ہشت

مندرجہ ذیل اشعار میر حسن کی ناکامیوں کے مرقعے ہیں۔ فن شاعری سے بیزاری کے پردے میں شاعر کی وہ مادی ناکامیاں جھلک رہی ہیں جنھوں نے دنیا سے بیزاری کا سبق سکھایا۔

شاعری میں عمر میں نے کی تمام — میں نے عقبیٰ کا کیا ہرگز نہ کام
اپنی اس بیہودگی سے ہوں خجل — شعر کہنے سے بھرا ہے میرا دل
جی میں ہے جو وہ ہوئے ہیں نیک نام — کچھ لکھوں میں ان بزرگوں کا کلام
جس کے سننے سے ہو عقبیٰ کا حصول — کوئی دم تو جاؤں اس دنیا سے بھول

اس زمانے میں متصوفانہ زندگی اور شاعری عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔ لہٰذا رموز العارفین ہاتھوں ہاتھ لی گئی۔ تذکرہ شعرائے اردو میں منقول ہے:

رموز العارفین گفتہ است کہ مقبول دل ہا گردیدہ" [۲]

اس مقبولیت کا سلسلہ براہ راست فارسی کے اثرات اور معاشی حالات سے ملتا ہے۔

میر حسن کے سامنے مولانا روم کی مثنوی موجود تھی چنانچہ انہوں نے بھی وہی انداز اختیار کیا۔ انہوں نے رموز العارفین میں مثنوی معنوی کے جستہ جستہ اشعار نقل کئے ہیں۔ لیکن ان سے مثنوی کی ظاہری اور معنوی خوبیوں میں

---

[۲] تذکرہ شعرائے اردو میر حسن ص ۵۴

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔

مثنوی میں قصہ نہایت مختصر ہے۔ اسکو مختلف حکایتوں کے سہارے آگے بڑھایا گیا ہے ان میں چند حکایتوں کے عنوانات درج ذیل ہیں:۔

۱۔ حکایت درویش و مرد دنیادار۔

۲۔ حکایت ابراہیم ادہم

۳۔ ابراہیم ادہم اور پیرزن گریاں

۴۔ حکایت ابوالحسن قرقانی

۵۔ حکایت فریدالدین عطار

۶ مرد عارف یحییٰ

۷۔ حضرت جنید بغدادی

۸۔ طالوت و جالوت

دوسری مثنویوں کی طرح رموز العارفین بھی حمد باری تعالیٰ اور نعت سیدالمرسلین سے شروع ہوتی ہے۔

ہے سزاوار ثنا وہ کردگار — جس نے کی وحدت سے کثرت آشکار
ایک دانہ سے عیاں خرمن کیا — ایک شعلہ سے جہاں روشن کیا
ہے اسی کے نور کی ہر طرف سیر — کیا چراغ کعبہ و کیا شمع دیر

نعتیہ اشعار ملاحظہ کیجئے۔

مرتبہ اسکا یہاں تک ہے بلند — عقل کل کی واں نہیں لگتی کمند
شافع محشر ہے وہ خیر البشر — ہو درود اس پر اور اسکی آل پر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

وہ جو پیرو اسکے ہیں اور دوستدار　　چار یار و چار یار و چار یار

ان کا میں مداح ہوں یا ذوالجلال　　پنجتن کے فضل سے کر دے نہال

نعت کے تیسرے شعر کے دوسرے مصرع میں 'چار یار و چار یار و چار یار' دیکھ کر ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی صاحب کو میر حسن کے عقیدے کے متعلق غلط فہمی ہو گئی فرماتے ہیں :

"یا تو میر حسن شیعہ نہیں تھے یا اپنے عقیدے میں شدید نہ تھے"

ڈاکٹر صاحب مذکورہ بالا مصرع کو خلفائے راشدین کی تعریف خیال کرتے ہیں غالباً اسی لئے غلط فہمی کا شکار ہو گئے۔ حالانکہ اس مصرعہ کی تین بار تکرار بارہ اماموں کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

میر حسن نے مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات میں اپنی خواہشات بیان کی ہیں۔ اس کے بعد قصہ کی ابتداء ہوتی ہے :

کسی زمانہ میں ایک درویش تھے جنھوں نے دنیاوی عیش و عشرت سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ انھیں اس حال میں دیکھ کر ایک دنیا دار نے سوال کیا۔

یعنی اے حضرت بتا دے مجھ کو تم　　جا گئے جیتے ہوئے دنیا سے گم

حق نے یہ دنیا جو کی ہے کس لئے　　اس سے سب لذت اٹھا دیں اسلئے

نعمتیں جو حق نے کی ہیں آشکار　　چیوں کھا دیں انکو جو ہیں ہشیار

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بندگی کر رکھ شریعت میں قدم — دین کر دنیا میں حاصل دم بدم
ہے سوال اپنا یہ اے عالی جناب — دے حقیقت کے مزے کا کچھ جواب
کیا مزہ اس میں ہے کیا رنگ ہے — بارے اس عالم میں کیا ڈھنگ ہے

دنیادار کا سوال سُنکر درویش جواب دیتا ہے۔

یعنی سُن اس بات کو یار عزیز — اپنے دل میں اٹک سمجھ گر ہے تمیز
شرع کے معنی حقیقت تو نہیں — پر کہاں یہ فہم ہر اک کے تئیں
فی الحقیقت در حقیقت کا بیان — میں کہوں تو کیا کہوں اے مہرباں
تلخ یا شیریں مزہ ہو تو کہوں — یہ حقیقت ہے یہاں چپ ہی رہوں

شرع اور حقیقت میں اختلاف بتلاتے ہوئے مرد کامل نے دنیادار کو بتایا کہ ہر شخص اس فرق کو نہیں سمجھ سکتا اور آسانی کے لئے حکایت بر سبیل تمثیل بیان کی:

خوش تراں باشد کہ سر دلبراں — گفتہ آید در حدیث دیگراں!
اک محلہ میں تھیں کتنی لڑکیاں — کھیل میں باہم وہ سب تھیں رہتیاں
گڑیا کھیلا کرتی تھیں آپس میں وہ — تھیں بہم اس بات پر ہم قسمیں وہ
یعنی ہم میں سے پیا ہی جائے جو! — کھیل کی باتوں سے وہ غافل نہ ہو

کچھ دنوں بعد ان میں سے ایک لڑکی کی شادی ہوگئی۔ وصل محبوب سے شاد کام ہوتے ہی اس کا عالم ہی اور ہوگیا۔ گڑیوں سے دلچسپی کے بجائے مستی اور تیل سے شغف کرنے لگی۔ اس تبدیلی کو دیکھ کر ایک سہیلی نے شکایت کی اور بچپن کے قول و قرار یاد دلائے۔ اس نے جواب دیا کہ شادی کے بعد سے میری طبیعت گڑیوں کے کھیل میں نہیں لگتی۔ مزید استفسار پر جواب

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دیا کہ :

تلخ و شیریں ہو تو بولوں ماجرا — جیبھ پر اس کا نہیں آتا مزا
بات ہے باہر بیاں سے اسکی تو — جی ہی جلتے ہے یہاں پر گو مگو
بیاہ جیتے ہی تمہارا ہووے گا — تب مزہ معلوم سارا ہووے گا
تم بھی تب یہ کھیل کھولو گی تمام — اور ہی کچھ کھیل ہوگا والسلام

درویش اس تمثیل کو پیش کر کے مرد دنیادار کو خبردار کرتا ہے .

اصل کو پہچان لے تو نقل سے — کر ذرا دریافت اسکو عقل سے

یعنی جس طرح شادی کے بعد لڑکیاں مجازی کھیل تماشوں سے کنارہ کش ہو جاتی ہیں . بالکل اسی طرح خدا سے لو لگانے کے بعد عارف دنیا کی تمام دلفریبیوں اور دلربائیوں سے الگ ہو جاتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ "شادی" یا "وصل" محبوب ہو کیسے ؟

جب مجازی کا نہ ہو یار دبیاں — پھر حقیقت کس طرح ہو عیاں
گو مثل یہ ہے مجازی اے عزیز — پر حقیقت کو نہیں سے کر تمیز
جا مجازی میں قدم پہلے تو رکھ — پھر حقیقت کا مزہ من بعد چکھ
جانتوں سے پہلے اپنا دل لگا — دیکھ تو کرتا ہے پھر کیا کچھ خدا
پہلے ان کی دیکھ لے تحریر یاں — تا کہ ہو دیں ظاہر ان کی خوبیاں
بے وفائی ان کی جب ہو آشکار — ان گلوں سے تیر ادوں ہو خار خار
پھر سمجھ تو کچھ کہ دنیا کچھ نہیں — گر ہے سب کچھ پر یا کچھ نہیں

مجاز سے حقیقت تک پہنچنے کا جو نظریہ پیش کیا گیا ہے اس میں کوئی جدت

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

یا ندرت نہیں پائی جاتی عشق حقیقی کا یہ تصور اس دور میں بین ملکی حیثیت رکھتا تھا۔ عام لوگ بھی اس تصوراتی حقیقت سے آگاہ تھے۔ کہ بتوں سے دل لگانے میں مایوسیوں اور ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بیوفائی اور سرد مہری رنگ لاتی ہے عاشق برگشتہ ہو کر محبوب حقیقی کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور پھر اسے محبوب مجازی کی پرواہ نہیں رہتی۔

اس تمثیل کے بعد دوسری چھوٹی چھوٹی حکایتوں کے سہارے اپنے مقصد کو واضح کرتے ہیں۔ تمام حکایتوں میں میر حسن براہیم ادہم سے زیادہ متاثر معلوم ہوتے ہیں اس کے باوجود اشعار میں اثر پیدا نہیں پائی جاتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میر حسن شاعر تھے۔ وہ بھی غزل اور مثنوی کے جہاں واردات حسن و عشق کی تفسیر، نفسیاتی نزاکتوں اور پیچیدگیوں کی تصویر ہی نہیں مناظر فطرت کے جیتے جاگتے مرقعے بھی پائے جاتے ہیں۔ غم جاناں اور غم دنیا نے عالم آب و گل سے بد دل کر کے دامن معرفت تک پہنچا دیا لیکن دل و نگاہ مسلمان نہ ہونے کی وجہ سے عارف کامل کی خصوصیات نہ پیدا ہو سکیں۔ چنانچہ رموز العارفین میں تصوف کا بے جوڑ جامہ روحانیت کا سوانگ بن گیا۔ میر حسن فاضل عالم دین یا صوفی کامل ہوتے تو محرومیاں قلب مضطر کو صیقل کر کے آئینہ بنا دیتیں جس کی چمک اشعار سے ہوتی ہوئی دلوں کو روشن کر جاتی۔ اور قاری تخیل کی بلند پروازی اور جذبات کی رعنائیوں میں کھو کر بے اختیارانہ اس عالم میں پہنچ جاتا جہاں میر حسن پہنچانا چاہتے تھے۔ مثنوی رموز العارفین کی ناکامی کی خاص وجہ شدت جذبات کی کمی اور ناصحانہ انداز بیان کی بہتات ہے۔ خلوص کی کمی نے آمد و برجستگی کا کلا گھونٹ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دیا۔ اس کے علاوہ چند بنیادی خرابیاں بھی پائی جاتی ہیں:

مرد دنیادار نے درویش کامل سے جیتے جاگتے ہوئے دنیا سے گم ہو جانے کی وجہ دریافت کی تھی۔ اس نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں طرح طرح کی نعمتیں اس لئے پیدا کی ہیں کہ لوگ شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے اس طرح لطف اندوز ہوں کہ دین کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔ ناری یہ سمجھتا ہے کہ اس کے بعد میر حسن جواب دیتے ہوئے بندگی، شریعت اور حقیقت کے پردے اٹھائیں گے لیکن اس کے بعد ہی مجاز کی سطحی بحث آجاتی ہے جس کا مذکورہ سوالات سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر ہے بھی تو اسے غیر فطری انداز میں پیش کیا گیا، جس کو قبول کرنے سے دل و دماغ انکار کرتے ہیں۔

رموز العارفین کی حکایتوں اور تمثیلوں میں تسلسل نہیں پایا جاتا۔ بیچ بیچ سے جتنی حکایتیں چاہئے نکال دیجئے۔ مثنوی کی خامیوں اور خوبیوں پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اس بے ترتیبی نے مجموعی تاثر ختم کر دیا۔ قدیم اردو داستانوں اور مثنویوں میں تمثیل در تمثیل اور قصہ در قصہ بیان کرنے کا رواج عام تھا۔ میر حسن طریقہ راسخہ قدما سے سر مو آگے نہ بڑھ سکے۔

زبان اور بیان میں بھی وہ پختگی اور روانی نہیں پائی جاتی جس کی بنا پر اس مثنوی کی عزت و وقعت میں اضافہ ہو جاتا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کلیات میر حسن میں گیارہ مثنویاں پائی جاتی ہیں جن میں رموز العارفین کے علاوہ کوئی دوسری صوفیانہ مثنوی نہیں ہے" مجموعہ سخن" حصہ اول مطبوعہ نول کشور پریس ۱۸۸۰ء میں چار مثنویاں میر حسن کے نام سے درج ہیں۔ سرورق پر مندرجہ ذیل عبارت منقول ہے:

مجموعہ سخن حصہ اوّل

مشتمل بہ کلام شعرائے متقدمین و سخنوران متاخرین حصہ اوّل

شعر و تذکرہ شعراء

حسب ایماء

جناب کالن اے۔ آر۔ براؤننگ

کتاب میں ناسخ، رند اور مصحفی وغیرہ کے اشعار اور سحر البیان کی حمد کے نو اشعار دیئے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد عنوانات کے تحت چار مثنویاں درج ہیں کتاب کے آخر میں تمام شعراء کے حالات زندگی اور شاعری پر تبصرہ ہے۔ میر غلام حسن کے متعلق دوسرے تمام تذکروں سے بہتر اور مفصل لکھا ہے۔

مثنویوں کے عنوانات حسب ذیل ہیں:

۱۔ بے سمجھی ہوئی بات کا انجام

۲۔ نصایح دلپذیر بہ فرزند سعادت خمیر

۳۔ زمانے کی شکایت اور صبر کی ہدایت

۴۔ عیب دور کرنا مقدم ہے ہنر سیکھنے سے

مجموعہ سخن حصہ اوّل کے شروع میں سحر البیان کی حمد کے اشعار اور

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

آخر میں زندگی کے مفصل حالات نہ ہوتے تو اُن چھوٹی چھوٹی حکایتوں کو الحاقی سمجھ کر اظہار خیال کرنا بھی مناسب نہ سمجھا جاتا۔ کیونکہ ان میں مبصرین کے فکر و فن کی کہیں ذرا سی بھی جھلک نہیں پائی جاتی۔

"پہلی مثنوی" بے سمجھی ہوئی بات کا انجام

(ایک بہرے کی حکایت ہے)

ایک شخص نے کسی بہرے سے کہا کہ میرا ہمسایہ بہت بیمار ہے مروّت اور محبت کا تقاضا ہے کہ تم بھی اس کی عیادت کو چلو۔ بہرے نے اپنی فطری کمزوری کا خیال کرتے ہوئے وہاں جانا مناسب نہ خیال کیا مگر یہ سوچ کر تیار ہو گیا کہ۔

لیک، جانا ہے عیادت کو بجا — تا رہے باقی نہ شکوہ اور گلہ
بات کا میری جو کچھ دیگا جواب — میں قیاس اس کا کرونگا بے صواب
جب کہوں گا اس سے کیونکر ہے مزاج — وہ کہیگا مجھ کو ہے تخفیف آج
میں کہونگا شکر ہے اللہ کا — پھر یہ پوچھونگا کہ کھانا تو نے کیا
وہ کہیگا دال مونگ اے ہوشیار — میں کہونگا ہو وہ تجھکو خوشگوار [1]

---

[1] مجموعہ سخن حصہ اول سبحان اللہ کلکشن مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

امید کے خلاف مریض کی حالت نازک تھی، حسب فیصلہ بہرے نے بیمار سے حال دریافت کیا طبیعت زیادہ خراب ہونے کی وجہ سے بیمار نے کراہتے ہوئے اپنی پوری کیفیت بیان کردی جس کے جواب میں بہرے نے بلند آواز سے اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے کھانے کے متعلق دریافت کیا۔ مریض نے تلخ ترین دوائی پی تھی۔ بہرے نے "خوشگوار" ہونے کی دعا دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بیمار بہرے کی بیوقوفی پر جھنجھلایا اور بہرے کو مفت میں خفت اٹھانی پڑی۔ بے سمجھی ہوئی بات کا عام طور پر یہی انجام ہوتا ہے۔ بہرے نے اپنی فطری کمزوری کی وجہ سے خفت اٹھائی۔ لوگ بیوقوفی سے آئے دن شرمندہ ہوتے رہتے ہیں۔ اس مثنوی میں تعلیم دی گئی ہے کہ کسی بات کا جواب دینے سے پہلے غور و فکر ضروری ہے۔ درسی مثنویوں کی صف میں رکھ کر "بے سمجھی ہوئی بات کا انجام" کی جہاں تک تعریف کی جائے کم ہے۔ بچوں کی ابتدائی درسی نصاب میں ایسی نظمیں ہونی چاہئیں۔ مگر ادبی حیثیت سے اسکا کوئی مقام نہیں۔ گلزار ارم اور سحر البیان سے میر حسن کو زندگی ملی۔ اور یہ مثنویاں میر حسن کے نام پر زندہ ہیں۔

دوسری مثنوی "نصایح دلپذیر بہ فرزند سعادت خمیر"

ہے اس میں فرزند سعید کو مخاطب
کر کے تحصیل علم کی تلقین اور آداب کی تعلیم دیتے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اے میرے فرزند دلبند و سعید — حق تجھے دے عمر اور دولت عزیز
علم کی تحصیل پہ کر دل کو رجوع — پہلے کر آداب کا نسخہ شروع
بعد اسکے پڑھ تو علم صرف و نحو — لے سبق جتنا نہ کر تو اس کو محو
چھوڑ غفلت وقت بازی کا نہیں — پھر نہ پائیگا تو وقت ایسا کہیں
کر بزرگی سیکھ کر تو اپنا نام — میری فرزندی نہ کچھ آویگی کام

بزرگی حاصل کر کے نام پیدا کرنے کے لئے تحصیل علم کے ساتھ تعلیم آداب بھی ضروری ہے۔

ہو الف سال آئے جب تیرا بڑا — مثل یا مت اس کے آگے رہ پڑا
باپ ہو یا ماں ہو یا ہو خال و عم — کر ادب سے سب کے آگے پشت خم
گھر میں جب آوے تو رکھ نیچی نگاہ — نیک بختوں کی یہی ہے رسم و راہ
سر جھکا کر شرم سے چل مثل دال — صاد سا آنکھہ اپنی پشت پا پہ ڈال
اور تبسم میں نہ دانت اپنے دکھا — ہو نہ ہرگز سین سا دنداں نما
اور نہ رکھ فکر جہاں سے دل دونیم — بند مت رکھ دل کا غنچہ مثل میم
فکر دنیا میں نہ رہنا ریش گاؤ — ہے نہیں عقبیٰ کو دنیا سے لگاؤ

فرزند سعادت مند اپنے فرائض کو کبھی فراموش نہیں کرتا۔ یاد الٰہی کے ساتھ خاندان کی ترقی کا خیال بھی ضروری ہوتا ہے۔

ہوں تیرے جس وقت بھائی ہوشیار — انکو بھی تعلیم کر اے بختیار
نیک رہ انکو بھی رہ پر لاویگا — میرے جیتے کا نہیں کچھ آسرا

لیکن جب تک ہاتھ پاؤں جواب نہیں دیتے اس وقت تک جستجو کا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ماب نیند نہیں کرو لگا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تیرے حال پر رحم کرے جس طرح میری زندگی عزت و آبرو سے کٹ گئی اسی طرح تمام لوگ بھی باعزت زندگی گزارو۔

تیسری مثنوی زمانے کی شکایت اور صبر کی ہدایت

ایک فلک رسیدہ عرب کی بیوی جو آئے دن مصیبتوں پریشانیوں اور فقر و فاقہ کی زندگی سے تنگ آ گئی تھی۔ ایک رات اپنے شوہر کے پاس گئی اور اپنی مسلسل پریشانیوں پر آنسو بہاتی ہوئی بولی۔

کھینچتے ہیں ہم بہت رنج و بلا — سب ہیں خوش اور ہم ہیں غم میں مبتلا
فقر و فاقہ سے ہوا ہے جی بتنگ — اپنی درویشی سے درویشوں کو ننگ
نان کی جا گہ غذا اپنی ہے درد — پانی کی جا اشک ہے اور آہ سرد
دن کو ہے پوشاک تاب آفتاب — شب نہالی اور بچھونا آفتاب
قرص مہ ہے حق میں اپنے قرص نان — ہیں ستارے بیضہ ہائے ماکیان

شوہر نے جواب دیا کہ عمر کا بڑا حصہ گزر چکا ہے چند دن اور باقی ہیں وہ بھی کسی نہ کسی طرح گزر جائیں گے اس عمر میں انسان کو حب مال و جاہ کی طرف نہیں مائل ہونا چاہیئے۔ کیونکہ:

صاف دیتیرہ دونوں جائیں گے گزر — بے لقا ہیں مت کرا ان پر تو نظر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دیکھ دنیا میں ہزاروں جانور عیش و عشرت میں ہیں بے کسب و ہنر
حمد کرتی ہے خدا کی عندلیب غیب سے وہ رزق پاتی ہے عجیب

انسان کو دنیاوی سکون اور اطمینان کے لئے دیوانہ نہیں ہونا چاہیئے نفس کو کبھی اطمینان حاصل نہیں ہوتا ہمہ وقت مال و دولت اور جاہ و حشمت کا خیال لگا رہتا ہے پوری زندگی اسی ہوس میں گزر جاتی ہے۔

اس مثنوی میں نفس انسان کو "زن عرب" سے تشبیہ دی گئی ہے جس طرح عرب اپنی بیوی کی شکایتوں کی پرواہ کئے بغیر راہ حقیقت پر گامزن رہا۔ بالکل اسی طرح ہمکو گوں کو نفس کی شکایت کا خیال نہیں کرنا چاہیئے۔

مثنوی رموز العارفین میں ایسی بہت سی حکایتیں درج ہیں زبان و بیان کا جو انداز ان ناصحانہ حکایتوں کا طرّہ امتیاز ہے وہی اس مثنوی کی بھی خصوصیت ہے۔ ان مثنویوں میں شاعرانہ بانکپن کی تلاش و جستجو بیکار ہے۔ زبان سلیس اور بامحاورہ ہے مگر تقریر کی لذت سے ناآشنا انداز بیان سادہ ہے مگر سادگی میں پرکاری نہیں پائی جاتی۔ نصایح دلپذیر بہ فرزند سعادت خمیر کے علاوہ اگر تینوں مثنویوں کو رموز العارفین میں شامل کر دیا جائے تو پڑھنے والے کو کبھی شبہ نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کی ناصحانہ مثنویوں میں عام طور پر یہی انداز بیان پایا جاتا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

چوتھی مثنوی "عجیب دور کرنا مقدم ہے ہنر سیکھنے سے"

اس چھوٹی سی حکایت میں نہ بے سوچی سمجھی بات کا انجام دکھایا گیا ہے اور نہ فرزند سعادت حمیر کو آداب کا نسخہ سکھایا گیا ہے۔ نہ ستمگر کی شکایت ہے اور صبر کی حکایت۔ لیکن اس کے باوجود مقصد وہی ہے۔ جو دوسری مثنویوں میں آپ کے سامنے آچکا ہے۔ روم اور چین کے فنکار اپنی اپنی صلاحیتوں پر نازاں تھے۔ شاہ کامران نے دونوں کی فنی صلاحیتوں کو پرکھنے کے لئے ایک ایک دیوار عطا کر دی ہے بیچ میں پردہ لگا دیا۔ تاکہ دونوں اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کریں۔

چینیوں نے رنگ مانگے بار بار — دے دیا شہ نے خزانہ بے شمار
رومیوں نے کچھ کیا نقش اور نہ رنگ — دور کرتے تھے فقط چہرے سے رنگ
ہو گئے مصروف صیقل میں فقط — سادہ اور شفاف گردوں کی سطح
سارے رنگوں کی ہے بے رنگی میں[1] — رنگ اگر ہے ابر بے رنگی ہے ماہ
ابر کے اندر جو کچھ ہے نور و ناب — ہے وہ نور آفتاب و ماہتاب
کر کے صد ہا رنگ کے نقش و نگار — رہ گیا حیران و ششدر ایکیا رسان

چینیوں کی صلاحیتیں دیکھ کر بادشاہ حیران ہو گیا۔ پردہ ہٹایا گیا تو وہی

---

[1] مجموعہ سخن حصہ اوّل سبحان اللہ کلکشن مسلم یونیورسٹی مطبوعہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

وہی تصویر زیادہ چمک و دمک کے ساتھ نظر آئی فیصلہ ہوا کہ نقش و رنگ سے وہ بات نہیں پیدا کی جا سکتی جو صرف زنگ دور کرنے سے ہو جاتی ہے صوفیائے کرام کی مثال روشنیوں جیسی ہے جو ہمہ وقت صفائی قلب میں مصروف رہتے ہیں اور ایک ایسا وقت آتا ہے جب دل کے نہاں خانوں سے برائیوں کا زنگ دور ہو جاتا ہے اور قلب انسانی ماہ تاباں بن کر چمکنے لگتا ہے اور اس روشنی سے ہزاروں تاریک دل منور ہو جاتے ہیں ایسے لوگوں کا ساتھ با برکت ہوتا ہے۔

عارفانہ مضامین ہوں یا عاشقانہ خیالات ہر جگہ شاعرانہ جدت اور سچ کا ثبوت دیا جا سکتا ہے لیکن ہر موضوع شاعر سے فنکارانہ صلاحیتوں کے علاوہ فریفتگی، دلبرانگی اور سنجیدگی کا مطالبہ کرتا ہے۔ میر حسن کی صوفیانہ مثنویوں میں سنجیدگی اور سادگی پائی جاتی ہے مگر موضوع کے ساتھ فریفتگی کا وہ عالم نہیں جس کی بناء پر مثنوی سحر البیان میں ہزاروں گل بوٹے بنائے ہیں۔

میاں خوب محمد چشتی کی مثنوی "خوب ترنگ" اردوئے قدیم کا ایک نمائندہ مثال کہا جا سکتا ہے۔ مثنوی مثنوی کی طرح اس میں بھی چھوٹے چھوٹے اخلاقی قصوں کے ذریعہ مطالب کو واضح کیا گیا ہے۔ میر حسن نے مثنوی رموز السارفین میں یہی انداز اختیار کیا ہے مثنوی خوب ترنگ کی مختلف قصوں میں "حکایت صفائی دل" کافی مشہور ہے۔ اس میں صفائی قلب کی تمثیل کے طور پر ایک قصہ بیان کیا گیا ہے جس کے متعلق پروفیسر عبدالقادر سروری صاحب فرماتے ہیں۔

"اس میں صفائی قلب کی تمثیل کے طور پر ایک

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

قصہ بیان کیا گیا ہے کہ چین میں ایک گروہ نقاشوں کا ایسا باکمال تھا کہ اڑتے ہوئے مور کا نقش بھی کھینچ دیتا تھا۔ وہاں اتفاق سے ایک گروہ مصوروں کا پہنچ گیا اس نے اپنے کمال کا دعویٰ کیا۔ آخر طے پایا کہ بادشاہ کے پاس جا کر اس کا تصفیہ کرائیں۔ بادشاہ نے انھیں حکم دیا کہ دو دیواروں پر اپنا اپنا کمال دکھائیں۔ درمیان میں ایک پردہ باندھ دیا گیا۔

چین کے نقاشوں نے جتنے رنگ تھے سب ختم کر دیئے اور ایسی تصویر بنائی کہ وہم و خیال میں کبھی نہ آسکے۔ پردیسیوں نے جب دیکھا کہ ان کے لئے کوئی رنگ نہیں چھوٹا ہے تو انھوں نے یہ طے کیا کہ ہم سب مل کر رات دن دیوار کو صاف کریں کہ آئینہ ہو جائے۔ وعدہ کے روز جب بیچ سے پردہ ہٹایا گیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ جو تصویر وہاں تھی وہی یہاں بھی ہے[1] مثنوی کے اشعار ملاحظہ کیجئے ؎

---

[1] اردو مثنوی کا ارتقاء، پروفیسر عبدالقادر سروری ص ۲۷، ۲۸

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

"حکایت صفائی دل" [1]

چین مہین چنار ی جان — چترین مور سواوتے آن
تہنہ کینک چناروں ادر — دعوی کیا سو آتش سھور
کھیا بادشاہ کن چل جائیں — لکھ پاتی پر نقش دکھائیں
گئے سلطان کنیں سب چل — آ سلطانیں دیا محل
دونہ لوٹلہ چل کیا سلام — ہور یہ کیتا عرض تمام
حکم بادشاہ کا جو پائیں — چتر سار کچھ کر دکھلائیں
ہوا بادشاہ کا فرمان — دیتا دونہ لوٹلوں کو مان
کھیا کہ جا کر کرو اتاں — انہیں سانہیں دو دوال
دونہ لوٹلہ چترین دونہ ٹھانہ — دونہ پردے باندھیں ہیچ آنہ
جب لگ کام ادھورا ہوئے — تب لگ ان کن جائے نہ کوئے

سہد لیے چناروں آئے — چین مہین یوں رنگ ملائے
رنگ آمیز کیا اس بھیکہ — رنگ بھر اگئی سیپ سو دیکھ
گگن پھرے دہر یہ من کھانت — ہرات رنگ سیکھے اور بھانت
سبھی زمانہ سیکھیا رنگ — نوے نوے دکھلاوے ڈھنگ

---

[1] اردو مثنوی کا ارتقاء پر ڈاکٹر عبدالقادر سروری ص ۲۸

مہین = میں — اڑتے = اڑتے — دونہ = دونوں — لوٹلوں = لوٹلیوں — مان = عزت
سانہیں = سامنے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ایسے بھانتی رنگ ملائے　　پری رنگوں منہ چتر دکھائے
چتری بیچ جھلکتے نینبے　　ہوئے اجالا جس تے عین
صورت اس اس بھانت کی تھائیں　　جہاں دہم کے پاؤں بندھائیں
تنہ پردیسی تھے آئے　　رنگ تنہوں کوں کچھ نہ پائے
ان ساروں مل کیا بچار　　کہا پن کیا کریں اسٹھار
یہ ساروں پر تھے بیبات　　اپن کریں یوں دن ہور رات
کہوت جھلکتی کہ یں دوال　　جیوں آرسی سنہ ہووے اجال
دیس دعدے کا تھا جب　　محل دیا سلطان تب
بلا چنیاری آئیں کھانہ　　دور کسی پردے اک خانہ
سب حیرت منہ ہوئے سو دیکھ　　وہ نہ سوں چتر یا اک بھیکھ

مراق المثنوی دفتر اوّل میں یہی حکایت پائی جاتی ہے۔ خوب محمد چشتی اور میر حسن نے اسی فارسی حکایت کو دکنی شمالی ہندوستان کی زبان میں ترجمہ کیا۔

فارسی مثنوی یوں ہے:

= مقابلہ چینیاں و رومیاں در صنعت نقاشی =

چنیاں گفتند ما نقاش تر　　رومیاں گفتند ما را کر و فر

منہ = میں ـــ تنہوں = انہوں ـــ اسٹھار = اس ـــ ساروں = سب ـــ پرتھے = سوچ کرتا = گھونٹ ـــ سنہ = میں ـــ دیس = دن ـــ دیبیا = دیا ـــ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

گفت سلطان امتحاں خواہم دریں — کز شما خود کیست در دعوی امیں
چنیاں گفتند ما خدمت کنیم — رومیاں گفتند در حکمت تنیم
اہل چین و روم در بحث آمدند — رومیاں در علم واقف تر بدند
چنیاں گفتند یک خانہ بما — خانہ بپارید نیک آن شما
بود دو خانہ مقابل در بدر — زاں یکے چینی ستد رومی دگر
چنیاں صد رنگ از شہ خواستند — پس خزانہ باز کرد آں ارجمند
ہر صباحے از خزینہ رنگہا — چنیاں را دادہ بود و عطا
رومیاں گفتند نے نقش و نہ رنگ — در فرو آید کار را جز دفع زنگ
در فرو بستند و صیقل میزدند — ہمچو گردوں سادہ و صافی شدند
چنیاں چوں از عمل فارغ شدند — از پئے شادی دہلیا میزدند
شہ در آمد دید آں جا نقشہا — می ربود آں عقل را و فہم را
بعد از آں آمد بسوئے رومیاں — پردہ را بالا کشید ند ارمیاں
عکس آں تصویر و آں کردارہا — زد بر آں صافی شدہ دیوارہا
ہر چہ آں جا بود اینجا بہ نمود — دیدہ را از دیدہ خانہ میربود
رومیاں آں صوفیاں اند البصر — بے ز تکرار کتاب و بے ہنر
لیک صیقل کردہ اند آں سینہا — پاک از حرص و بخل و کینہا۔
آں صفائے آئینہ وصف دل است — صورت بے منتہا را قابل است
اہل صیقل رستہ اند از بود و رنگ — ہر دو بینند خوبی بے درنگ
نقش دفتر علم را بگذاشتند — رایت عین الیقیں افراشتند

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

رفت فکر و روشنائی یافتند بحر و بر را آشنائی یافتند[1]

گلزارِ ارم[2]

مثنوی گلزارِ ارم ۱۱۹۲ھ کی تصنیف ہے[1]

زبس وصف گل و گلشن بہم ہے سو اس کا نام گلزارِ ارم ہے

سحر البیان کے بعد یہ دوسری مثنوی ہے جسکو الماریوں کے عیاں خانوں کے بجائے دل کے نہاں خانوں میں جگہ دی گئی۔ شعور کی پختگی، فنی کہنہ مشقی، بھرپور جذبات نگاری، لازوال واقعہ نگاری اور بے مثال کردار نگاری کے لحاظ سے اگر سحر البیان کو اردو کی معیاری مثنوی کہا جا سکتا ہے تو گلزارِ ارم کو بھی کچھ کم درجہ نہیں ملنا چاہیئے۔ یہاں سے میر حسن کا فن ارتقاء کی آخری حدیں چھو کر حیات جاوید حاصل کرتا ہے یہ مثنوی دلی سے فیض آباد کے سفر کے دوران شروع ہوئی اسی لئے دلی کا گلشن اور فیض آباد کا ساتھ شاہ مدار مکن پوری کی جھونپڑی کا بھی ذکر آ گیا ہے موضوع کے لحاظ سے یہ اضافہ قابل ستائش نہیں معلوم ہوتا لیکن مجموعی تاثر کو دیکھ کر یہ اضافہ قابل تعریف

---

[1] مرآت المثنوی دفتر اول از تلمذ حسین

[2] میر حسن نے گلزارِ ارم "ذ" سے لکھا ہے اسی طرح سالِ تصنیف صحیح برآمد ہوتا ہے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہو جاتا ہے۔

میر حسن جانتے تھے کہ سفر کے بیان میں "صید گرفتار" دل مضطر کا حال بیان کرنے جذبے اور احساس کے نقوش اُجاگر کر سکتا ہے مگر غریب الوطنی کی اس داستان میں یکسانیت کی وجہ سے انسانی جذبات و خیالات کے مختلف موڑ اور اُن کے اتار چڑھاؤ کی عکاسی نہیں کی جا سکتی۔ غالباً اسی لئے میر حسن نے ڈگ سے ساتھ چلتی ہوئی شاہ مدار تکن پوری کی چھڑی میں شریک "مہوشان دہر" کی عشوہ طرازیوں اور اٹکھیلیوں کا بھی تفصیلی جائزہ لے لیا۔ سفر کے آشناؤں میں سے ایک کا دل کسی رشک پری کے مدھ بھرے جوبن پر آگیا تو "دل درد آشنا" اس کے غم میں مثال شمع سر دھنتا اور آنسو بہاتا رہا۔ "قافلہ منزل مقصود پر پہنچ کر دوسری سمت مڑنے والا ہے۔

یہ دھڑکا تھا کہ اب ہوویں گے راہی — یہ کشتی یاں دکھاوے گی تباہی
سحر ہو ویں گے اس گنگا سے ہم پار — یوں ہی رہ جائے گا دل اپنا جی مار

میر حسن نے جدت طبع سے ضمناً موضوع کی وحدت میں کثرت پیدا کر لی اس طرح مثنوی گلزار ارم "سحر البیان کا نقش اوّل بن گئی۔

حمد، نعت اور منقبت سے الگ ہٹ کر گلزار ارم کو تین حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ دہلی سے لکھنؤ کے سفر کا حال
۲۔ لکھنؤ کی ہجو۔
۳۔ فیض آباد کی تعریف۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پہلے حصہ میں سفر کا حال نظم کرتے ہوئے اتفاقاً اس بت کا ذکر جمیل بھی کر گئے ہیں جس کے درد کو دل میں چھپائے، منزلیں طے کرتے رہے۔ مگر ہر ہر قدم پر دل ساتھ چھوڑتا جا رہا تھا۔ اور قوت برداشت جواب دے رہی تھی۔ یاد جاناں آتے ہی دل جرس کارواں کی طرح فریاد کرنے لگتا تھا۔

ہوا آوارہ ہندوستاں جب سے — قضا پورب میں لائی مجھ کو تب سے
لگا تھا ایک بت سے واں میرا دل — ہوئی اس کی جدائی سخت مشکل
میری آنکھوں میں وہ صورت کھڑی تھی — پیالی میں وہ چینی سی جڑی تھی۔
اگرچہ واں سے میں آنے کو آیا — مگر اس کی جدائی نے ستایا
چلا گاڑی میں یوں میں جا و ناجار — قفس میں جس طرح صید دل افگار
غرض کرنے کو کی قطع منازل — ولے ہر ہر قدم رہتا گیا دل
جب اس کی بات آجاتی ہے کچھ یاد — جرس کی طرح کرتا ہوں میں فریاد
بہانہ رکھ جدائی کا وطن کی — میں رو رو ندیاں کرتا تھا تن کی
ہرا ایک میدان تھا اس اشک سے گل — کٹی برسات میں وہ اپنی منزل
کسی رہ میں نظر پڑتا تھا جب باغ — میں اپنے دل کے لگتا دیکھنے داغ

دلی کیا چھوٹی زندگی نے ساتھ چھوڑ دیا۔ میر حسن نقش قدم کی طرح پامال ہو گئے۔ منزلیں طے ہو گئیں، مگر دل بے اختیار پر اختیار نہ حاصل نہ ہو سکا۔ بھری برسات آنسو بہاتے اور داغ دل کی سیر کرتے بیت گئی یہاں تک کہ ڈیگ (بھرت پور) پہنچ گئے۔ سکون پھر بھی نہ مل سکا۔ کئی ماہ کے بعد وہاں سے بھی رضائے حق کے بموجب رختِ سفر باندھنے پر مجبور ہو گئے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

قافلہ پورب کی طرف روانہ ہوا۔ اتفاقاً شاہ مدار مکن پوری کی چھڑی کا ساتھ ہو گیا۔ میر حسن، میر سیف اللہ اور اُن کے بھائی نور اللہ کے ساتھ اس قافلے میں شریک ہو گئے۔

مدار اس قافلہ کا تھا چھڑی پہ — چلے ہم واں سے چھڑیوں کے ساتھ ملکر
زلیس مبہوت کا اکثر تھا عالم — عجائب محو شان تھیں اس میں باہم
کوئی پردے سے تھی چہرہ دکھاتی — کوئی آواز کچھ گا کر سناتی
کوئی جلتی اتر اٹکھیلیوں سے — کوئی بیٹھی ہی جی لیتی دلوں سے
جہاں ملتا کوئی پانی کا منبع — وہاں ہوتا پریزادوں کا مجمع
کوئی لیتا مٹھائی اور کوئی پان — کوئی جاتا کسی کے پاس انجان
کوئی آنچل سے اپنا منہ چھپاتی — کوئی پردہ اٹھاتی اور گراتی
کوئی شربت کوئی ساتو بناتا — کسی کو کوئی حقہ ہی پلاتا
کہیں بیٹھا کوئی کوئی پڑا تھا — کسی کا منتظر کوئی کھڑا تھا
پریزادوں میں تھے باہم اشارات — ہر ایک چوکی تھی واں تخت طلسمات

پریزادوں کے اشارات کے حسین مرقعے پیش کرنے کے بعد چھڑیوں کی بے مثال تصویریں کھینچتے ہیں

وہ قافلی سب کھڑے تھے لے کے چھڑیاں — وہ چھڑیاں کیا بھلی لگتی تھیں کھڑیاں
زیادہ حاجتی مائل تھے سب سے — رسوم اس کی بجا لاتے ادب سے
دیا باقی سر شب روز کرتے — دیئے چھڑیوں کے آگے لا کے دھرتے
ملنگوں کو جو دیکھا تو عجب حال — کھڑے ہلتے ہیں اور کھیلیں ہیں دھمال

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ریانے ڈفلیاں بجتی ہیں ہر دم — اگم دم کا لگاتے ہیں کھڑے دم
چڑھاتا ریوڑیاں کوئی کوئی پھول — ملیدا ہی کوئی لاتا بہ معمول
کوئی مجرا کوئی کرتا دعائیں — کھڑا چٹ پٹ کوئی لیتا بلائیں
مثالِ سید محبوں ہر چھڑی تھی ! — کہ اس کے گرد ہر لیلیٰ کھڑی تھی یہ
وہ نیزے تھے کہ با قد تباں تھے — کہ سجدے میں جن آگے انس و جاں
وہ چھڑیاں تھیں کہ تھیں مژگانِ دلدار — وہ یا تھے پیر کے نیزے نمودار
بلندی میں ہر اک ایسی چھڑی تھی — کٹوری ماہ کی جس پر جڑی تھی
سیہ نیزوں کلہے از بس کہ دستور — چراغوں میں تھے وہ مثل شب انور

چھڑیوں کا حسن ہی تماشائیوں کے لئے کیا کم دلکش تھا۔ مزید یہ کہ پری زادوں کا مجمع بھی آگیا۔

پری رو گرد یوں چھڑیوں کے پھرتے — پتنگے شمع پر جیسے ہوں گرتے

شاہ مدار کی چھڑیوں کے ساتھ خاص دھن میں گاتے ہوئے ڈفالیوں اور مخصوص انداز میں ناچتے ہوئے ملنگوں کو جن لوگوں نے دیکھا ہے انھیں ان اشعار کی قدر و قیمت کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔ شاہ مدار کی چھڑیوں اور مسعود سالار غازی کی مدنی[1] میں بڑی مماثلت پائی جاتی ہے دیہاتوں سے گزرتے ہوئے یہ قافلے آج بھی اسی بانکپن کے حامل ہیں۔ میر حسن نے الفاظ میں مکمل تصویر پیش کر دی ہے۔

---

[1] شاہ مدار کے مزار شریف کے زائرین کو عام طور پر "چھڑی" اور مسعود سالار غازی کے مزار مقدس کی زیارت کے لئے جانے والے قافلے کو "مدنی" کے نام سے پکارتے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مثنوی کا دوسرا حصہ لکھنؤ کی ہجو پر مشتمل ہے۔ یہاں لفاظی نہیں اظہار حقیقت ہے نواب صفدر جنگ اور شجاع الدولہ کے عہد میں لکھنؤ کی حالت بالکل وہی تھی جو میر حسن نے پیش کی ہے۔ آصف الدولہ نے لکھنؤ کو صدر مقام بنا کر جلوہ صد رنگ عطا کر دیا۔ میر حسن ان گلیوں کے آشنا اور شیدائی تھے۔ جن کی مثال اوراق مصور سے دی جاتی تھی۔ پورب میں وہ بہار کہاں اور پھر ایسے شہر میں جو بیہڑ پر آباد ہو۔ جہاں کی اونچی نیچی زمین آسمان و تحت الثریٰ کا نقشہ پیش کر رہی تھی آبادی اتنی گنجان ہو کہ دم نہ سما سکے۔ کوچے اتنے تنگ ہوں کہ ہوا کا گذار محال ہو جائے میر حسن ہجو نہ کرتے تو کیا کرتے۔

عجب ہے یاں کی رسم و راہ گندی — کہ ہے پستی ہے اور گاہے بلندی
زمیں گنجان ہے یہ شہر با ہم — سما سکتا نہیں یاں غیر کا دم
ہر اک کوچہ یہاں کا تنگ تر ہے — ہوا کا بھی بمشکل واں گذر ہے
سیہ گل سے گلی یوں تر بہ تر ہے — بغل جیسے حبشی کی بہ بہ ہے
کہوں کیا میں قذارت اس مکاں کی — پڑی بنیاد لعیں اس کے جہاں کی
مثالِ فرد حوائیٹ اس کی ہے لال — لکھائے دفیا نوس کا حال
ہزاروں راہ ہیں پیچ در پیچ — ولیکن مثلِ زلفِ یار ہیں پیچ
جو اس کے زیرِ سایہ آن نکلے — لگے دم اور اسکی جان نکلے
جو کوئی رات کو بھولے یہاں گھر — پھرے گلیوں میں وہ ٹکراتا در در
لکھوں کیا چوک کی تنگی کا احوال — کمیت خامہ چل سکتا نہیں چال

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

زبس کوفہ سے یہ شہر ہم عدد ہے — اگر شیعہ کہے نیک اسکو بد ہے
سحر تک شام سے رہتا ہے دھڑکا — مبادا بھیڑیا لے جائے لڑکا
بھلا اس طرح سے آرام کد ہو — رہے یاں وہ جو کوئی لاولد ہو

برسات میں گومتی کا پانی شہر میں آجاتا ہے۔ جدھر نگاہ اٹھائیے پانی ہی پانی نظر آئے گا۔ کشتی گھوڑے یا آدمی کے کاندھوں پر بیٹھ کر لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہیں۔

قدم گھر سے رکھے وہ شخص باہر — جسے مرگی کا گھوڑا ہو میسر
رکھے ہے پار ہو سکنا نہ امکان — چڑھے جب آدمی پر آدمی یاں
جگہ چاہے جو کوئی یاں بنا دے — تو ایک طوفان کا گنبد اٹھا دے

دیار لکھنؤ کی "بہار عالم" سے بے گانگی اور گلی کوچوں کی تنگی دیکھ کر حسن کا دل اس شہر سے تنگ ہو گیا اور وہ "معمورہ آباد" کی سیر کرنے کے لئے بے چین ہو گئے جہاں ہر ایک دل مثال "گل" یوں شاد نظر آتا تھا کہ ان کی رنگا رنگی دیکھ کر ارم کا دل داغ داغ ہو جاتا تھا۔

عمارات شہر اپنے دامن میں عرش بریں کا حسن سمیٹے ہوئے تھیں۔ شہر کے بازار ریاض جدولی کی طرح پاک اور کشادہ تھے۔ دونوں طرف اہل حرفہ اور دوکاندار اس طرح دوکانیں سجائے ہوئے تھے گویا موتی کی لڑی گوندھی گئی تھی سر بازار تزیو لیہ شاہجہاں آباد کا نقشہ پیش کر رہی تھی۔

اشارات سے کہے ہے اس کی محراب — کہ ہیں تینوں زمانے میرے محراب
کھلے رکھے ہیں اس میں اس لئے در — چلی آوے ہوا جنت کی فر فر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

وہ ٹھنڈی باد اور سایہ ہوا دار ادھر اُدھر کٹوروں کی وہ جھنکار
کہے ہے باولی پی سرد پانی یہی ہے زندگانی کی نشانی
ٹک اس آب و ہوا سے دلکو کر شاد کہ آوے گی یہ جنت سے بہت یاد

ترپولیہ کی تعریف کے بعد مثنوی کا وہ حصہ آتا ہے جو کبھی فیض آباد کی تعریف میں کہا گیا تھا۔ مثنوی کا یہ حصہ پڑھ کر ہمیں فیض آباد کی معاشی خوشحالی صنعت و حرفت کی ترقی اور عوام کا معیار زندگی معلوم ہو جاتا ہے۔

جواہر کا کھڑے دلال لیں نام میاں صاحب جواہر کا کہو کام
روپے اور اشرفی دیکھے برستے دھرے تختوں پہ یوں نرگس کے دستے
کناری اور گوٹے دار مسلسل مثالِ برق کرتے ہیں جھلا جھل
صدا کرتا ہے کوئی ہاتھ اٹھا کے معطر پھول ہیں جی موتیا کے!
کوئی مصری کے گنے کہہ پکارے کوئی کہتا ہے بیٹھے ہیں کنارے
یہ فرنی اور فالودے کا عالم کہے تو چاند اور تارے کا عالم
سراسر بیٹھے ہیں میوہ فروشاں بھرے انبار سے میووں کی دوکاں
دھرے ہیں خوانچے آگے سراسر پکارے ہے ہر ایک اپنی صدا کر
چنے والا لگا کہنے یہ ہنس کے کرارے بھر بھرے نیبو کے رس کے

چنے والے کے ساتھ کھٹی سونٹھ اور مصری کی پٹی بہار دکھلا رہی ہے خشکہ اور سالن کے ساتھ پچلونہ اور پاچن بیچنے والے جگہ جگہ ہیں یہی نہیں

ملائی دودھ کی دیکھو تو گویا اسی میں مال حلوائی نے کھویا۔
صدائیں ریوڑی والوں کی واں ہیں کڑاکڑ بولتی گلابیاں ہیں!

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

وہ پیڑے روشن الدولہ کے یہاں کے — یہ کہتے ہیں پکارے اور ہانکے
نہ لے جو کوئی ہمکو زر کے ہوتے — کٹے تلخی میں اوقات اس کی روتے
مزا پڑ جائے برفی کا جنہوں کو — سدا چاٹا کریں اپنے لبوں کو
نہ دیکھا ہم نے ایسا حلوہ سوہن — کہ ہو دیکھے سے جس کے شیریں تن من

بازار سے آگے بڑھ کر میر حسن لال باغ پہونچتے ہیں۔ یہاں کا نظارہ کیجئے ؎

ہزاروں خانگی اور کسبی آکر — سیر لالہ کرے ہیں دل لگا کر
چمک دامن کی دکھلا یوں چلے ہے — کہ بجلی اپنے ہاتھوں کو ملے ہے
وہ سینہ کان میں زیب بناگوش — کہ جسکو دیکھ طوطی کے اڑیں ہوش
شعاع اسکی یہ اور منہ کا پسینہ — ہے گویا پھول پر شبنم کا مینا
کوئی کرتی پہن جالی کی سادہ — گریباں گرد چھاتی تک کشادہ
کیا اس دام میں تکے کو یوں صید — سحر کے جو گریباں میں ہو خورشید
فقط کانوں میں کھلونے کا بالا — کہ جیسے ماہ کے گرد ہوتے ہالا
وہ مہندی اور کڑے وہ گوکھرو کے — ازاریں گلبدن کی وہ بھبھو کے
فقط باؤں میں سونے کے کڑے ہیں — تکلف کچھ نہیں اسمیں چھڑے ہیں
کوئی ان سے بھی چیری اور سرتی — پہن لاہی کی کلیوں دار کرتی
وہ ہیکل جسکے دیکھے دل کو پڑ کل — وہ چھلے جسکے اندازوں میں چھل بل
برابر کے وہ پٹھے صاف دھموار — وہ چاندا سا بدن سونے کا انبار
عجب عنوان سے پھرتی ہے ٹھٹکا — کہ ہو چلنے سے جس کے دلپہ کھٹکا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ماہ رویانِ فیض آباد یہ ایں آرایش دزیبایش گل گشت چمن میں یوں مصروف ہیں۔

کوئی بالے میں لیکر گل پھرے ہے — کوئی پھول اپنے انگیا میں دھرے ہے
رکھے ہے کان پر کوئی گلوں کو — شکستہ دل کرے ہے بلبلوں کو
کوئی لالے کی پتی توڑتی ہے — کھڑی کوئی پٹا خہ چھوڑتی ہے
روش پر دوڑتی پھرتی ہے کوئی — سنبھلتی ہے کوئی گرتی ہے کوئی
کوئی ہے مست کوئی ہے شرابی — پھرے ہے کوئی جھمکا نی گلابی
لڑاتی ہے کوئی آنکھیں کسی سے — غدا ہوتا ہے کوئی اپنے جی سے

لال باغ کا نظارہ کرتے ہوئے میر حسن میاں اسرار کے بنگلے تک آتے ہیں۔

میاں اسرار کے بنگلے کا عالم — نہ تھا بنگلے میں فیض آباد سے کم
انہوں نے جسکے تھا اک نقش مارا — وہاں ہوتا تھا پریوں کا گزارا
سحر سے شام تک رہتا یہی حال — دکھاتا در عہ کیا اور کوئی سماں
کہوں کیا انکی تعویزوں کے اسرار — سراپا ہیں وہ ایک خوبی کا طومار

یہی وجہ تھی میاں اسرار کے یہاں ہر وقت مطربان ادا فروش اور مہوشان رہزنِ عقل و ہوش کا جمگھٹا لگا رہتا تھا۔ اس محفل پر اسرار میں عطائی بھی وہ شان لیتا تھا جسکو سنکر بوعلی سینا حیران و ششدر رہ جاتے۔ ساون کا مہینہ عیش و عشرت کا پیغام لے کر آتا تھا۔ ہر طرف ہنڈولے گڑھ جاتے تھے خوشی کا یہ عالم ہوتا تھا کہ مسافر ایکبار آنے کے بعد دوبارہ وطن جانے کا نام نہیں لیتا تھا۔ میر حسن بھی اسی عشرت کدہ میں آباد ہو گئے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

رہا الفصہ میں واں گھر بنا کر — اسی عشرت کدہ کے پاس جا کر
وہاں بھی میں نے اک محبوب پایا — نہایت دل کا وہ مرغوب پایا
کہوں کیا اسکے اوصاف حمیدہ — نہایت دلفریب اور شوخ دیدہ
نئی طرزوں سے میرے دل کو پھیرا — بھلا یا غم قدیمی اس نے میرا
غرض دل دے کے اپنا ہاتھ اسکے — رہا آرام سے میں پاس اس کے

فلک کج رفتار نے آدم کی طرح میر حسن کو اس جنت ارضی سے نکال دیا اور وہ دوبارہ لکھنؤ جانے پر مجبور ہوئے مگر یاد فیض آباد دل میں چٹکیاں لیتی رہی۔ بار بار دل چاہتا تھا کہ ؎

وہی ہو شہر اور وہ باغ و گلزار — وہی صحبت ہو اور وہ ساتھ کے یار
پھروں میں چھپے کرتا جہاں میں — غزل خوانی کروں جا اس مکاں میں
حسن جب تک رہے دنیا کی بنیاد — رہے سرسبز فیض آباد آباد

میر حسن کی فنی صلاحیتیں آپ کے سامنے ہیں جنہوں نے اشعار سے اسلوب بیان کی دلکشی زبان و بیان کی خوبی تشبیہات و استعارات کی چستی اور مشاہدے کی تیزی آپ کے سامنے آچکی ہے۔ اس کی ظاہری و باطنی خصوصیات پر اظہار خیال کرتے ہوئے محمود فاروقی صاحب لکھتے ہیں:

"میر حسن کو موقع و محل سے مناسب عبارت لکھنے میں بڑا ملکہ تھا وہ ایسے الفاظ تلاش کر کے لاتے ہیں کہ اس خاص موقع پر ان سے بہتر اور موزوں کوئی دوسرا لفظ نہیں ہو سکتا میلے کے سلسلے میں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ڈفالی چھیڑوں اور لمگوں کا بیان بڑی خوش۔
اسلوبی اور سلیقے سے کیا گیا ہے۔ زبان ہر جگہ نہایت
سلیس اور شگفتہ ہے "[۱]

جناب محمود فاروقی صاحب کا قول آپ کے سامنے ہے۔ گلزار ارم کی صرف یہی خوبی نہیں کہ زبان سلیس رواں اور شگفتہ ہے موزوں الفاظ و محاورات کا استعمال ہوا ہے۔ طوائفوں، ڈفالیوں اور چھیڑوں کا بیان خوش اسلوبی اور سلیقے سے کیا گیا ہے بلکہ ان خصوصیات کے علاوہ اور بھی خوبیاں ہیں۔

شجاع الدولہ کے عہد میں فیض آباد دلی کا نمونہ بن رہا تھا۔ نواب کو طوائفوں سے بہت زیادہ دلچسپی تھی یہاں تک کہ میدان جنگ میں بھی طوائفوں اور کسبیوں کے ڈیرے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ نواب کے ساتھ ساتھ وزیر و امیر ہی نہیں فقیر بھی اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ انگوری باغ میں۔ ہزاروں خانگیوں اور کسبیوں کا ٹھہلنا شاعرانہ بیان سے زیادہ تاریخی حقیقت ہے۔ ان طوائفوں اور کسبیوں کے متعلق مختلف تاریخوں میں اشارے ملتے ہیں لیکن ان کے لباس، زیورات، انداز گفتگو کے بارے میں صرف گلزار ارم سے معلوم ہوتا ہے۔ ترپولیہ کی خوبی، چوک کی دو طرفہ دوکانیں، وسیع سڑکیں لال باغ انگوری باغ اور میاں اسرار کے بنگلے کے متعلق معلومات درکار ہوں تو اس دور کی تاریخوں سے امداد لی جا سکتی

---

[۱] تذکرہ شعرائے اردو میر حسن صفحہ ۱۲

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہے۔ مگر چوک کی بھیڑ بھاڑ، حلوائیوں اور پھل والوں کی پکار اور کوٹروں کی جھنکار میر حسن کی مثنوی کے علاوہ اور کہیں نہیں مل سکتی۔

حبشی حلوہ سوہن، شیر مال، نان آبی، فالودہ خشکا اور فرنی کی تعریف دوسرے شعرا کے یہاں بھی مل جائے گی لیکن میٹھی گنڈیری، کرارے بھرے بھرے نیبو کے چنے، کھٹی سونٹھ، مصری کی پٹی اور ریوڑیوں کی تعریف اور اس انداز میں کہ قاری کی زبان مزہ چکھنے کے لئے بیتاب ہو جائے میر حسن کے بعد ختم ہو گئی۔ تہواروں اور میلوں پر نظیر اکبر آبادی نے بھی نظمیں لکھیں جو پڑھے لکھے طبقے میں عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں مگر گلزار ارم اور تہنیت عید کے خالق نے چھڑیوں کی تعریف اور عید کی توصیف میں جن فنی چابکدستیوں اور دقیق مشاہدے کا ثبوت دیا ہے اس سے پہلے اور بعد میں کسی دوسرے شاعر کے یہاں بہت کم نظر آتی ہے۔ "ہوشان جہاں" کے غمزہ و ادا کا ہر شاعر شیدائی ہوتا ہے۔ چنانچہ میر حسن بے قید کی مثنوی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"در اول خوب است کہ غمزہ و ادائے زنان
و بیان حسن آں ہا کرد" [1]

چھڑیوں کے بیان میں فطرت کی یہی خاصیت بھرپور ابھر آتی ہے۔ طوائفوں کا تفصیلی ذکر معاشرے کی خرابی کا نتیجہ ہے۔ میر حسن نے

---

[1] تذکرہ شعرائے اردو میر حسن صہ ۱۳

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

شاعر کی حیثیت سے اس خرابی کی مصوری کردی۔ گلزار ارم کے مطالعے سے فیض آباد کی معاشی حالت پر بھی روشنی پڑتی ہے چوک کی بھیڑ بھاڑ دوکانوں کی سجاوٹ، خریداروں کے جمگھٹ، مٹھائیوں اور پھلوں کی بہتات سے اس دور کی معاشی خوش حالی کا اندازہ ہوتا ہے

نواب شجاع الدولہ طوائفوں کے رسیا اور حسین و خوبصورت لڑکوں کے شیدائی تھے۔ امراؤ گر اور ہمت بہادر عرصہ تک نواب کے ساتھ عورتوں کے لباس میں رہے۔ چنانچہ فیض آباد میں طوائفوں کی محبت کے ساتھ اغلام کی لعنت بھی پھیل گئی۔ حسین لڑکے بازاروں اور شاہراہوں پر بن ٹھن کر عاشقوں کا دل بہلایا کرتے تھے ؎

کہیں بن ٹھن کے لونڈے ہی کھڑے ہیں انہوں کے گرد عاشق جا اڑے ہیں

گلزار ارم کے مطالعے کے بعد قاری عہد شجاع الدولہ کی تمام خوبیوں و خرابیوں سے آگاہ ہو جاتا ہے لہٰذا زبان و بیان کی خوبیوں کے ساتھ اسکی تاریخی اہمیت کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مثنوی تہنیت عید

آصف الدولہ نے لکھنؤ بسایا تو فیض آباد کی رونق ختم ہونے لگی لوگ دھیرے دھیرے لکھنؤ آنے لگے۔ بہو بیگم کی سرکار سے سینکڑوں اہل فن وابستہ تھے۔ جواہر علی خاں اسی سرکار میں ناظم تھے۔ نواب سالار جنگ کے بعد میر حسن انہی کی سرکار سے وابستہ ہو گئے مگر چند دنوں کے بعد یہ سہارا بھی چھوٹ گیا۔ دوسرے فنکاروں کی طرح انھیں بھی لکھنؤ جانا پڑا دو سال تک فیض آباد نہ آسکے۔ مثنوی گلزار ارم اسی زمانہ کی یادگار ہے اس غیر حاضری کے بعد قدرت نے پھر اسی بزم رنگا رنگ میں غزل خوانی کا موقع عطا کیا۔ ساون کا مہینہ اور عید کا زمانہ تھا۔ میر حسن فیض آباد آئے۔ جواہر علی خاں کے دربار میں پیغام تہنیت پیش کرنے کے لئے حاضر ہوئے۔

زلیں اب کی ساون میں آئی ہے عید
سو ہے یہ گہر ہا رسال سعید

بہ رنگ گیاہ و مثال نہال
اُگے ہے خوشی ہر جگہ اس کے سال

شفق سرخی پان پر ہے گواہ
ملے ہے مسی منہ میں ابر سیاہ

گل و غنچہ نے مشت میں زر لیا۔
ہوا نے بھی جگنو سے زیور لیا

نہ کچھ بلبلیں ہیں غزلخواں یہاں
پڑھے ہیں میری مثنوی طوطیاں

یہ سبزہ یہ موسم یہ آب ہوا
یہ پاکیزہ دھوپ یا مکاں جا بہ جا

تر و تازہ گل اور چمن آبدار
سحاب سیہ سایہ خوشگوار

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

شفق کا یہ خیمہ یہ سبزہ کا فرش ۔۔۔ بنے عید گویا ہوا نا یہ عرش

عید کی خوشی میں قلمبند کئے گئے اشعار میں وہ زندگی نہیں پائی جاتی جس کی میر حسن جیسے فنکار سے امید کی جاتی ہے۔ ساون کے مہینہ میں عید آئی خوشی ہر جگہ گیاہ و نہال کے مانند اُگی ہوئی ہے چمن میں شفق کا خیمہ اور سبزہ کا فرش لگ چکا ہے گل و لالہ بہار تر و تازہ ہو کر تشریف بزم ہے اور نفیری بجا رہا ہے اور پپیہا۔ پی پی کر کے صاحب خانہ سے عیدی مانگ رہا ہے گھنگھور گھٹائیں چھا رہی ہیں، مبارک سلامت کی دھوم مچی ہوئی ہے مگر نہ جانے کیوں قاری کے دل میں خوشی کی وہ اُمنگ نہیں پیدا ہوتی۔ بار بار یہ احساس ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا اشعار کسی مدحیہ قصیدے کی نشیب سے الگ کر لئے گئے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پی پی کی صدا سے عیدی کی طلب کبھی مراد نہ لی جاتی۔ مور خوشی میں جھوم کر روش گلستان پر ناچنے لگتا مگر نفیری لے کر کبھی شور نہ مچاتا۔

پپیہا جو پی پی کرے ہے صدا ۔۔۔ سو مانگے ہے عیدی یہ ہنہا بجا

غرض ہر روش گلستاں میں شور ۔۔۔ نفیری بجانے کو آتے ہیں مور

ان اشعار میں قصیدے کا پورا اثر نظر آتا ہے۔ موضوع کی اعتبار سے میر حسن اس لچک کے لئے بڑی حد تک مجبور تھے۔ بادشاہوں اور امرائے سلطنت کے دربار میں تہنیت عید پیش کرنے والے کو بھی قصیدہ گو شعرا کا انداز بیاں اختیار کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ یہ مثنوی بھی میر حسن کی خوشیوں کا حاصل نہیں روزوں کا ثمر پانے کا بہانہ تھی۔ اسی لئے کلام میں صفائی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اور زبان میں شیرینی ہونے کے باوجود الفاظ میں تابندگی اور اشعار میں زندگی نہیں پائی جاتی۔

مثنوی قصر جواہر

جواہر علی خاں ناظر بہو بیگم کی فیاضیوں کا اندازہ کلیات حسن میں مرقوم قصیدہ مثنوی تہنیت عید اور مثنوی قصر جواہر سے کیا جا سکتا ہے۔ عام مثنویوں کی طرح قصر جواہر حمد نعت اور منقبت سے شروع ہوتی ہے۔ لیکن معمار عالم کی مدح کرتے ہوئے میر حسن نے لوازم عمارت اور اس کی رعایت کو ملحوظ رکھا ہے جس کی وجہ سے مثنوی میں حمد و نعت اور منقبت الگ پارے جو رنظر نہیں آتیں اور تسلسل کے ساتھ جدت و تازگی پیدا ہو جاتی ہے:

سنا پہلے اس خالق پاک کو — دیا جس نے رتبہ کف خاک کو
اسی خاک سے خلق آدم کیا — ہوا کر کے دم اس میں آدم کیا
پھر آدم کی خاطر بنایا جہاں — علم اور ہستی و دور و یہ مکاں
رکھی شرق سے غرب تک بنا — سراسر مثال خط استوا
بنا اس پہ پھر گنبد آسماں — احاطے میں اس کے دیا ست جہاں
عناصر کی چوکور اینٹیں دگا — زمانے کا ایوان برپا کیا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سائبان ابر بنانے کے بعد قدرت کاملہ نے ایوان عالم کو انگشتری کی طرح حسین و جمیل بنایا۔ خیالات عالم نقش و نگار بنانے شفق سے سرخی لے کر اسکو رنگین بنایا مگر نگین کے بغیر انگشتری اور مکیں کے بغیر مکاں کی آرائش و زیبائش مکمل نہیں ہوتی:

ہے لازم مکاں کو مکیں چاہیئے ۔ کہ انگشتری پر نگیں چاہیئے ۔

نعت سید المرسلین کے بعد لوازمات کی ترتیب کے ساتھ منقبت شروع ہوتی ہے اور پھر ساقی نامہ کے عنوان سے رشک بہشت کی تعریف میں چند اشعار لکھ کر دروازہ عالیشان کی مدح شروع کر دیتے ہیں:

تجھے اس کا نقشہ ہے کرتا رقم ۔ سرے سے اٹھاؤں ستون قلم
وہ دروازہ قصر عالی مکاں ۔ رہے جسکے سائے میں سارا جہاں
ہر ایک اس کا حلقہ ہے چشم بتاں ۔ ہر ایک زلف ہے کاکل مہوشاں
سرافرازیوں کا رسالہ ہے وہ ۔ بلندی سے عالم کی بالا ہے وہ

پھاٹک کی تعریف سے باقاعدہ مدح کا آغاز ہوتا ہے مختلف عنوانات مثلاً "در مدح دروازہ عالیشان"، "مدح پائیں باغ"، "تعریف ایوان"، "در صفت شمع و فانوس"، "در تعریف درخت کمرک"، "در مدح فوج"، "در مدح بندوق" دیکھ کر بار بار احساس ہوتا ہے کہ میر حسن کے پہلے فہرست تیار کر رکھی تھی۔ ایک عنوان کے بعد دوسری تمت پڑھتے تھے۔ مختلف عنوانات کے درمیان تسلسل قایم کرنے کے لئے "مئے لالہ فام اور ساقی سیمبر" کا سہارا لیا گیا۔ لیکن اس کے باوجود ہر عنوان مثنوی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہیں الگ الگ نظر آتا ہے اور ان میں سے کوئی بھی اپنی جگہ پر مکمل نہیں۔ چنانچہ عنوانات کے تحت منقول اشعار کے تاثرات قاری کے دل و دماغ پر اثر انداز نہیں ہوتے:

(در مدح باغ پائیں)

کہوں باغ پائیں کا کیا میں بیاں — خیاباں جیسے ہو زیر پائے بتاں
اس روضۂ کارد شت ہے یہاں بے جمال — کہے کو کب تک اس روکا حال
ہوا ہو جیسے باغ و گلزار کی — ہے اینٹ ہوا سکی دیوار کی
ہے سحن مصفا بدن جور کا — سدا وقت رہتا نہیں نور کا
مہو ہے از بس کہ دیوار و در — سرا پر ہے اس جا پہ شام و سحر

پائیں باغ کی تعریف کے بعد ساقی گلفام سے مئے لالہ فام طلب کرتے ہیں:

پلا مجھ کو ساقی مئے لالہ فام — سو غنچہ صراحی ہو اور گل ہو جام
چمن گل سے نسبت ہیں ممنوع ہے — خزاں اس گلستاں سے دور ہے
سہانی وہ جا اور وہ جوش نشاط — لہکنا وہ سبزہ کا مردانہ وار
نہ ہو سبز کیونکر نگین فلک — کہ ہے ڈانک سبزے کی اسکی چمک
ہر ایک شاخ و بیل اس خیاباں کی — نظر میں ہے جدول گلستاں کی
نہیں یہ بھی تشبیہ سے درکنار — یہ ہے خط گلزار دست نگار
مہکتا ہے خوشبو سے اس طرح باغ — کہ جوں زلف سے ہو معنبر دماغ

ایوان رنگیں کے فرش و فروش اور ہموار چاندنی کا نظارہ کرانے کے بعد میر حسن، شراب ارغوانی سے، چراغ فکر، روشن کر کے شمع فانوس،

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کی تعریف شروع کرتے ہیں :

پلا ساقیا مجھ کو تو اک ایاغ — کہ روشن کروں فکر کا میں چراغ
بھری نقرئی اس میں وہ شمعدان — کہ شمعوں سے ہو جس کی روشن جہاں
درخشندگی شمع کی اس میں یوں — فلک سے پڑے عکس خورشید جوں
دل و چشم ہے اس سے لبریز نور — کہ ہے وہ جگر گوشہ کوہ طور

مدح تک پہنچتے پہنچتے قاری کا ذہن مثنوی کی حدود سے نکل کر قصیدہ کی سرزمین میں پہونچ جاتا ہے :

بہ عقل و شجاعت بہ جود و کرم — بہ عزم شجاعت بہ تیغ و قلم
بہ شانِ حلالت بہ حلم و حیا — بہ خلق و مروت بہ ذہن و ذکا
بہ حسن و سلوک اور بہ علم و عمل — بہ طبع سلیم اور بہ دل مستقل
نہ ہوگا کسی میں نہ ہے اب کہیں — یہ سب خوبیاں ختم ہیں بس وہیں

مذکورہ بالا اشعار میں شاعر نے قصیدہ نگار شعراء کی طرح سلیس و متین زبان کے سہارے ممدوح کی تعریف کی ہے جس کا قصر جواہر سے کوئی تعلق نہیں چند اشعار میں دل کا بخار نکالنے کے بعد دوبارہ قصر جواہر کی طرف مڑتے ہیں اس بھاگ دوڑ سے قاری کا ذہن مکدر ہو جاتا ہے اور طبیعت گھبرانے لگتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میر حسن قصر جواہر کی تعریف سے زیادہ اوصاف جواہر کو اجاگر کرنے کی بے جا کوشش کر رہے ہیں، اس مقصد کے حصول کے لئے انہیں قصیدہ کا سہارا لینا چاہیئے تھا۔

مدح دروازہ عالیشان، مدح پائیں باغ، تعریف ایوان، صفت شمع

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

وفالنوس کے بعد بندوق اور فوج اور توپ کی تعریف مثنوی اور قصیدے کے درمیانی فرق کو ختم کر دیتی ہے۔ مثنوی قصر جواہر قصیدہ اور مثنوی کے درمیان معلق ہو جاتی ہے۔

میر حسن کی یہ خامی قاری کو زبان کی پاکیزگی بیان کی شوخی الفاظ کی نرمی اور شیرینی کی طرف متوجہ ہونے کا بہت کم موقع دیتی ہے۔ جذبات نگاری کے باوجود دل پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ حالانکہ اکثر اشعار میں میر حسن کی فنکاری کے بہترین نمونے محفوظ ہیں:

ہے اک حوض اس کے سائباں کے تلے — کہ پانی ہے اس میں کمر کے تلے
لبالب رہے ہے وہ آئینہ دار — ہے عکس عمارت سے اسمیں بہار

قصر کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فلک سے زمیں اسکی ہمداستان — کف خاک درجبہ داستان
ہے سرخی کی جا سرخی لعل واں — ہو شرمندہ جس سے لب گل رخاں
نظر کو نہ ہو وقت نظارہ تاب — پھر آوے ہے سورج کی آنکھوں میں آب
وہ پردوں کی سرخی کہ ہو لالہ داغ — وہ سبزی چھتوں کی کہ ہو سبز باغ

مذکورہ بالا اشعار میں الفاظ کے جادو اور تخیل کے معجزے پنہاں ہیں۔ شاعر کی بنائی ہوئی تصویروں میں اصلیت کا رنگ بھرا ہوا ہے لیکن اس کے باوجود ذہن میں قصر جواہر کی خوبیوں کی مکمل تصویر نہیں ابھرتی۔ مجموعی طور پر میر حسن قصر جواہر کی تعریف میں ناکام رہے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مثنوی خوانِ نعمت

سنہ ۱۱۹۱ھ سنہ ۱۱۹۲ھ کے بعد میر حسن لکھنؤ گئے مگر غمِ روزگار سے چھٹکارا نہ مل سکا نواب آصف الدولہ کی سرکار بھی سالار جنگ کے دربار سے بہتر دیرپا ثابت نہ ہو سکی۔ لکھنؤ پہنچ کر فیض آباد کی حسین یادیں دل میں ٹیکیاں لیتی رہیں پچھلے واقعات ذہن کے گوشوں سے ابھرتے رہے وہ تاریک گھڑیاں بھی یاد آئیں جب مصیبت کا مارا ہوا یہ خاندان دلی سے سفر کر کے ڈیگ پہنچا اور ان سے مکمل پور ہوتا ہوا فیض آباد کی حسین گلیوں میں داخل ہوا بیتے ہوئے دنوں کی یادیں گزرے ہوئے واقعات کے ساتھ گلزارِ ارم کی شکل میں ہم تک پہنچے۔

مثنوی خوانِ نعمت دراصل کھانوں کی منظوم فہرست ہے جسکو میر حسن نے اپنے دوست دایم بیگ کی یاد میں نظم کر کے فصاحت و لطافت کی داد دی ہے۔

فخر جواہر کی طرح یہاں بھی حمد و ثنائے رزاق میں حدیث طبع کا ثبوت دیا گیا ہے:

کہوں کیا میں ثنا و حمد رزاق — کہ گویائی کی طاقت ہے یہاں طاق
لگا طفلی سے تا ہنگام پیری — ہماری ہر طرح کی دستگیری

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کیا جسدن سے اسنے ہمکو پیدا — پدر مادر کو رکھا ہم پہ شیدا
سنبھالا ہوش جب ہم نے جہاں میں — ہوئی کچھ عقل کی لونچی مکاں میں
کیا تا ایسے آقا کے حوالے — کھلائے جس نے نعمت کے نوالے
سو وہ کون آصف الدولہ بہادر — کہ بیحد بخشش اس کا ہے بہادر
رکھے آباد حق اس کو کرم سے — کہ اتنی خوبیاں ہیں اسکے دم سے

اس کے فوراً بعد گریز کے اشعار شروع ہو جاتے ہیں انداز اتنا لطیف ہے کہ طبیعت خوش ہو جاتی ہے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ شاعر قصداً خوان نعمت کی طرف لے جانے کی کوشش کر رہا ہے:

زبان رہتی ہے خوش نعمت سے اپنی — گزرتی ہے سدا لذت سے اپنی
ہماری نعمتوں کی کون دے داد — بہت آتے ہو دایم بیگ تم یاد
خصوصاً جب چنا جاتا ہے کھانا — اسے سچ جانیو تم خود ہو دانا
ہر اک دن تم نہایت یاد آئے — نہ کھانے پر تمہارے حیف کھائے
جو تم ہوتے تو غش کھا کھا کے گرتے — مگس کی طرح ہر کھانے پہ مرتے[1]

اس کے بعد میر حسن دایم بیگ کو پلاؤ، بریانی، چلاؤ زردا، چینے دو پیازے مرغ تیتر کے کباب، تلی مچھلی، دریائی کباب اور چینی کباب کی سیر کراتے ہیں۔ متنجن اور چاشنی دار تلئے کی تعریف ملاحظہ کیجیے۔

متنجن اور تلئے چاشنی دار — کہ جیسے ترش و شیریں حرف دلدار

---

[1] معلوم ہوتا ہے کہ دایم بیگ کو اچھے کھانوں کا بہت زیادہ شوق تھا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

وہ فرنی صاف اور قلفے وکورے — شفق ہیں جیسے سورج کے کٹورے
نمودار آش زید خوجہ سے یوں — تلے کہسار کے ہو چاندنی جوں
رو پہلے خوانچہ فرنی کے جوں چاند — کہ جس کی ہو چمک سے چاندنی ماند
پیالی کھیر کی جوں ماہ تاباں — کھلے یا جیسے نسریں کا گلستاں
وہ یاقوتی و فرنی مل کے باہم — دکھاتے ہیں گل و نرگس کا عالم

دہی بڑوں اور مختلف قسم کی ترکاریوں کی تعریف میں یوں رطب اللسان ہیں:

مصالحہ دار وہ تحفہ بڑے تھے — کہ حیران ان پہ سب چھوٹے بڑے تھے
ہوا سے مسکے اور ہونٹوں سے ٹوٹے — لگے منہ جس کے پھر اس سے نہ چھوٹے
وہ سونٹھے کرکرے ساتھ اسکے پاپڑ — کہے دل ہاتھ کو اُن پر کہ جا پڑ
وہ تسلغم جس کے قفلے ماہ پارے — اور اسمیں رائی کے چھینکے ستارے
وہ پتا ساگ میتھی کا بہت خوب — پڑا گھی جس سے ٹپکے دل کے مرغوب

چٹنی، پنیر، پودینہ، اچار لیموں، خربوزوں کی پھانک غرض کون سی ایسی نعمت ہے جس سے آصف الدولہ کا دسترخوان محروم ہو:

دھرے میوے تھے ایسے خشک اور تر — نظر کو جس سے قوت ہو سراسر

آصف الدولہ کے دسترخوان کی تعریف میں میر حسن یہاں تک کہہ جاتے ہیں:

اگر سیحان بھی اس وقت ہوتا — تو دیوان اپنا شربت میں بھگوتا
اگر اسوقت نعمت خاں بھی آئے — تو ایک استت نہ کھانے کا کھائے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پوری مثنوی زبان و بیان کی خوبیوں سے مالا مال ہے تشبیہات و استعارات میں جدت طرازی کا ثبوت ملتا ہے۔ اشعار کڑیوں کی طرح ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ قصر جواہر کی طرح شاعر کو آگے بڑھنے کے لئے ساغر و مینا کی ضرورت نہیں ہوتی۔ تسلسل کے ساتھ مثنوی بڑھتی جاتی ہے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مثنوی در ہجو حویلی میر حسن

فیض آباد کی تعریف، دستر خوان آصف الدولہ کی توصیف دیکھنے والا یہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا کہ فیض آباد کا پرستار نواب سالار جنگ کی سرکار اور آصف الدولہ کے دربار سے وابستہ ہونے کے باوجود دو روپیہ ماہوار کے ایسے مکان میں رہنے پر مجبور رہا ہوگا جس میں پانچ متی کا چھپر اور دس کڑی کا دالان تھا۔ صحن میں چار چارپائی بچھنے کی گنجائش نہیں تھی۔ قصر جواہر کی تعریف میں طلب اللسان فنکار جب اپنی حویلی کا نقشہ کھینچتا ہے تو پڑھنے والا چونک اٹھتا ہے۔ ذہن میں بار بار یہ سوال گونجتا ہے، کہ جس معمورہ آباد میں نرپولیہ، لال باغ اور میاں اسرار کا خوبصورت بنگلہ ہو، جس چوک میں خلق اللہ کی بھیڑ لگی رہتی ہو، جہاں صفت کار مقیش کی جھالر بنتے ہوں، جس حلقہ موچیوں کی جوتیوں میں ستارے ٹنکے رہتے ہوں جس بازار میں دلال کھڑے کھڑے موتیوں کا مول تول کرتے ہوں، روپے اور اشرفیاں، نرگس کے دستوں کی طرح تختوں پر سجا دی گئی ہوں، جہاں سونے اور موتیوں کی بارش ہوتی ہو اس جنت ارضی میں ایک پرستار ایک فنکار، ایسی خراب و خستہ حویلی میں رہنے پر مجبور رہا ہوگا

میر تقی میر خدائے سخن تھے۔ ان کے مبارک ہاتھوں ریختہ رتبہ کو

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پہنچا۔ ان کا فرمایا ہوا ایک ایک لفظ ان کی زندگی ہی میں سند بن چکا تھا ان کی شبنمی نگاہ اور تشریت آج بھی سرمایہ علم و ادب ہے اُن کے مکان کا یہ عالم تھا کہ برسات میں دن "اندھیری رات" بن جاتا تھا۔

اب جو آیا ہے موسم برسات — دن کو ہے اپنے یہاں اندھیری رات
مینہہ میں گھر کے پانچھ چھپر — ہم غریبوں کے ہوتے ہیں سر پر
بھیوں کچھ ہے کہیں سو آٹا ہے — بانس کو جھینگروں نے چاٹا ہے
کیا کہوں آہ گھر ہے کہنے کو — باندھتا ہوں میاں رہنے کو[1]

جب میر تقی میر کی حویلی کا یہ نقشہ رہا ہو تو پھر میر حسن کو اگر پانچ بتی کا چھپر ملا تو کیا تعجب کی بات ہے؟ بقول میر حسن زمانہ اتنا پرآشوب تھا کہ اسوقت اگر سعدی رحمتہ اللہ علیہ بھی ہوتے تو تنگ دستی اور معاشی بدحالی کا شکار ہوتے

یاں تک ہے سرد مہری دوراں کہ کیا کہوں — آتا نہیں ہے شمع کے نزدیک اب پتنگ
ہے حق یہ طرف ان کے ہی پر کیا کریں غریب — ہر ایک اپنے حال میں ہے جان سے پتنگ
سکھیں ہزدہ کس کیلئے قدرداں ہے کون — سعدی بھی ہوں اگر تو اڑاتے پھریں پتنگ[2]

اب ذرا حویلی میر حسن کی خوبیاں ملاحظہ کیجئے:

---

[1] ہجو خانہ خود کلیات میر عبادت بریلوی۔
[2] قصیدہ در مدح جواہر علیخاں کلیات میر حسن قلمی مسلم یونیورسٹی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پہلے اس گھر کی خوبی یوں پائی — آتے ہی گھر میں مجھ کو تپ آئی
کلہ آماس کر گیا سارا — پہلے ہی گھر نے مجھ کو منہ مارا

ذرا اس کا ملاحظہ کیجئے:

صحن اس کا بتاؤں کس مقدار — ایک دو تین چار پائی دار
پانچ بی کا کہنہ سا چھپر — ساتھ سائے کے دھوپ آٹھ پہر
نو کا یا دس کڑی کا اک دالان — تسبیہ اس لوٹے گھر پڑے کی زبان
سیڑھی اک بانس کی پرانی سی — آنے جانے کے واسطے ہے دھری
بن کچی ایک جا نہیں یاں راست — جانئے سچ یہ بات ہے کم و کاست
نادرستی ہے اسکے صحن کو سار — چار سو جا بجا نشیب و فراز

ان اچھائیوں کے علاوہ مطبخ اور مکان ضرور بھی اس حویلی میں موجود نہیں۔ صرف دو ٹٹیاں گھیر کر جانے ضرور متعین کر لی گئی ہے۔ گھر کی پوری زمین کا ڈھال صحن کی طرف ہے پانی نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ ہمسایہ کے مکان سے نکلی ہوئی گندگی بھی ان کی ڈیوڑھی سے ہو کر گزرتی تھی:

تسپہ ہمسایہ ہے جو ایک بقال — نالے کا اس کے ہے ادھر کو ڈھال
گھر سے بنیے کے بو جو چلتی ہے — سو وہ ڈیوڑھی سے ہو نکلتی ہے
گندگی سے بھری ہی رہتی ہے — گھر کی دن رات ناک بہتی ہے
پانی مجبور کس طرف جاوے — وہیں جاوے جدھر کو گھر جاوے

لوٹے پچھوٹے گندگی سے بھرے ہوئے اس چھپر سے آفتاب کبھی ہٹنا پسند نہیں کرتا۔ دھوپ کی مسلسل تپش سے آنکھیں سفید ہو گئی ہیں۔ دیوار کے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پاس ایک ارنڈ کا درخت تھا مگر اس کی چھاؤں دیوار پر رہتی تھی۔ گرمی کا یہ عالم تھا کہ:

گرم ہونے کا اسکے کیا مذکور — دیکھ کر جس کو گرم ہووے تنور
گھر ہیں دھوپ سے کباب سبھی — گھر سے نکلے نہ آفتاب کبھی
لوٹا پھوٹا جلا ملا سارا — دھوپ سے گرم جیسے انگارہ
دن کو واں چھاؤں کی نہیں امید — دھوپ سے آنکھیں ہو گئیں ہیں سفید

گرمی اور دھوپ کے علاوہ مکان کی زمین ریتلی ہے۔ چاروں طرف گرد و غبار بھرا رہتا ہے۔ گھر والوں کی صورتیں مٹی کی مورتیں معلوم ہوتی ہیں۔ فرش پر بچھا ہوا بوریہ نقش بوریہ بن گیا تھا۔ طاق پر رکھے ہوئے خردان کوہ ریگستان معلوم ہوتے تھے:

سلسلہ ہے جا بجا ریتلی زمین — پاؤں ثابت نہیں ٹھہرتا کہیں
چال چلتے ہیں ہر قدم کو سنبھال — جوں بگولا کسی کے ہو دنبال
گرد میں صورتیں اٹی ہیں سب — مٹی کی مورتیں بنی ہیں سب
طاق میں تھے جہاں جہاں خردان — ہو گئے کل وہ کوہ ریگستان
خاک پڑ پڑ کے یوں ہوئی ہے دوات — جیسے آندھی میں ہو اندھیری رات
تھے دھرے وہ جو خاص و عام قلم — ریگ ماہی بنے تمام قلم

کام و دھن میں خاک کی مستقل یورش نے سخن میر حسن کو بھی کرکرا کر دیا۔ چیونٹیوں کی کثرت مزید تباہی کا سبب بن کے آئی۔

پاؤں رکھتے ہیں دیکھ دیکھ سنبھل — مگر نہ ان میں سے کوئی جائے مسل

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

گھر سے باہر جو ہم نکلتے ہیں — خوف سے مور چال چلتے ہیں
دیکھ انکو مریے کا کتلا — شیرنی میں ہو پانی سے پتلا
دیکھ شکر کا حال ان سے تباہ — ہو گیا ہے سفید مو سیاہ

میر تقی میر کے مکان کی طرح میر حسن کے گھر میں چلیا سا، کھٹمل، مچھر ڈانس اور سنپولیوں کی بہتات نہیں صرف چیونٹیوں کا لشکر پھرا کرتا ہے۔ جس نے ان بلاؤں سے نجات دلادی ہے۔

نہ مچھر ہے نہ کھٹمل اور نہ مار — مور نے سب کو کر دیا مسمار
جھینگروں پر عجب تباہی ہے — گھر گئے پھر بھی روسیاہی ہے

میر حسن کو کمزور اور نحیف جان کر چیونٹیوں نے پر نکالے اور مورچہ باندھ کر لڑنے لگیں:

کم تھے آگے یہ در پئے آزار — اب تو یہ کاٹنے لگے ہر بار
مردم آزاری یہ جو باندھی کمر — چیونٹیوں نے نکالے ہیں پر
دیکھ کر ہمکو اس جگہ پر نحیف — پہلوانی کرے ہے مور ضعیف
رات دن ہم سے یہ بگڑتی ہے — مورچہ باندھ باندھ لڑتی ہے

گھر کی خستگی اور تباہی کی تصویر کھینچنے ہوئے خیالات کی موجیں یک بیک اپنی لے بسی اور بے بضاعتی کی طرف مڑ جاتی ہیں، دل ڈوبنے لگتا ہے مگر صبر کے علاوہ کوئی چارہ کار نظر نہیں آتا، حزن و یاس میں صبر کر کے سکون حاصل کرتے ہیں۔

یاں سدا کس کی زندگانی ہے — یہ تو دنیا سرائے فانی ہے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کس کا گھر کس کی بات کس کا زور　　کو سلیماں کجا وہ لشکر مور
اے خوشا وہ جنہوں نے ہو بیزار　　یاں کے جھگڑوں سے تج دیا دربار
ہو گئے مثل مور خاک نشین　　گھر کو اپنے سمجھ کے زیر زمین
گر اسے سمجھو تو نصیحت ہے　　ورنہ یہ مثنوی فضیحت ہے

میر نے یہ خاکہ خود لکھی جو تاثر کے لحاظ سے قابل قدر نمونہ ہے مگر اسمیں طنز کے نشتر اور منظر کشی کے ایسے مرقعے نہیں پائے جاتے جو میر حسن نے "..... بنائے ہیں۔ میر تقی میر کے یہاں طنز کے ساتھ ساتھ واقفیت کی وہ نادر مثالیں بھی کم پائی جاتی ہیں جو میر حسن کی مثنوی میں ہیں بربادی کا جو نقشہ میر تقی میر نے پیش کیا ہے اسے پڑھ کر دماغ میں وہ تصویر نہیں پھرتی جو میر ابھارنا چاہتے تھے۔ ہم گرتی ہوئی دیوار ٹوٹے ہوئے چھپر، رینگتی ہوئی چلپاسا، اڑتے ہوئے ڈانس ہمہ وقت بدن پر سرسراتے ہوئے کھٹملوں کو میر کی بنائی ہوئی تصویر میں دیکھتے ہیں، مگر ان کی وجہ سے میر کے دل و جگر اور جسم و جاں پر جو کچھ بیتتی ہے اسکے محسوس نہیں کر پاتے۔ ہمارے سامنے اس دور کی معاشی مجبوریاں آجاتی ہیں لیکن میر کی مجبوری پر دل کی گہرائیوں سے آنسو نہیں نکلتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میر کو منظر نگاری اور جذبات نگاری میں وہ کمال حاصل نہیں تھا جس سے قدرت نے میر حسن کو مالا مال کیا تھا۔ گرتی ہوئی دیوار، سرکتی ہوئی چہار دیواری، ٹپکتے ہوئے دالان، ٹوٹی ہوئی پرچھتی کا ذکر بار بار آتا ہے ہم مکان کی ایک ایک خامی سے واقف ہو جاتے ہیں۔ میر کی پریشان

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

حالی پر افسوس ہوتا ہے۔ ان کے دکھ سے لگاؤ اور درد سے ہمدردی پیدا ہو جاتی ہے لیکن ہمارے سامنے مکان کی جیتی جاگتی تصویر نہیں آتی جس سے جذبات میں تلاطم پیدا ہو جائے۔

جناب محمود فاروقی صاحب میر کی مثنوی پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مثنوی کے سانچے میں ڈھلی ہوئی غزل یا غزل کے لباس میں مثنوی ہے۔ غزل گو ہونے کی وجہ سے میر نے اپنی مثنوی میں اختصار سے کام لیا ہے۔ جذبات نگاری سے تو وہ بالکل بے بہرہ ہیں"[1]

میر کی بجو یہ مثنوی کے متعلق یہ کہنا کہ مثنوی کے سانچے میں ڈھلی ہوئی غزل یا غزل کے لباس میں مثنوی ہے۔ درست نہیں ہاں میر کے یہاں اختصار اور جذبات نگاری کی کمی کسی حد تک درست ہے۔

میر کہتے ہیں:

ایک حجرہ جو گھر میں ہے واثق — سو شکستہ ترا دل عاشق
کہیں سوراخ ہے کہیں ہے چاک — کہیں جھڑ جھڑ کے ڈھیر سی ہے خاک
کہیں گھونسوں نے کھود ڈالا ہے — کہیں چوہے نے سر نکالا ہے
کوئی تختہ کہیں سے ٹوٹا ہے — کوئی داسا کہیں سے چھوٹا ہے

---

[1] میر حسن اور خاندان کے دوسرے شعراء ص ۱۵

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مٹی تو وہ جو ڈالی چھت پر ہم — تھے جو شہتیر یوں کماں ہیں خم
پرے اس مینھ میں کرختی ہے — تختے تختے ہوئے یہ سختی ہے[1]

میر حسن کہتے ہیں :

ہم نے جیسا لیا ہے یاں اک گھر — دو روپے کے تین کرایے پر
حال سے ہیں ننگ اسمیں لوگ — گھر نہیں وہ ہے ایک جان کا روگ
صحن اس کا بتاؤں کس مقدار — ایک دو تین چار پائی دار
پانچ بتی کا کہنہ سا چھپر — ساتھ سایے کے دھوپ اٹھ پہر
تو کا یا دس کڑی کا اک دالان — تپہ اس ٹوٹے جھونپڑے کی شان
رات دن سب کے دل میں خطرہ ہے — پاؤں پھسلے تو پھر عدم کو رواں
سیڑھی اک بانس کی پرانی سی — آنے جانے کے واسطے ہے دھری[2]

مکان کا کرایہ سنکر پڑھنے والے کا ذہن فوراً خرابیوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے دوسرے شعر سے جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ گھر ان کا روگ ہے تو ہم آنے والے مصیبتوں کی دھمک محسوس کرنے لگتے ہیں.

جذبات نگاری اور سادگی کے لحاظ سے سودا کی ہجو میں بہت مشہور ہیں. بقول ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی ان کا ہر نقش دل پر بیٹھ جاتا ہے[3] میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ ہجویات سودا میں زبان کی شگفتگی و لطافت، اسلوب

---

[1] کلیات میر تقی میر ڈاکٹر عبادت بریلوی
[2] کلیات میر حسن قلمی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
[3] میر تقی میر حیات اور شاعری صہ ۲۶۶

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بیان کی پختگی و سلاست بدرجہ اتم موجود ہے طنز کی لاجواب مثالیں پائی جاتی ہیں۔ مگر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ سودا اکثر جذبات پر قابو نہیں رکھ پاتے ہیں جس کی وجہ سے اعتدال و تناسب ختم ہو جاتا ہے پروفیسر کلیم الدین احمد کو اس کمی کا احساس ہے۔ لکھتے ہیں:

"وہ اپنے شہپر تخیل کی جولان کو نہیں روک سکے اسی وجہ سے ان کی ہجویں رطب و یابس سے بھری پڑی ہیں اور اعتدال و تناسب کی کمی نظر آتی ہے"[1]

میر حسن کی ہجو اس خامی سے پاک ہے۔ طنز کا بھرپور وار کرتے ہیں۔ مگر محسوس ہوتا ہے گھر کا نقشہ کھینچ رہے ہیں۔

صحن میں گھر کی کل زمین کا ڈھال — گھر کے پانی کا گھر کی سمت نڈھال
پانی مجبور کس طرف جاوے — وہیں جاوے جدھر کو گھر جاوے

. . . . . .

صحن اس کا بتاؤں کس مقدار — ایک دو تین چار پائی دار
پانچ بتی کا کہنہ سا چھپر — ساتھ سایے کے دھوپ آٹھ پہر

مثنوی کا آخری شعر ہے:

گر اسے سمجھو تو نصیحت ہے — ورنہ یہ مثنوی فضیحت ہے

اسے پڑھنے کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ میر حسن یہاں بھی نصیحت کرنا چاہتے

---

[1] اردو شاعری پر ایک نظر حکیم الدین ص ۱۸۳

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تھے وہ دنیا کو دار فانی اور زندگی کو فانی بتا کر خود تسکین حاصل کرنا چاہتے ہیں اور دوسرے پریشان لوگوں کو اسی راہ پر چلنے کی تلقین کرتے ہیں۔

کس کا گھر کس کی بات کس کا زور
کو سلیمان کجا وہ لشکر مور

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نقل

مذکورہ بالا مثنویوں کے علاوہ کلیات میر حسن میں تین چھوٹے چھوٹے ہجویہ قصے "نقل" کے عنوان سے درج ہیں۔ پہلا قصہ ایک قصائی کا ہے ؎

سنو یارو تم ایک قصائی کی بات — اوٹھائی تھی بیٹی کی اس نے برات
ذرا سا تھا گھر اور شادی کی دھوم — ہوا عورتوں کا جو اس میں ہجوم
یہ تنگ آئے سب اہل مجلس تمام — ہوئی قلت اس گھر میں اور اژدھام
قصائی نے دیکھا جو یہ ماجرا — لگا کہنے تب اپنی جورو سے جا
کہ منوا کی ماں کچھ فقرے ہے تجھے — کہ شادی قیامت ہوئی ہے مجھے

قصائی نے اپنے خاص لب و لہجہ میں بیوی کو مخاطب کر کے کہا۔

تو پھیلائے بیٹھی تو ہے گھر میں کاج — .... گی کیا کرے گی تو آج
نہیں پون .... بر بر بھی جا — یہ بیٹھیں گی کیا مرے .... یہ آ

اس نقل میں سوائے قصاب کے لب و لہجہ کے اور کوئی دوسری خصوصیت نہیں پائی جاتی۔ غصہ میں گفتگو کا جو انداز میر حسن نے پیش کیا ہے اس کی مثال آج بھی قصاب لوگوں میں مل جاتی ہے۔

دوسرا قصہ :۔ ایک کلاونت اور اس کے مہمان کا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کسی کلاونت کے گھر ایک مہمان آیا۔ اس باتمیز کلاونت نے حسب حیثیت مہمان کی خاطر شروع کی:

کلاونت تھا ایک باتمیز ہوا ایک مہمان اس کا عزیز
کہا اس نے ٹک آپ ستائیے کوئی دم میں لاتا ہوں کھائیے

مہمان اتنا خوشتر خور اک تھا کہ اس نے پورے گھر کا کھانا کھا لیا۔ عالم یہ تھا کہ قریب گھر کے اندر خشکا لینے گیا تو میاں جی نے دال ختم کر دی، قلیہ لینے کے لئے بڑھا تو خشکا صاف ہو چکا تھا۔ روٹیاں لایا تو قلیے کی پلیٹ دم توڑ چکی تھی۔ اس دوڑ دھوپ میں جانے کیوں کلاونت کا چھوٹا بچہ رونے لگا اُسے روتے دیکھ کر جھنجھلائے ہوئے کلاونت نے کہا:

کہا چپ چور رہتا ہے تو رہ نہیں ابھی تجھ کو دوں ہوں میاں کی نئیں

تیسری نقل دو جوان دوستوں کی ہے جن میں بڑا پیار اور اخلاص تھا۔ دوستی قایم رکھنے کے لئے انہوں نے فیصلہ کیا کہ شادی بھی ایک لڑکی سے کی جائے۔ اور ہونے والی بیوی دونوں کی مشترکہ محبوبہ ہو۔

انہوں میں یہ تھی بے محل دوستی کہ ایک جورو کا پس میں دونوں نے کی
غرض انمیں معمول تھا روز و شب کہ سوتے تھے مل کر پلنگ پر یہ سب
جو عشرت کا آتا کسی کو خیال تو کرتا تھا ایک ایک کو گوشمال
پکڑتا جہاں ایک کا ایک کان اتا کانی دے جاتا اس دم جوان

اتفاقاً عورت کے تعلقات کسی نتیسرے مرد سے ہو گئے۔ اور اُس نے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

انہیں ہی کے مضمون سے لیکر داد بطور مثالث کیا مستزاد

وہ جب تسیر ابیٹھا بستر پہ آن لگا کھینچنے تب وہ دونوں کے کان

کان مروڑے جانے کے ساتھ دونوں حسب عادت کروٹ بدل کر سوگئے اور تسیر اعاشق منہ کا لاکر کے لوٹ گیا۔ دوسرے دن جب یہ خبر پھیلی تو دونوں نے شرم اور ڈر کی وجہ سے کانوں پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

رکھا ڈر کے دونوں نے کانوں پہ ہاتھ

کہا ناک جاوے گی کانوں کے ساتھ۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

باب سوم

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مثنوی سحر البیان

میر حسن نے کم و بیش اٹھارہ سال میں پندرہ مثنویاں یادگار چھوڑیں۔ مثنوی شادی ۱۱۸۱ھ ان کی پہلی اور سحر البیان ۱۱۹۹ھ آخری تصنیف ہے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ ان کا پہلا نقش اور آخری کارنامہ دونوں نواب آصف الدولہ کی ذات سے متعلق ہیں۔ پہلی مثنوی کا محرک اظہار خلوص کی خواہش اور عزو شرف حاصل کرنے کی تمنا تھی۔ آخری مثنوی یعنی سحر البیان عذر تقصیر قبول ہونے کی امید میں لکھی گئی۔ "مثنوی شادی" کا آخری شعر ملاحظہ کیجیے۔

زر کی کچھ اس سے نہیں مجھ کو طرف
گر قبول افتد زہے عزو شرف [۱]

مثنوی سحر البیان میں "در بیان عذر تقصیر" کے تحت مرقوم ہے ؎

مرا عذر تقصیر ہووے قبول
بحق علیؑ و بہ آل رسولؐ [۲]

---

[۱] مثنوی شادی کلیات میر حسن مسلم یونیورسٹی علی گڑھ قلمی

[۲] مثنوی شادی کلیات میر حسن مسلم یونیورسٹی علی گڑھ قلمی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اشعار مذکورہ بالا کے مطالعہ سے دونوں مثنویوں کے تخلیقی مقاصد کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ صاحب تذکرہ خوش معرکہ زیبا نے سحر البیان کے سبب تخلیق پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے۔

"بسبب تقاضائے جوانی محل کی ایک عورت سے محبت اور موانست ہوئی چونکہ طبیعت موزوں تھی پاس خاطر معشوقہ مثنوی بے نظیر تصنیف کی"[1]

صاحب تذکرہ کے بیان سے دو تین باتیں معلوم ہوتی ہیں اول یہ کہ میر حسن محل کی کسی عورت سے محبت کرتے تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مثنوی "بہ پاس خاطر معشوقہ" کہی گئی۔ میر حسن کی داستانِ عشق کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں مثنوی گلزار ارم میں محبوبہ دلنواز کے متعلق فرماتے ہیں۔

وہاں بھی میں نے اک محبوب پایا	نہایت دل کا وہ مرغوب پایا
کہوں کیا اس کے اوصاف حمیدہ	نہایت دلفریب اور شوخ دیدہ
نئی طرزوں سے میرے دل کو پھیرا	بھلایا غم قدیمی اس نے میرا
غرض دل دے کے اپنا ہاتھ اسکے	رہا آرام سے میں پاس اس کے[2]

---

[1] تذکرہ خوش معرکہ زیبا قلمی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

[2] اس سے پہلے دہلی میں میر حسن ایک بت سے دل لگا چکے تھے۔ گردش روزگار نے ترک وطن پر مجبور کیا۔ اس کی جدائی کے بعد میر حسن کی حالت ملاحظہ کیجئے۔

ہوا آوارہ وہ ہندوستان حیف سے — قضا پورب میں لائی مجھ کو تب سے

(اگلے صفحہ پر)

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تذکرہ بالا اشعار فیض آباد کی تعریف کے سلسلے میں کہے گئے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ میر حسن کو دوسرا محبوب فیض آباد میں ملا۔ یہاں وہ نواب سالار جنگ کے لڑکے سردار جنگ کی سرکار میں ملازم تھے۔ ممکن ہے کہ خلوص و محبت نے آقا و غلام کے درمیان پڑے ہوئے پردۂ تفریق کو ہٹا دیا ہو۔ محل میں آمد و رفت شروع ہوئی۔ بیگمات محل بے پردہ سامنے آنے لگیں صاحب تذکرہ بہار بے خزاں نے سحر البیان کی خوبیوں پر اظہار خیال کرتے ہوئے اس طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ لیکن مثنوی کی جو وجہ تخلیق خوش معرکہ زیبا میں ملتی ہے اس کی تصدیق کسی اور ذریعہ سے نہیں ہوتی ہے۔

مثنوی گلزار ارم ۱۱۹۲ھ کی تصنیف ہے۔ میر حسن اس وقت لکھنؤ میں تھے۔ تذکرہ شعرائے اردو ۱۱۹۱ھ میں مکمل ہو چکا تھا۔

تذکرہ کی تکمیل تک میر حسن فیض آباد میں رہے تذکرہ کی تکمیل اور گلزار ارم کی تصنیف میں تقریباً ایک سال کا فرق ہے۔ اس بحث سے دو باتیں واضح ہو جاتی ہیں اول یہ کہ میر حسن تذکرہ شعرائے اردو کے اختتام کے فوراً بعد فیض آباد سے لکھنؤ چلے آئے۔ دوم یہ کہ مثنوی میں جس محبوب کا

(گزشتہ صفحہ سے آگے)

لگا تھا ایک بت سے واں مرا دل ۔۔۔ ہوئی اس کی جدائی سخت مشکل
مری آنکھوں میں وہ صورت کھڑی تھی ۔۔۔ پیالی میں وہ چینی سی جڑی تھی
اگرچہ واں سے میں آنے کو آیا ۔۔۔ ولے اسکی جدائی نے ستایا
چلا گاڑی میں یوں آیا میں ناچار ۔۔۔ قفس میں جس طرح صید گرفتار

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ذکر ملتا ہے وہ میر حسن کو ۱۱۹۱ھ سے پہلے ملا ہوگا۔ اب اگر مثنوی محبوب دلنواز کی "خاطر" کہی گئی تو اس کا مطلب ہے کہ اس کی تصنیف کا سلسلہ اسی زمانے میں شروع ہو گیا ہوگا۔

سحر البیان ۱۱۹۹ء میں مکمل ہوئی۔ مصحفی، مرزا قتیل اور فخر الدین ماہر نے تاریخیں کہیں۔

تاریخ طبعزاد مرزا قتیل

بہ تفتیش تاریخ ایں مثنوی — کہ گفتش حسن شاعر دہلوی
زدم غوطہ در بحر فکر رسا — کہ آدم بکف گوہر مدعا
بگوشم ز ہاتف رسید ایں ندا
بریں مثنوی باد ہر دل فدا

تاریخ طبعزاد مصحفی

میاں مصحفی کو جو سوجھا یہ طور — انھوں نے بھی کی فکر از راہ غور
کہی اس کی تاریخ یوں برمحل — یہ بتخانۂ چین ہے بے بدل

۱۱۹۹ھ

تاریخ طبعزاد فخر الدین ماہر

سنی جبکہ ماہر نے یہ مثنوی — تو محظوظ ہو فکر تاریخ کی
یہ مصرع پڑھا دل میں پاکر فرح — ہے اس مثنوی کی یہ نادر طرح

۱۱۹۹ھ

تذکرہ طبقات سخن میں لکھا ہے کہ۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

"چوں ملازم نواب آصف جاہ گردید وقتے مزاج آصف جاہ از طرف او آزردہ شد، ناز لکھنؤ بدر کردند۔ بعد چندے کہ سحر البیان را بفصاحت تمام در زبان محل طرح زادہ بہ حضور آوردہ بسیارے از صلہ و اکرام سرفرازی یافت۔"[۱]

بوستان اودھ دفتر دوم میں درگا پرساد نے لکھا ہے

"مثنوی بہ بحر متقارب مشتمل بر قصہ بے نظیر و بدر منیر بر نام آصف الدولہ بہادر گفتہ پیش نمود۔"[۲]

صاحب مجموعہ سخن کا خیال ہے کہ

"جب قصہ بے نظیر کہہ کر نواب آصف الدولہ بہادر کے حضور میں سنایا تب انہوں نے ایک دوشالہ ملبوس خاص عنایت فرمایا۔"[۳]

ان اقوال کے علاوہ یہ بات بھی ذہن نشین ہونی چاہیئے کہ اگر مثنوی سحر البیان محبت کی یادگار تھی تو نواب آصف الدولہ کے دربار میں پیش کرتے وقت "در بیان عذر تقصیر" میں یہ اشعار کیوں کہے گئے۔

فلک بارگاہا ملک درگہا — جدا میں جو قدموں سے تیرے رہا
نہ کچھ عقل نے اور نہ تدبیر نے — رکھا مجھکو محروم تقدیر نے

---

[۱] تذکرہ طبقات سخن تالیف گاندھی فیض عام کالج شاہجہاں پور
[۲] بوستان اودھ درگا پرشاد دفتر دوم مطبوعہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
[۳] فرہنگ مجموعہ سخن حصہ اول مطبوعہ ۱۸۸۸ء " " "

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کہ اب عقل نے میر گھولے ہیں گوش — دیا ہے مدد نے تیری مجھکو ہوش
سو میں اک کہانی بنا کر نئی — در فکر ہے گو ندھ لڑیاں کئی
لے آیا ہوں خدمت میں یہ نیاز — یہ امید ہے پھر کہ ہوں سرفراز
مرا عذر تقصیر ہو دے قبول — بحق علیؑ و بہ آل رسولؐ
رہیں شاد و آباد کل خیر خواہ — پھریں اس گھرانے کے دشمن تباہ
رہے جاہ و حشمت یہ تیری بلند — بحق محمدؐ علیہ السلام

ان اشعار کو عجز و انکسار مصنف کہہ کر آگے نہیں بڑھا جا سکتا۔ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ مثنوی کی تخلیق سے پہلے نواب آصف الدولہ اور میر حسن کے درمیان کوئی ایسی بات ضرور ہوئی جس سے مزاج عالی برہم ہو گیا۔ اور اس برہمی کو دور کرنے کے لئے میر حسن مثنوی سحر البیان کہہ کر دربار عالی میں معافی کے خواستگار ہوئے۔ طبقات سخن میں مرقوم ہے۔

چوں ملازم نواب آصف جاہ گردید بوقتے مزاج آصف جاہ از طرف او آزردہ شد از لکھنؤ بدر کردند چندے کہ سحر البیان را بفصاحت تمام در زبان محل طرح زادہ بہ حضور آوردہ بسیارے از صلہ و اکرام سرفرازی یافت۔

اس قول سے تین باتیں واضح طور پر معلوم ہوتی ہیں اول یہ کہ نواب کی خفگی سے پیشتر میر حسن کا[1] تعلق دربار سے تھا۔ دوم یہ کہ نواب نے

---

[1] تذکرہ طبقات سخن قلمی گاندھی فیض عام کالج شاہجہاں پور۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میر حسن کو لکھنؤ سے شہر بدر کر دیا تھا سو یہ کہ خفگی کے بعد مثنوی کہی گئی " بیان عذر تقصیر " سے دو باتوں کی تصدیق ہو جاتی ہے۔

خاک بار گاہا ملاک درگہا — جدا میں جو قدموں سے تیرے رہا
نہ کچھ عقل نے اور نہ تدبیر نے — رکھا مجھ کو محروم تقدیر نے
سو میں اک کہانی بنا کر نئی — دُر فکر سے گوندھ لڑیاں کئی
لے آیا ہوں خدمت میں بہر نیاز — یہ اُمید ہے پھر کہ ہوں سرفراز

شہر بدر ہونے کے متعلق میر حسن خاموش ہیں مگر شعر کے دوسرے مصرعہ الخ، جدا میں جو قدموں سے تیرے رہا، کا مطالب دربار سے علیحدگی بھی ہو سکتی ہے لیکن اگر طبقات سخن کی تحریر پر اعتماد کیا جائے تو شہر بدر ہونا بھی مراد لے سکتے ہیں۔ میرے خیال میں تذکرہ نگار کا قول بڑی حد تک حقیقت سے قریب ہے۔ عذر تقصیر میں یہ بات کھل کر نہیں کہی جا سکتی تھی کہ آپ نے مجھے شہر بدر کر دیا تھا۔ ہاں میں نے ایسی غلطی کی تھی جس کی سزا دہی تھی جو حضور نے تجویز کی۔ ممکن تھا کہ مزاج عالی دوبارہ برہم ہو جاتا اور اس بار قابل گردن زدنی سمجھے جاتے۔ لہٰذا میر حسن نے اچھوتے انداز میں گزرے ہوئے واقعہ کی طرف اشارہ کر دیا جو نہ اعتراض کا سبب بن سکتا ہے اور نہ اسے سزا کی وجہ قرار دے سکتے ہیں۔ میر حسن کے شہر بدر ہونے کی تصدیق جواہر علی خاں کی مدح میں کہی گئی مثنوی کے اس شعر سے بھی ہوتی ہے ؎

فلک کی یہ ستھا کج روی سے بعید — کہ دو سال ہو مجھ کو بنگلے میں عید

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے کہ مثنوی کی تخلیق سے پیشتر میر حسن فیض آباد میں نہیں تھے۔

میر حسن ۱۱۹۱ھ یا ۱۱۹۲ھ کے درمیان لکھنؤ گئے۔ قیاس کہتا ہے کہ دو سال کے بعد کسی غلطی کی بنا پر مورد الزام ٹھہرے اور شہر بدر کر دیئے گئے فیض آباد کے علاوہ ..... ملک کے کسی اور حصے میں جا نہیں سکتے تھے چنانچہ دوبارہ وہیں آ گئے اور کچھ دنوں کے بعد سحر البیان" کہہ کر دربار میں معافی کے خواستگار ہوئے۔ اگر یہ قیاس صحیح سمجھ لیا جائے تو سحر البیان کی تصنیف کا زمانہ تقریباً ۱۱۹۴ھ یا ۱۱۹۵ھ قرار پائے گا۔ صاحب طبقات سخن کے اس قول "بعد چندے کے سحر البیان را فصاحت تمام طرح دادہ بہ حضور آوردہ" کا مطلب تقریباً یہی سمجھا جائے گا۔ مگر میر حسن کہتے ہیں ؎

دُر منصفو داد کی ہے یہ جا	کہ دریا سخن کا دیا ہے بہا
برس عمر کی اس کہانی میں صرف	تب ایسے یہ نکلے ہیں موتی سے حرف
جوانی میں جب ہو گیا ہوں میں پیر	تب ایسے ہوئے ہیں سخن بے نظیر

ان اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ سحر البیان پانچ سال کی کاوش کا نتیجہ نہیں ایک عمر کی محنت کا حاصل ہے لہٰذا اس کی ابتدا غالباً اس زمانہ میں ہو چکی تھی جب وہ نواب سالار جنگ کے لڑکے نوازش علی کی سرکار سے وابستہ تھے۔ محل کی عورتوں سے محبت و موالنت کا ثبوت نہیں ملتا۔ ممکن ہے کہ "یاس خاطر معشوقہ" تصنیف کی ابتدا ہوئی ہو یا اس

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ماحول نے تحریک پیدا کی ہو مگر بیان عذر تقصیر سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دربار سے خارج اور شہر بدر ہونے کے بعد میر حسن نے اسے رسائی حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا۔

تمام امور و اقوال پر غور کرنے کے بعد یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ میر حسن آصف الدولہ کی سرکار سے وابستہ ہونے سے پہلے مثنوی سحر البیان کی ابتداء کر چکے تھے۔ نواب کے لکھنؤ جانے کے بعد فیض آباد کی رونق کم ہونے لگی۔ امرائے ریاست دھیرے دھیرے لکھنؤ جانے لگے میر حسن بھی تلاش معاش میں لکھنؤ جانے پر مجبور ہوئے۔ دربار میں کامیابی حاصل ہوئی مگر کسی نہ معلوم غلطی کی بنا پر مزاج آصف الدولہ برہم ہو گیا اور انھیں دربار سے خارج کر کے شہر بدر کر دیا گیا۔ نواب کی سخاوت اور علم دوستی کا شہرہ عام تھا۔ کرداروں کی خامیاں اور خوبیاں عوام و خواص بخوبی جانتے تھے۔ میر حسن اس ذہنی انتشار کے زمانے میں بھی "سحر البیان" کے اشعار کی صورت میں سخن کا دریا بہاتے رہے۔ معاشی مجبوری نے آصف الدولہ سے بار بار معافی مانگنے پر مجبور کر رہی تھی، مگر سوال یہ تھا کہ کس بہانے سے دربار میں حاضر ہوا جائے۔

مثنوی مکمل ہوئی اور میر حسن "در بیان عذر تقصیر" کے تحت چند اشعار کا اضافہ کر کے حاضر ہوئے مگر "بیان سخاوت" میں یہ شعر آ گیا۔

سخاوت یہ اک اس کی ادنیٰ سی ہے کہ اک دن دو شالے دیئے سات سے[1]

[1] (سات سو)

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس سے پیشتر نواب آصف الدولہ بہادر نے اپنے متعلقین و مقربین میں چودہ سو دوشالے تقسیم کرائے تھے شعر سن کر کبیدہ خاطر ہوئے۔ بوستان اودھ دفتر دوم میں مرقوم ہے

"مثنوی بہ بحر متقارب مشتمل بر قصہ بے نظیر و بدیع نظیر بہ نام آصف الدولہ گفتہ پیش نمود۔ اتفاقاً در مدح این شعر بر آمد

سخاوت یہ ادنیٰ اسی اک آئی ہے کہ اک دن دو شالے دیئے سات سے

از آں جا نواب والا جناب قبل ازیں بہ دو سہ روز یکہ از چہار صد دوشالہ بہ مقربین و تابعین را مرحمت فرمودہ بود بنا بر آں مضمون شعر خلاف مزاج افتاد۔ ہماں دم حکم اخراجش فرمودند تا بیموجب قطع تعلق از آں جا نمودہ چار و ناچار اختیار غربت و کربت خود کرد"[1]

نرہنگ مجموعہ سخن حصہ اول میں لکھا ہے کہ۔

"جب قصیدہ بے نظیر کہہ کر نواب آصف الدولہ کے حضور میں سنایا تب انھوں نے ایک دوشالہ ملیوس خاص عنایت فرمایا لیکن عجیب واقعہ یہ ہوا کہ مثنوی سناتے سناتے نواب آصف الدولہ بہادر کی مدح میں یہ مصرعہ نکل آیا (کہ اک دن دو شالے دیئے سات سے) اور چونکہ آصف الدولہ بہادر کے حکم سے ایک دن میں چودہ سو دوشالے بانٹے گئے تھے پس یہ مصرع سن کر نہایت بد دماغ ہوئے بلکہ مشہور ہے کہ قید

---

[1] بوستان اودھ در گلابرساد مطبوعہ دفتر دوم مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بھی گیا۔ اسی وجہ سے بعض لوگ مثنوی مذکور سخنوں کہتے ہیں [۱]

"بیان عذر تقصیر" کے آگے کہانی کی داستان شروع ہوتی ہے۔ شعر زیر بحث جس کو سن کر آصف الدولہ بد دماغ ہوئے میر حسن کو شہر بدر کر دیا پہلے آتا ہے۔ مجموعہ سخن حصہ اول کی روایت کے مطابق نواب نے ایک دوشالہ ملبوس خاص عنایت فرمایا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پوری مثنوی باقاعدہ پڑھی گئی اور نواب مرحوم نے خوش ہو کر یہ انعام مرحمت فرمایا۔ لہٰذا قیاس یہ کہتا ہے کہ اس شعر کی طرف توجہ دلائی گئی تذکرہ خوش معرکہ زیبا میں لکھا ہے۔

نواب قاسم علی خاں نے جب مثنوی ان سے سنی۔ فرمایا کہ مجھے دوکہ میں تمہاری طرف سے نواب آصف الدولہ بہادر کے حضور میں مثنوی لے جاؤں میر حسن بخیال اس کے کہ مبادا اور کسی کے نام سے حضور کے سامنے گزرے مثنوی کے دینے میں انکار کیا۔ بعد چندے میر حسن صاحب مع مثنوی اور کسی سے تقریب حضور میں پہنچے۔ نواب سابق الذکر کے فسانہ رفتہ سے آزردگی رکھتے تھے نواب صاحب کی تعریف میں بول اٹھے یہ جو کہتے ہیں کہ "اک دن دوشالے دیئے سات سے" حضور نے تو ہزار دوشالے ان واحد میں بخش دیئے ہیں شاعری میں مبالغہ ہوتا ہے یہاں بیان واقعہ میں بھی کمی ہے [۲]

---

[۱] فرہنگ مجموعہ سخن اول ص۸

[۲] فرہنگ مجموعہ سخن اول ص۸

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس قول سے یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ نواب قاسم علی خاں نے شعر زیر بحث کی طرف مثنوی ختم ہونے کے بعد اشارہ کیا؛ جب میر حسن نے شعر پڑھا اسی وقت ان کی غلطی کی طرف اشارہ کر دیا دو شالہ خاص عنایت کرنے کی روایت کو ذہن میں رکھتے ہوئے دو شالہ کا حوالہ شیر علی افسوس کے یہاں بھی ہے[1] گمان غالب ہے کہ نواب کی توجہ بعد میں مبذول کرائی گئی۔ نواب قاسم علی خاں کے متعلق جو روایت خوش معرکہ زیبا میں منقول ہے اس کا ثبوت کہیں اور نہیں ملتا۔ واقعہ غالباً یوں ہوا ہوگا کہ مثنوی سننے کے بعد نواب نے دو شالہ عنایت کیا، حاسدان مجلس یا حاضرین مجلس میں سے کسی نے شعر کی طرف اشارہ کیا تو نواب برہم ہو گئے اور میر حسن کو دربار سے دوبارہ خارج کر دیا گیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دو شالہ انعام ملنے کے بعد اس کی رعایت سے حاضرین دربار میں سے کسی نے شعر کی دوبارہ فرمائش کر دی ہو۔ اس طرح آصف الدولہ کا ذہن میر حسن کے بیان کی خامی تک پہنچ گیا ہو۔ واقعہ کی صورت کچھ بھی ہو مگر بیان کی خامی کی طرف بہر حال مثنوی ختم ہونے کے بعد اشارہ کیا گیا ورنہ دو شالہ تو کجا بیان سماعت کے بعد نواب آصف الدولہ مثنوی سننا بھی گوارا نہ کرتے۔

---

[1] خوش معرکہ زیبا قلمی مسلم یونیورسٹی

[2] دیباچہ سحر البیان قلمی شیر علی افسوس، ایشیاٹیک سوسائٹی کلکتہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

گزشتہ صفحات کی تحقیقات کو سامنے رکھنے سے سحر البیان کا مطالعہ تحقیق و تنقید کے مختلف پہلو پیش کرتا ہے۔ قاری کو مثنوی کی تحریر کا مقصد، عورتوں کی زبان کا راز سادگی اور پرکاری کی وجہ معلوم ہو جاتی ہے۔ مثنوی کی ابتدا بہ پاس خاطر معشوق ہوئی یا بغرض معافی، دونوں صورتوں میں مقصد یہی تھا کہ مثنوی بیگمات محل میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی جائے۔ اور آصف الدولہ بہادر کی خفگی دور ہو جائے۔ نواب عیش و عشرت کے شیدائی تھے۔ پورا ماحول اسی رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ جاگیردارانہ نظام زوال آمادہ تھا۔ اور زندگی انحطاط پذیر، معاشی و سماجی حالات اور کمپنی بہادر کے بڑھتے ہوئے اختیارات بتا رہے تھے کہ موجودہ زندگی کے ساتھ نظام زندگی بہت جلد بدل جائے گا۔ لکھنؤ کا عروج ظاہری اور غیر حقیقی ہے۔ نواب کی فیاضیاں دکھاوا اور صرف دکھاوا ہیں یہاں تک کہ علوم کی سرپرستی، شعر و ادب سے دلچسپی اور انسانیت سے محبت بھی آصف الدولہ کی فطرت نہیں عادت تھی۔

عام زندگی میں حقائق سے آنکھیں بچا کر چلنے والے شعر و ادب کی دنیا میں بھی اس تلخی کو گوارا نہیں کرتے۔ نواب آصف الدولہ کی سرکار سے واجد علی شاہ کے دربار تک دیکھئے مرثیہ کے علاوہ نظم و نثر میں شاید ہی کوئی المیہ داستان یا رزمیہ مثنوی عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھی گئی ہو یا انعام و اکرام کی مستحق سمجھی گئی ہو۔ درباروں سے ہٹ کر بازاروں میں بھی فراریت کا یہی رجحان عام تھا۔ زندگی سے آنکھیں چار کرنے کے لئے ہمت

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ختم ہو چکی تھی شاعر شہر در بدر ہونے کے بعد جن جن مصائب کا شکار ہوا ہوگا، ان کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیئے تھا کہ مثنوی المیہ ہوتی اور خود شاعر کی مجبوریوں کا مرقع بن کر سامنے آتی لیکن سحر البیان المیہ ہونے کے بجائے طربیہ ہے۔ وجہ صرف یہ ہے کہ آصف الدولہ جیسے نواب کے یہاں المیہ مثنوی پیش کر کے میر حسن کسی طرح کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔ خان رشید صاحب اردو کی تین مثنویاں میں لکھتے ہیں۔

"انہوں نے رزمیہ کی جگہ بزمیہ پر سارا زور قلم صرف کیا۔ اس کا ایک بنیادی سبب یہ تھا کہ میر حسن پوری طرح رزمیہ سے واقف نہ تھے۔ ان کی کسی مثنوی میں رزم کے مواقع نہیں پیدا ہو سکے"[1]

میں یہ نہیں کہتا کہ میر حسن رزمیہ سے واقف تھے عرض یہ کرنا چاہتا ہوں کہ اگر رزمیہ سے واقف ہوتے بھی تو آصف الدولہ کے دربار کے لئے بزمیہ مثنوی ہی لکھ کر لے جاتے۔

سحر البیان کی تخلیق کے وقت بڑھتی ہوئی معاشی مجبوریاں حالات میں ہیجان پیدا کرتی رہی ہوں گی۔ آنسوؤں کو تبسم بنا کر پیش کرتے ہوئے میر حسن کے دل پر کیا کچھ نہ بیتی ہوگی مگر پھر بھی بے قابو نہ ہوئے خان رشید صاحب لکھتے ہیں:

"زندگی اچھی گزری اس لئے حزنیہ مضامین اوّل تو ہیں ہی نہیں اور جو

---

[1] اردو کی تین مثنویاں خان رشید ۳۴ مطبوعہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہیں بھی تو ان میں یاس اور غم کی داخلیت کا فقدان ہے[1]

میر حسن کی پوری زندگی پریشان حالی میں بسر ہوئی۔ تذکرہ شعرائے اردو میں ضبط کے باوجود یہ راز فاش ہو جاتا ہے۔ حزنیہ مضامین کی کمی کی وجہ ماحول کے اثرات ہیں۔ میر حسن کا کمال یہ ہے کہ پوری مثنوی پڑھ جایئے کہیں احساس نہیں ہوگا کہ ان اشعار کا خالق تخلیق کے وقت شہر بدر کر دیا گیا تھا اور حصول معاش کے تمام دروازے بند کر دیئے گئے تھے۔ مثنوی آصف الدولہ کے دربار میں پیش نہ کی جانے والی ہوتی تو شاید یاس کا انداز کچھ اور ہوتا حزنیہ مضامین یہاں آتے ان میں یاس و غم کی داخلیت کا فقدان نظر نہ آتا جو اس وقت ملتا ہے۔

بہو بیگم نجم الدولہ اسحٰق خاں شوشتری کی لڑکی اور محمد شاہ کی منہ بولی بیٹی تھی۔ قلعہ معلی میں پلی بڑھیں۔ والد مرحوم کے بعد بھائیوں کا دربار سے قریبی تعلق رہا۔ خود میر حسن کا بچپن جامع مسجد کی سیڑھیوں، دلی کے بازاروں اور قلعہ معلی کی چہار دیواری کے سایے میں گزرا۔ خواجہ میر درد، میر تقی میر اور سودا کا دور دیکھا۔ دلی کی تمام قدریں رگ و پے میں سمائی ہوئی تھیں۔ فیض آباد آئے تو نواب سالار جنگ کی سرکار میں ملازمت کر لی۔ بیگمات محل کی صحبت نے زبان کی سادگی میں شیرینی پیدا کی۔ عاشقانہ قصہ، طربیہ انداز، سادہ و شیریں زبان، محل کا رکھ رکھاؤ، طور طریقہ، لونڈیوں کی چھیڑ،

[1] اردو کی تین مثنویاں خان رشید صفحہ ۳۴ مطبوعہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

چھاڑ، لاگ ڈانٹ ان کی چہلیں اور شوخیاں، بیگمات کا حسن، عمزہ و ناز، انداز و ادا، تکلفات امارت و اختراعات طرز دلبری، غرض تمام چیزیں سامنے تھیں۔ انھیں حقائق کو تقریر کی لذت عطا کر کے سحر البیان کی صورت میں ڈھال دیا۔ زبان کی سادگی دہلی کا فاصا سہی لیکن شیرینی اور لچک لکھنؤ کے ماحول کی دین ہے۔ صاحب تذکرہ بہار بے خزاں کی نگاہیں اس حقیقت تک بہت پہلے پہنچ گئی تھیں۔

"بہ سرکار نواب سردار جنگ خلف نواب سالار جنگ کامیاب بودہ لہجہ زبان بیگمات از حسن صورت پردگیاں آمینہ رو از سر اوق عصمت نواب نامدار بودند و بے حجابانہ بیل و نہار بالایشان چشم دوچار داشتہ ہم رسانیدہ و تکلفات امارت و اختراعات طرز دلبری و دلداری را نیدہ از آنکہ در مثنوی بہ مبالغہ گفتہ بہ چشم سر دیدہ و جا بجا کمزہ با مال نگاہ و عشوہ صرف تماشا بخرا دا بود سر تلاش مضمون و لفریب داشتہ القصہ آں جا کہ در ہر کرشمہ صد داد در ہر عمزہ ہزار سحر نمایاں بودند مضمونے کہ می جست پیش می یافت گویا مضمون حاضر را بہ تکلف بہ تکلف غائبانہ بستہ داد مشہوری دادہ"[1]

مشہور ہے کہ شاہنامے لکھتے وقت فردوسی کا کرہ آلات حرب سے سجا دیا گیا تھا۔ قدرت نے میر حسن کو سحر البیان لکھنے سے پہلے وہ زندگی عطا کر دی جس کے بغیر تکمیل کا کام اس حسن و خوبی سے انجام نہیں پا سکتا تھا فردوسی اور میر حسن دونوں کا مطالعہ وسیع تھا۔ یوں تو آلات حرب سے دوسرے شعراء کا مکان بھی سجا یا۔

---

[1] تذکرہ بہار بے خزاں قلمی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جاسکتا تھا۔ نوازش علی کی سرکار میں کوئی دوسرا شاعر بھی اسی طرح کامیاب ہو سکتا تھا مگر شاہنامہ اور سحر البیان کی تخلیق فردوسی اور میر حسن کے علاوہ کسی اور شاعر سے ممکن نہیں تھی۔

کہا جاتا ہے کہ سحر البیان میں عریاں نگاری بہت ہے۔ حضرت انشاؔ کہتے ہیں۔

مثنوی نہیں کہی ہے سانڈے کا تیل بیچتے ہیں [1]

جن اشعار کا سہارا لے کر مثنوی سحر البیان پر عریانیت کا الزام لگایا جاسکتا ہے یہ ہیں۔

"داستان حمام میں نہانے کی"

ہوا جب کہ داخل وہ حمام میں — عرق آگیا اس کے اندام میں
تنِ نازنیں نم ہوا اس کا کل — کہ جس طرح ڈوبے ہے شبنم میں گل
پر ستار بانہے ہوئے لنگیاں — مہ و مہر سے تاس لے کر نہاں
لگے ملنے اس گل بدن کا بدن — ہوا ڈھڑا آب سے وہ چمن
نہانے میں یوں تھی دمک بدن کی تمک — برسنے میں بجلی کی جیسے چمک

* * * * * * * *

گیا حوض میں جو شہِ بے نظیر — پڑا آب میں عکس ماہِ منیر
وہ گورا بدن اور وہ بال سے تر — کہے تو کہ ساون کی شام و سحر

---

[1] دریائے لطافت انشاء اللہ خاں ۔

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نئی سے تھا پالوں کا عالم عجب — نہ دیکھی کوئی خوب تر اس سے شب
کہوں اُسکی خوبی کی کیا تجھ سے بات — کہ یوں بھیگتی جائے ہے بحث میں رات
زمرد کے لے ہاتھ میں سنگِ پا — کہا خادموں نے جو آہنگِ پا
ہنسا کھلا وہ گل تو بہار — لیا کھینچ پاؤں کو بے اختیار
عجب عالم اس نازنیں پر ہوا — اثر گدگدی کا جبیں پر ہوا
ہنسا اس ادا سے کہ سب ہنس پڑے — ہوئے جی سے قربان جھٹکے پڑے

سیر کے بعد بے نظیر واپس آکر کوٹھے پہ سوتا ہے۔ بدر منیر دیکھتے ہی ہزار جان سے قربان ہو جاتی ہے۔

بھبھو کا سا دیکھا جو اس کا بدن — جلا آتش عشق سے اسکا تن
ہوئی حسن پر اسکی جی سے نثار — وہ تخت اپنا لائی ہوا سے اتار
جو دیکھا تو عالم عجب ہے یہاں — منور ہے سارا زمین آسماں
دوپٹے کو اس مہ کمنہ سے اٹھا — دیا گال سے گال اپنا ملا
اگرچہ ہوئی تھی زیادہ ہوس — ولیکن حیا نے کیا اس کو بس
مئے عشق میں پھر یہ سوجھی ترنگ — کہ لے چلے اس کا امانت پلنگ

بدر منیر کا سراپا بیان کرتے ہوئے میر حسن لکھتے ہیں۔

وہ کرتی وہ انگیا جواہر نگار — نیا باغ اور اب ہے اسکی بہار
وہ چھب تختی اور اسکی کرتی کا چاک — ترائے کی انگیا کسی ٹھیک ٹھاک
جھلک پائجامہ کی دامن سے یوں — کہ روشن ہو فانوس میں شمع جوں

کمر اور زانو کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

زلیخا مثل آئینہ تھا اس کا تن — کہے لو کہ تھی ناف عکس ذقن
کمر کو کہوں کیا کہ کیا ہے اسکے بیچ — نہ آوے نظر تو ہے قسمت کا پیچ
وہ زانو کہ آجائے گر اس پہ ہاتھ — رہے عمر بھر ہاتھ زانو کے ساتھ

معترضین کو سب سے زیادہ اعتراض وہ بے نظیر اور بدر منیر" کی داستان وصال پر ہے۔ اشعار ملاحظہ کیجئے۔

غرض آخر شب بعد راز و نیاز — وہ مسند پہ بیٹھی بصد امتیاز
ہوا سیر تو مہ لگے گلگوں کا دور — ہوئے اور ہی اور کچھ واں کے طور
ہوئے جبکہ بدمست وہ مارو — لگی ان میں ہونے عجب گفتگو
کہ دستے جو نرگس کے تھے واں ہزار — لگے ڈھانپنے منہ کو بے اختیار
خواصیں جو تھیں وہ بروہٹ گئیں — بہانے سے ہر کام کے بٹ گئیں
غرض رفتہ رفتہ وہ مدہوش ہو — چھپر کھٹ میں لیٹے ہم آغوش ہو
لیا کھینچ انہوں نے جو پردہ شتاب — چھپے ایک جا وہ مہ و آفتاب
لگی ہونے بے پردہ چھیڑ چھاڑ — ورق خس کے کھل گئے در کوار
لگے پینے باہم شراب وصال — ہوئے نخل امید سے وہ نہال
لبوں سے ملے لب دہن سے دہن — دلوں سے ملے دل بدن سے بدن
لگی آنکھ سے آنکھ خوشحال ہو — گئیں حسرتیں دل کی پامال ہو
لگی جلے کے چھاتی جو چھاتی کے ساتھ — چلے ناز و غمزے کے آپس میں ہاتھ
کسی کی گئی چولی آگے سے چل — کسی کی گئی چین ساری نکل
عمم و درد دامن کشیدہ ہوئے — وہ گل نار سیدہ رسیدہ ہوئے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اٹھے پی کے باہم شراب اُمید — کوئی سرخرو اور کوئی رو سپید
چھپر کھٹ سے باہر رکھا اپنے قدم — نکل آئے بھرتے محبت کا دم
نشہ سے وہ لذت کے بیہوش ہو — گئے بیٹھ مسند پہ خاموش ہو
کیے آنکھ نیچی ادھر نازنیں — عرق ہیں ادھر غرق وہ مہ جبیں

دکن کی مثنوی میں شعرا میر حسن سے کہیں زیادہ کھل کھیلے ہیں۔ وجہی کی قطب مشتری کے علاوہ آخری باب "بردن محمد قلی قطب شاہ بکابت مشتری" کے مقابلہ میں میر حسن کی عریانی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ نکاح میں جبریل علیہ السلام قاضی اور فرشتے مہمان بن کر آتے ہیں، تقریب بخیر و خوبی انجام پاتی ہے۔ محمد قلی قطب شاہ اور مشتری ملتے ہیں۔ وصال کا بیان ملاحظہ کیجئے۔

گھونگھٹ کھول لیے لے ذوق سوں — سو چولی کے بند توڑے شوق سوں
کدھیں ہات موں پہ دھرے لاج سوں — کدھیں کی نکسوں عشق آج سوں
لذت ایسے کاماں کی دو پائی نہیں — کدھیں ایسے داواں میں دو آئی نہیں
وداس کام کو بھوت کھچوا تی تھی — سو ہلیاں منے تھاٹ جاتی تھی
جو رہتی لذت کچھ سکی پائے گی — تو تشنہ کو کتنے کھینچ کر لائے گی
پھرتے اتھے ہات شر ٹھار ٹھار — کہ تھی شوخ چنچل اتم ذات نار
تیا تن اتھا پاک صاف اور ہنوار — کہ ہاتاں پھسلتے تھے بے اختیار
کہ قرمزی ریشم تے انگ نرم تھا — وخت بے شرم خیال سو گرم تھا۔
کدھیں گڈ دیوے گود میں بیس کر — کدھیں لیٹ جاوے ستم بیس کر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

× × × × × × ×

لگی شہ کو تل تل نپانے سکی — کہ نیں دیتی ٹک بات لانے سکی
کہ اس کام کو بھوت کچوائے ہے — سہیلیاں منہ تھاٹ کر آئے ہے
سکی کوں بھوت چھپید سوں سنپڑائے کر — دوڑاناں کی بندش منے اس جگر
جو شہ کیلی دیے قفل نے تلار — کھلے دھن کے طبلے سو لعل آئے بھار
گھڑ شہ سوں سنگرام دھن کی اہے — کہ یا قوت داون میں بھر لی اہے
شہنشہ سو دھن بیچ پرآ ئیں تھی — سرانا جو تھا سو ہوا پا نیتھی
ستاتے تھے شہ دھن سوان اسو قتاپوں — کہ ہرنی کو لے بلیا باگ جیوں
چلیا تنگ کو نچے میں شہ کا ترنگ — ہوا سست آخر کہ ٹھار تنگ
لگی تھنیس اس ہور ہو لنگ پائے — کیا تنگ کو چے منے آئے جائے
کھلیا پھول تن کا بدن پاڈتے — کہ خوش ہے دو سینجوگ کی چاڈتے
چنچل چلیلا جو اکھی شور کر — سرانا چلیا پا نیتھی کے ادھر
پریکا چھٹنت شہ چھٹے اس سوں جا — بچھا تا ہوا گھاگرا گھول سب

قطب مشتری کے اشعار دیکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ دکن کی یہ روایت شمالی ہندوستان میں نہیں پائی جاتی۔ درد، میر تقی میر، قائم نواب محبت خاں محبت کے یہاں عریانیت کے اثرات نہیں مگر اس فیصلہ سے پیشتر خواجہ میر اثر کی مثنوی خواب و خیال سامنے آجاتی ہے

۱؎ مثنوی قطب مشتری مطبوعہ ۱۸۵۸ء گورکھپور یونیورسٹی لائبریری۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

عاشقانہ مثنویوں میں سراپا اور وصال کے بیان میں شاعر بڑی حد تک مجبور ہوتا ہے مگر خواب و خیال میں میر اثر کے سامنے کوئی مجبوری نہیں تھی۔ مثنوی کی اس کمزوری کا احساس خود خواجہ میر اثر کو بھی تھا۔

وضع اسکی ہوئی خلافِ طبع ہے مجھے اس سے انحرافِ طبع
یہ تو قابل نہیں سنانے کے نہیں لائق کہیں دکھانے کے

ہنس کے کہنا ترا مجھے پیارے مرد انی غرض کے ہیں سارے
نکلے جانا تڑپ کے ہاتھ سے دل ٹھہر جانا کبھو دو جوں کے تئیں
بات ٹھہرا کے پھر ٹل جانا عین اس وقت پر مچل جانا
سب دیے پر کبھو وعدے کر جانا لیک وقت آنے پر مکر جانا
وہ ترا دونوں ہاتھ کر کے اوٹ میری رانوں پہ رکھ بچانا چوٹ
دامن ادھر ادھر سے لے آنا ڈھانپتے ڈھانپتے ہی کھل جانا

ہاتھا پائی میں بیتے جانا کھلتے جاتے ہیں ڈھانپتے جانا
ہاتھ پاؤں کر خجل کر لینا پھر کھجی کو سخت کر لینا
وہ سراپا عرق عرق ہونا اور بے اختیار ہو رونا
وہ ترا منہ سے منہ بھڑا دینا وہ ترا جب کا پھڑا دینا
وہ ترا پیار سے لپٹ جانا اور دل کھول کر چٹ جانا
ناہیں کہہ کے پھر جدا ہونا ملتے جلتے میں رک خفا ہونا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

خواجہ میر اثر کے علاوہ میر حسن سے پہلے کسی دوسرے مثنوی نگار کے یہاں وصال کا یہ منظر نہیں ملتا بلکہ خود میر حسن کے کلام میں ایسی مثالیں نہیں پائی جاتیں۔ مثنوی گلزار ارم میں طوائفوں کا ذکر کرتے ہوئے میر حسن کو مکمل آزادی حاصل تھی جتنا اور جس طرح چاہتے کھل کھیلتے مگر کہیں تہذیب و تمدن سے انحراف کرتے ہوئے نظر نہیں آتے۔ پھر مثنوی سحر البیان میں انہوں نے یہ انداز کیسے اختیار کیا؟ اس عریانیت کی ذمہ داری بھی بڑی حد تک آصف الدولہ کے سر جاتی ہے۔ نوابان لکھنؤ کا کردار ڈھکا چھپا نہیں آصف الدولہ سے واجد علی شاہ تک لغزش مستانہ کا رواج عام رہا۔ اخلاقی پستی کا یہ عالم تھا کہ جن مثنویوں کو عوام نے "ممنوع الاشاعت" قرار دیا وہی واجد علی شاہ کے دربار میں جگہ پاتی ہیں۔

سحر البیان کی عریانیت پر اعتراض کرنے سے پیشتر آصف الدولہ کے کردار اور ادبی معیار پر نگاہ ڈالیے اور لکھنؤ کا ماحول دیکھیے سبب تصنیف پر غور کیجیے تو اندازہ ہوگا کہ میر حسن نے یہ انداز بیان قصداً اختیار کیا۔ مقصد آصف الدولہ کو خوش کرنا اور دربار میں دوبارہ بار یاب ہونا تھا۔ سراپا اور وصال کے بیان میں عریانیت کے چھینٹے نہ ہوتے تو شاید کامیابی نہ حاصل ہوتی۔

حالی مقدمہ شعر و شاعری میں مثنوی سحر البیان کی خوبیوں پر رائے

لہ مثنوی خواب و خیال میر اثر۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"سلطنت کی شان و شوکت تخت گاہ کی رونق اور چہل پہل۔ لاولدی کی حالت یاس و نا امیدی اور دنیا سے دل برداشتگی چوتشیوں کی گفتگو، شاہزادہ کی ولادت اور چھٹی کی تقریب ناچ رنگ اور گانے بجانے کے ٹھاٹ باغوں اور ہر قسم کی محفلوں کے سمے سواریوں کے جلوس حمام میں نہانے کی کیفیت اور حالت اور مکانوں کی آرائش، شاہانہ لباس اور جواہرات اور زیورات کا بیان، خوابگاہ کا نقشہ حیوانی کی نیند کا عالم رنج اور غم کے عالم میں محلوں اور باغوں کی بے رونقی عاشقی و معشوقی کی پہلی ملاقات اور اس میں شرم و حجاب کا پاس و لحاظ عشق و محبت کا بیان حسن و جمالی کا بیان، جدائی کا بیان، مصائب کا بیان، خوشی کا بیان، نسبت کے پیغام و سلام، بیاہ و شادی کے سامان بچھڑے ہوؤں کا ملنا۔ اور اس حالت کا نقشہ غرض کہ جو کچھ اس مثنوی میں بیان کیا گیا ہے اس کی آنکھوں کے سامنے تصویر کھینچ دی ہے اور مسلمانوں کے آخر دور میں سلاطین و امراء کے یہاں جو جو حالتیں ایسے موقعوں پر گزرتی تھیں اور جو معاملات پیش آتے تھے، ان کا بعینہ چربا اتار دیا ہے"[1]

اگر تخت گاہ کی رونق، لاولدی کی حالت، چوتشیوں کی گفتگو، یاس و نا امیدی کے بیان، ناچ رنگ اور گانے بجانے کا ذکر، سواریوں

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری حالی مطبوعہ ۲۴۳-۲۴۲

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کے جلوس حمام میں نہانے کی کیفیت، جواہرات اور زیورات کی تفصیل پیغام وسلام اور بیاہ شادی کی رسموں کے بیان سے مسلمانوں کے آخیر دور کے امراء کے یہاں گزری ہوئی حالتیں معلوم ہوتی ہیں۔ تو مثنوی سحر البیان کے "عریاں اشعار" سے ان گزری ہوئی محفلوں کا ادبی معیار اور اہل محفل کے کردار پر بھرپور روشنی پڑتی ہے۔ عہد شجاع الدولہ اور آصف الدولہ کے اخلاقی معیار کو دیکھنا ہو تو سحر البیان کا مطالعہ انتہائی مفید ثابت ہوگا۔ بالکل اسی طرح شوق کی مثنویوں سے واجد علی شاہ اور ان کے دربار کا پردہ فاش ہو جاتا ہے۔ ماحول کی تمام خرابیاں اور اخلاقی کمزوریاں سمٹ کر ان مثنویوں میں آگئی ہیں۔

سحر البیان کے مآخذ میر حسن سے پہلے اردو میں رزمیہ، بزمیہ عشقیہ، متصوفانہ، ناصحانہ، عارفانہ، اور فلسفیانہ مثنویاں لکھی جا چکی تھیں فارسی ادب کا پورا سرمایہ سامنے تھا جہاں سے جس طرح چاہتے فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ سحر البیان کا موضوع عاشقانہ ہے۔ فائز جعفر علی خاں زکی، فضائل علی بے قید، آبرو، درد مند، میر سوز، خواجہ میر درد، قایم چاندپوری، مصحفی اور نواب محبت خاں محبت کی مثنویاں رہنمائی کے لئے موجود تھیں، خالص عاشقانہ مثنویوں میں جعفر علی زکی، فضائل علی بے قید، قایم چاندپوری، مصحفی اور نواب محبت خاں محبت سے بھرپور مدد لی جا سکتی تھی۔ تذکرہ شعرائے اردو کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ میر حسن نے زکی، بے قید اور مصحفی سے فائدہ اٹھایا ہوگا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تذکرہ شعرائے اردو میں ان مثنویوں کو جس انداز سے سراہا گیا ہے اس سے یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ سحر البیان لکھتے وقت مذکورہ بالا شعراء کی تخلیقات ان کے سامنے رہی ہوں گی۔

میر حسن نے بے قید کی مثنوی کی جس طرح تعریف کی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں یہ مثنوی یقیناً پسند تھی مصحفی کے متعلق لکھتے ہیں۔

مصحفی :۔ "از دیوان اول و دوسہ جزو بہ نظر در آمدہ قصیدہ و غزل و مثنوی ہمہ خوب کلامش بیشتر شاعرانہ ہے"[1]

میر تقی میر کو میر شعراء ہندوستان و افصح فصحائے زماں شاعر دلپذیر و سخن سنج بے نظیر لکھتے ہیں: مگر اصناف سخن پر اظہار خیال کرتے ہوئے "مثنوی نگاری" کا ذکر نہیں کرتے۔

"رباعی و غزل و قصیدہ ہجو و مدح ہمہ می گوید لیکن آں چہ گوید از غزلیات کہ بسیار بہ انداز و طرز ازو می تراود بلکہ گرم بازاری او ہمیں است"[2]

قایم چاندپوری کے متعلق لکھتے ہیں۔

طرزش بہ طرز طالب آملی ماند۔ مثنوی ہائے بسیار گفتہ و بے

---

[1] تذکرہ شعرائے اردو ص ۱۶۸

[2] تذکرہ شعرائے اردو ص ۱۵۲ گورکھپور یونیورسٹی لائبریری

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

در ہائے معانی سفتہ کہ کسے کم گفتہ" [1]

جعفر علی زکی۔ فضائل علی بے قید، مصحفی اور قایم کی مثنوی نگاری کے متعلق میر حسن کی رائے آپ کے سامنے ہے۔

ان بیانات سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ میر حسن نے زکی، فضائل علی بے قید اور قایم چاندپوری کی تخلیقات کو سحر البیان کی تخلیق سے پہلے ضرور دیکھا ہوگا لیکن بے قید کی مثنوی خاص طور پر ان کے سامنے رہی۔ میر حسن نے سحر البیان میں وہی بحر اختیار کی جو بے قید نے اختیار کی تھی۔ دکن میں وجہی رزمیہ کی اس بحر کو قطب مشتری میں عاشقانہ مثنوی کے لئے بہت پہلے آزما چکا تھا۔

ممکن ہے کہ میر حسن کے سامنے قطب مشتری نہ رہی ہو مگر شاہنامہ فردوسی اور بے قید کی مثنوی موجود تھی انہوں نے دونوں سے استفادہ کیا۔ مناسبت الفاظ کو جس خوبی سے فردوسی نے برتا ہے میر حسن کے یہاں بھی وہی انداز پایا جاتا ہے۔ بیانیہ محاکات میں فردوسی کے اثرات صاف جھلکتے ہیں۔

فردوسی: ز نقارہ آواز آید برون — کہ دون است دون است گردن دون [2]

میر حسن: کہا زیر نے بم سے بہر شگون — کہ دوں دوں خوشی کی خبر کیوں نہ دوں [3]

---

[1] تذکرہ شعرائے اردو ص ۳۳۰ گورکھپور یونیورسٹی لائبریری

[2] بحوالہ اردو کی تین مثنویاں ص ۲۹

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بحروں کے علاوہ میر حسن اور بے قید کے یہاں نوعیت مضامین میں بھی اشتراک پایا جاتا ہے اس کے علاوہ نواب محبت خاں کی مثنوی بھی سامنے تھی جس کے مصرع سادہ و پرکار، زبان شستہ اور انداز بیان شگفتہ ہے۔ مثنوی کا ہر شعر نواب محبت خاں کی قادر الکلامی اور نغز گوئی کا ثبوت ہے۔ مگر قصہ بہر حال قدیم ہے۔ میر حسن نے ایک نئی کہانی پیش کی

سو میں اک کہانی نیا کر نئی ورنکر نے گوندھ لڑیاں نئی

لے آیا ہوں خدمت میں بہر نیاز یہ امید ہے پھر کہ ہوں سرفراز

ان اشعار کو نواب محبت خاں کی مثنوی کے قصہ اور اس کی مقبولیت کے پس منظر میں دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ میر حسن سسی پنوں کی مقبولیت سے بخوبی واقف تھے۔ دربار میں پہنچے تو نواب آصف الدولہ پر ظاہر کر دیا کہ میری داستان عشق ترجمہ نہیں طبعزاد ہے۔ غالباً اشارہ "سسی پنوں" کی طرف تھا۔ یہ اور بات ہے کہ خود میر حسن کا قصہ بھی طبعزاد نہیں بلکہ مختلف قصوں کے اجزاء کو یکجا کر کے مثنوی کا ڈھانچہ تیار کر لیا گیا ہے۔

مثنوی سحر البیان کا قصہ سادہ اور مختصر ہے۔ داستان صرف یہ ہے کہ کسی شہر منیر سواد کے بادشاہ کے اولاد نہیں تھی۔ اس غم میں شہنشاہ تاج و تخت سے الگ ہونے کو تیار ہو گیا۔ وزیروں نے تسکین دے کر جوگیوں، رمالوں اور پنڈتوں کو بلایا۔ انہوں نے اولاد کی پیشین گوئی کی۔ مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتلایا کہ بارہ سال کی عمر میں مصیبت کا شکار ہو کر دربدر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پریشان حال پھرے گا۔ بارہویں سال کی آخری رات کو شاہزادہ سیر کے بعد کوٹھے پر سویا ہوا تھا۔ اتفاقاً ایک پری ادھر سے گزری۔ چاندنی میں چاند سا چہرہ دیکھ کر ہزاروں جان سے فریفتہ ہو گئی۔ اور شہزادے کو پرستان میں اٹھا لے گئی۔ شہزادہ وطن کی یاد میں پریشان رہتا تھا۔ ہمہ وقت چپ دیکھ کر پری نے اسے ایک کل کا گھوڑا دیا تاکہ کچھ دیر کے لئے ٹہل آئے شہزادہ ایک دن گھومتا ہوا سراندیپ جا نکلا یہاں اس کی نگاہ مسعود شاہ کی بیٹی بدر منیر پر پڑی۔ دونوں گرفتار محبت ہو گئے۔ ملاقاتیں ہونے لگیں ایک دیو نے اس واقعہ کی خبر کر دی۔ شہزادہ ایک کنوئیں میں قید کر دیا گیا۔ بدر منیر اس غم میں جان سے ہاتھ دھونے لگی۔ شہزادی کا یہ حال دیکھ کر اس کی سہیلی نجم النساء (وزیرزادی) بے نظیر کی تلاش میں جوگن بن کر نکلی جنوں کے بادشاہ کے بیٹے فیروز بخت نے دیکھا اور دل دے بیٹھا۔ فیروز بخت کی مدد سے بے نظیر کو رہائی نصیب ہوئی۔ برے دن ختم ہوئے۔ سب لوگ گلے ملے۔ بے نظیر نے بدر منیر سے اور فیروز بخت نے نجم النساء سے شادی کر لی۔

قصہ کے متعلق ڈاکٹر گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں۔

"میر حسن کا قصہ طبعزاد ہے اور اس کا رنگ، ہم آہنگ، مخلوط، تہذیب و معاشرت سے لیا گیا ہے۔" [1] قصہ کے مختلف اجزاء ترکیبی دیکھتے ہوئے

---

[1] ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں مطبوعہ ۱۹۷۱ء

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

انھیں بالترتیب اس طرح الگ کر سکتے ہیں اور پھر بڑی آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ میر حسن نے کہاں کہاں سے مختلف اجزاء یکجا کر کے نئے انداز سے ترتیب دیا۔

(۱) کسی شہر ملیبو سواد میں ایک شہنشاہ تھا جس کے کوئی اولاد نہیں تھی بادشاہ اس غم میں پریشان تھا۔

(۲) نجومیوں، رمالوں اور پنڈتوں نے ہر طرح دیکھ بھال کر اولاد کی بشارت دی۔

(۳) پیشین گوئی کرنے والوں نے یہ بھی بتایا کہ بارہ سال کی عمر میں شہزادے پر مصیبت آئے گی۔

(۴) بارھویں سال کے آخری رات میں کوٹھے پر سوتے ہوئے دیکھ کر ایک پری عاشق ہوئی اور شہزادے کو لے گئی۔

(۵) بے نظیر وطن کے غم میں پریشان رہتا تھا۔ پری نے خاموش دیکھ کر اسے کل کا ایک گھوڑا ٹہلنے کے لئے دیا۔ اسے لے کر شہزادہ اتفاقاً سرا مدیپ پہنچ گیا۔ وہاں شاہ مسعود کی لڑکی پر عاشق ہوا۔

(۶) ایک دیو نے بے نظیر کا یہ راز پری کو بتا دیا اور اس نے شہزادے کو کنوئیں میں ڈال دیا۔

(۷) یاد محبوب میں سہیلی کی حالت خراب دیکھ کر نجم النساء تلاش میں نکلی فیروز بخت سے ملاقات ہوئی اور وہ نجم النساء پر عاشق ہو گیا۔

(۸) فیروز بخت کی کوششوں سے شہزادہ بے نظیر آزاد ہوا اور سب

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کی مرادیں بر آئیں۔

قصہ کے ایک ایک جزو پر نگاہ ڈالئے ہر کہانی یا داستان میں عموماً قصہ بادشاہ سے شروع ہوتا ہے۔ بادشاہ کا بے اولاد ہونا بھی عام ہے لیکن پیر فقیر کی دعائیں کہیں درویشوں کے دیئے ہوئے پھل اور کہیں نجومیوں کی بشارت سے بادشاہوں کی امیدیں بر آتی ہیں۔

قصہ کنور منوہر اور مدھومالت میں کنور منوہر کی پیدائش درویش کے دیئے ہوئے پھل سے ہوتی ہے۔ میر حسن نے نجومیوں، رمالوں اور پنڈتوں کا سہارا لیا۔ لوطرز مرصع میں فقرا کی دستگیری کرنے والے حضرت سلیمان تھے اور بادشاہ کی مراد پوری ہونے میں فقراء کی دعائیں۔

سحرالبیان میں بارہ سال کی عمر میں مصیبت نازل ہوئی قصہ کنور اور مدھومالت میں یہ حادثہ چودہ سال کی عمر میں نکھور پذیر ہوا۔ مثنوی کامروپ[۲] میں راجہ راج پت بے اولاد تھے۔ سادھوؤں کی دعوت ہوئی ایک سادھو نے شری کا پھل دیا جسے کھا کر رانی سندر روپ کا پیر بھاری ہوا۔ پنڈتوں نے جنم پترا دیکھ کر بتایا کہ بارہ برس کے بعد شہزادے کے گرہ بھاری ہیں۔ شہزادے کو ایک عالیشان محل میں وزیروں کے چھ بیٹوں کے ساتھ رکھا گیا۔ بارہ برس کی عمر میں کامروپ

---

[۱] ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں مطبوعہ ص ۲۱۷

[۲] ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں مطبوعہ ص ۸۵

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نے ایک شہزادی کو خواب میں دیکھا اور عاشق ہوگیا مثنوی لال گوہر میں شہزادہ کوٹھے پر سو رہا تھا۔ اوپر سے پریوں کا تخت گزرا۔ پریوں کے بادشاہ کی لڑکی گوہر شہزادہ لعل کو دیکھ کر عاشق ہوئی اور پلنگ اٹھوالیا۔ میر حسن کی مثنوی سحر البیان میں بے نظیر کو سوتے ہوئے دیکھ کر پری عاشق ہوئی اور پلنگ اٹھوالیا۔

..... اور اسے پرستان میں

لے گئی بے نظیر کے خانہ باغ اور کامروپ کے محل میں کوئی فرق نہیں ملتا۔ میر حسن کی مثنوی سحر البیان میں شاہ مسعود سراندیپ کے بادشاہ تھے مثنوی کامروپ..... میں بھی بیرون سراندیپ کے راجہ کی لڑکی ہے مثنوی منہہ درپن: بادشاہ بے اولاد ایک فقیر کی دعاؤں سے صاحب اولاد ہوا کامروپ کی طرح یہ شہزادہ بھی ایک خوبصورت لڑکی کو خواب میں دیکھ کر عاشق ہوگیا۔

کل کا گھوڑا الف لیلہ اور ہندوستان کی بے شمار داستانوں میں جگہ پا چکا ہے محبوب سے جدائی کے وقت اکثر مثنویوں میں سہیلیاں ہمراز بن کر سامنے آتی ہیں نجم النساء بدر منیر کی سہیلی ہے۔ چنانچہ بے نظیر کو تلاش کرنے نکل گئی۔ دیوں اور پریوں کے مظالم کا بیان ہر مثنوی اور داستان میں ملتا ہے۔ کہیں عاشق گرفتار بلا ہو کر کسی دوسرے قالب میں آجاتا ہے اور کہیں غار میں بند کر دیا جاتا ہے۔ میر حسن نے بے نظیر کو کنوئیں کے حوالہ کر دیا۔ عاشق و معشوق لاکھ بلاؤں اور مصیبتوں میں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

گرفتار ہونے کے بعد کامیاب ہوتے ہیں اسی میں درویش کا ہاتھ ہوتا یا فقیر کی دعائیں، مثنوی سحر البیان میں فیروز بخت نے یہ مشکل آسان کردی۔ انسان اور پریوں کی محبت بھی کوئی نئی بات نہیں کل کے گھوڑے کے متعلق خاں رشید صاحب کا یہ کہنا درست نہیں معلوم ہوتا۔ کہ "مذہبی کتب میں حضرت سلیمان کا تخت اس کا محرک ہے"[1]

"مثنوی سحر البیان کی تکنیک کے سلسلہ میں نظامی گنجوی کی حسن و عشق اور دقائع نعمت خاں کا ذکر بھی آتا ہے ساقی نامہ دراصل نظامی ہی سے ماخوذ ہے اسلوب بیان بھی نظامی کی تتبع کے شواہد ملتے ہیں"[2]

میر حسن فارسی شاعری کے رمز شناس تھے۔ فردوسی کا رزمیہ، نظامی کا بزمیہ ہی نہیں ان کے سامنے رومی کی صوفیانہ مثنوی اور دقائع نعمت خاں عالی کا ہونا یقینی ہے۔

مگر سحر البیان کی تخلیق میں خود میر حسن کی مثنویاں شادی۔ "گلزار ارم" "قصر جواہر" "ہجو حویلی" کے اثرات زیادہ ہیں۔ آصف الدولہ کی شادی کا حال نظم کرتے ہوئے جلوس آتش بازی اور روشنی کا جو منظر دریا کے پاس پیش کیا گیا ہے وہی نئی آب و تاب چمک اور خوش رنگی اختیار کرنے کے بعد سحر البیان میں دوبارہ پیش کر دیا گیا ہے گلزار ارم میں زیورات اور کپڑوں کی تفصیل دیکھئے اور پھر

---

[1] اردو کی تین مثنویاں مطبوعہ ص۲۵

[2] اردو کی تین مثنویاں مطبوعہ ص۳۳

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سحرالبیان کا مطالعہ کیجیے شبنم کی انگیا رلاہی کی کرتی، سنجاف تمامی، لوریا باف، کرتی جالی، نیت کی انگیا، کفش ضغرق، دوشالہ اک تارا، بنارسی دوپٹہ دریائی کے ذکر کے ساتھ الماسی کڑے، بالے، جڑاؤ چوڑی، چوڑائی، تونگری، گوکھرو کے کڑے، جھڑے لچھے، ہیکل، پٹھے زنجیر، سنبرا، توڑا سمن اور ہیکل وغیرہ کا ذکر اسی آن بان سے ملے گا۔ فرق یہ ہے کہ یہاں کسبیوں اور رنڈیوں کا ذکر تھا وہاں شہزادی، وزیرزادی اور خواصوں وغیرہ کا بیان ہے۔ اس لحاظ سے کپڑوں اور زیورات کی بناوٹ اور تراش کا عالم کچھ اور ہے۔ بدرمنیر کی پوشاک ملاحظہ کیجیے۔

کروں اس کی پوشاک کا کیا بیاں — فقط ایک بشواز آب رواں
زلیں موتیوں کی تھی سنجاف گل — کسے تو وہ بیٹھی تھی موتی میں تل
اور ایک اوڑھنی جوں ہوا یا حباب — جسے دیکھ شبنم کو آوے حجاب
صباحت صفا اس میں جھلکی ہوئی — پڑی سر سے کاندھے پہ ڈھلکی ہوئی
گریباں میں اک تکمہ الماس کا — ستارہ سا مہتاب کے پاس کا
وہ کرتی وہ انگیا جواہر نگار — نیا باغ اور ابتدا کی بہار
وہ چھب تختی اور اسکی کرتی کا چاک — ترائے کی انگیا کسے ٹھیک ٹھاک
جھلک پائجامہ کی دامن سے یوں — کہ روشن ہو فانوس میں شمع جیوں

زیورات کا عالم دیکھیے۔

جڑاؤ وہ بالے کے بالے کا رشک — وہ موتی کے مالے کہ عاشق کا اشک
وہ آنکھوں کی مستی وہ مژگاں کی لوک — کرن پھول کی اور بالی کی جھونک

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لگا دھکا دھکی پچھاڑا ست لڑا — سراسر گلے حسن اس کے پڑا

جڑاؤ دمکتی وہ چمپا کلی! — رہے جس سے الماس کو لے کلی

تلے اس کے موتی لگے گرد کل — کہ جوں شبنم آلود ہو برگ گل

جہانگیریوں کا کروں کیا بیاں — کہ اٹھتی تھی ہاتھوں سے جس کی فغاں

جواہر سے میں نے کی ہیکل جڑی — کمر اور کو بھے کے نیچے پڑی

فقط موتیوں کی پڑی پائے زیب — کہ جس کے قدم سے گہرائے زیب

مثنوی گلزار ارم میں طوائفیں، بالا ہیکل چمپا کلی اور پائے زیب پہنے ہوئے تھیں، مگر بدر منیر جڑاؤ بالا موتیوں کے پائے زیب، جڑاؤ چمپا کلی اور جواہرات کے بیلے کی ہیکل پہنتی ہے۔

لباس و زیورات کے تفصیلی بیان پر تنقیدی نگاہ ڈالتے ہوئے پروفیسر کلیم الدین احمد صاحب لکھتے ہیں:

"جس طرح مشرقی عورتیں اسقدر زیورات سے اپنے جسم کو آراستہ کرتی ہیں کہ نہ تو ہر زیور کا حسن الگ الگ دکھائی دیتا ہے اور نہ ان کی وجہ سے کسی عورت کے فطری حسن کی افزائش ہوتی ہے اسی طرح مشرقی شعراء بھی تناسب سے کام نہیں رکھتے۔ یہ نہیں کہ چیدہ چیدہ زیورات سے کلام کی زیبائش کریں"[1]

ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ میر حسن بارہویں صدی کی شہزادی

---

[1] اردو شاعری پر ایک نظر حصہ دوم ۲۲۳

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کے لباس و زیورات کا ذکر کر رہے ہیں۔ اس وقت کپڑوں اور زیورات سے آرائش و زیبائش سے زیادہ نمود و نمائش کا کام لیا جاتا تھا چیدہ چیدہ زیورات کا بیان تاریخی حقیقت سے انحراف ہو جاتا ہے۔

قصہ کے لحاظ سے سحر البیان میں کوئی جدت نہیں پائی جاتی۔ تمام اجزاء کا سلسلہ کسی نہ کسی داستان یا مثنوی سے مل جاتا ہے اختصار کا یہ عالم ہے کہ پوری مثنوی کے لئے ایک صفحہ بھی درکار نہیں۔ دنیا کے واقعات اور پرستان کے حادثات میں بھی کوئی جدت یا ندرت نہیں پائی جاتی۔ اولاد کی بشارت پاکر عام طور پر شاہ و گدا امیر و غریب سبھی سجدۂ شکر بجالاتے ہیں۔ حسب حیثیت جشن کا رواج بھی نئی بات نہیں۔ اولاد کی جدائی کی خبر پاکر ہر باپ اسی طرح ہائے کر کے گرتا ہے۔ اور ماں کلیجہ پکڑ کر بیٹھ جاتی ہے۔ فراق محبوب میں عاشق طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کرتا ہے اور آخر کار کوئی سبیل ایسی پیدا ہو جاتی ہے کہ بچھڑے ہوئے مل جائیں۔ میر حسن کے یہاں بھی یہی ہوا لیکن نہ جانے کیوں یہی عام واقعات مثنوی سحر البیان کی صورت میں ڈھل کر ایک نیا لطف پیش کرتے ہیں۔ تاری کو ہر واقعہ اور حادثہ عجیب معلوم ہوتا ہے۔ بے نظیر کی پیدائش جشن، خوشی، ماں باپ کی حالت، پرستان کی مصیبت، نجم النساء کی تلاش و جستجو فیروز بخت کی ملاقات غرض جو کچھ دیکھتے ہیں۔ اور جس سے ملتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلی بار دیکھ اور مل رہے ہیں۔

بے نظیر کی گرفتاری اور بدر منیر کی بے قراری پر دل اس طرح دھڑکتا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہے گویا زندگی میں پہلی بار اس نوع کے واقعہ سے دوچار ہوئے ہیں۔ یہ صرف اس لئے کہ میر حسن نے پلاٹ کے ارتقاء، واقعات کے انتخاب اور کردار نگاری میں بالغ النظری کا ثبوت دیا ہے ہر چیز موقع محل کے لحاظ سے پیش کی گئی ہے۔ پوری مثنوی میں کہیں جھول یا اکھاڑ نہیں جو منظر پیش کیا گیا ہے بھرپور ہے۔ بقول حالی:۔

"جو کچھ اس مثنوی میں بیان کیا گیا ہے اس کی آنکھوں کے سامنے تصویر کھینچ دی ہے اور مسلمانوں کے اخیر دور میں سلاطین و امراء کے ہاں جو جو خوشیاں ایسے موقعوں پر گزرتی تھیں اور جو معاملات پیش آتے تھے ان کا بعینہ چربا اتار دیا ہے"[1]

مولانا عبدالسلام صاحب نے سودا اور ناسخ کی مثنویوں سے منظر نگاری سے متعلق اشعار کا انتخاب کر کے سحر البیان سے مقابلہ کیا ہے۔ کردار نگاری کے متعلق فرماتے ہیں۔

"میر حسن کی اصلی خصوصیت جو ہر جگہ نمایاں طور پر نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ انھوں نے سنیکڑوں چیزوں کا نقشہ کھینچا اور مختلف مناظر کا سماں دکھایا ہے۔ لیکن کسی موقع پر فطری انداز سے تجاوز نہیں کیا بلکہ ہر جگہ فطرت کی تصویر کھینچ کر رکھ دی ہے"[2]

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری حالی ص ۲۴۲، ۲۴۳

[2] شعر الہند حصہ دوم ص ۱۸۵

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اسلوب سیدھا سادا مگر انتہائی مشکل ہے تسلسل اور ربط کا یہ عالم ہے کہ پوری مثنوی موتی کی لڑی معلوم ہوتی ہے زبان کی پاکیزگی، انداز بیان کی جاذبیت اور بیانیہ محاکات میں معمولی سے معمولی جزئیات کی عکاسی نے مثنوی کو لازوال حسن عطا کر دیا۔ تصویر بنانا فنکاری ہے مگر اس میں مناسب رنگ و روغن بھر کر شاہکار کی تخلیق کمال فنکاری ہے میر حسن نے سحر البیان میں اسی کمال فنکاری کا ثبوت دیا ہے اس خوبی سے رنگ بھرتے ہیں کہ ایک ایک نقش ابھر آتا ہے۔ نجومی، رمال اور برہمن دربار میں حاضر ہیں۔ زائچے کھینچے جا رہے ہیں کتابیں دیکھی جا رہی ہیں۔ کوئی گھڑیں امید کی خوشی کی خبر دیتا ہے کوئی تسدیس و تثلیث کی نیک فکری بیان کرتا ہے برہمن تلا اور برچھک پر نظر کر کے مالک ہونے کی خبر دیتا ہے۔

میر حسن کے بیان سے محسوس ہوتا ہے کہ پوری زندگی جو تش، رمل اور علم نجوم حاصل کرنے میں صرف کی ہے ؎

رمّال:۔ یہ سن کر وہ رمال طالع شناس — لگے کھینچنے زائچے بے قیاس
دھری تختی آگے لیا نرغہ ہاتھ — لگا دھیان اولاد کا اسکے ساتھ
جو پھینکیں تو شکلیں کئی بیٹھیں مل — کئی شکل سے دل گیا ان کا کھل
جماعت نے رمال کے عرض کی — کہ ہے گھر میں امید کی کچھ خوشی

نجومی:۔ نجومی بھی کہنے لگے در جواب — کہ ہم نے بھی دیکھی ہے اپنی کتاب
نحوست کے دن سب گئے ہیں نکل — عمل اپنا سب کر چکا ہے زحل

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ستارے نے طالع کے بدلے ہیں طور — خوشی کا کوئی دم میں آتا ہے دور
نظر کی جو تسدیس و تثلیث پر — تو دیکھا کہ ہے نیک سب کی نظر

پنڈت:۔ کیا پنڈتوں نے جو اپنا بچار — تو کچھ انگلیوں پر کیا سب شمار
جنم پتر اشٹاہ کا دیکھ کر — تلا اور برچھک پہ کر کے نظر
کہا رام جی کی ہے تجھ پر دیا — جہار ماں سا باا ک تیرے ہوویگا
نکلتے ہیں اب تو خوشی کے بچن — نہ ہو گر خوشی تو نہیں برہمن
مہاراج کے ہوں گے مقصد شتاب — کہ آیا ہے اب پانچواں آفتاب
مقرر ترے چاہیئے ہو پسر — کہ ریتی ہے یوں اپنی پوتھی خبر

سنجومیوں، رمالوں اور پنڈتوں کی اصطلاحات کے علاوہ زبان کا فرق بھی قابل غور ہے۔ بادشاہ کے دربار میں ان کا مجمع ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ نوابان اودھ اور شاہان مغلیہ کے دربار میں شاہوں اور وزیروں کو ان علوم پر یقین تھا۔ ولادت کے وقت قطعات تاریخ و پیدائش کے ساتھ "جنم پترا" بنانے کا رواج بھی عام تھا خود میر حسن ان علمی اصطلاحات سے واقف تھے۔ اسی طرح آلات موسیقی کا ذکر کرتے ہوئے سر اور تال کے ماہر فن معلوم ہوتے ہیں۔ بھانڈوں اور بھگتوں کے ساتھ "کنچنیوں" اور "چونہ پزنیوں" کو فراموش نہیں کرتے۔ کسبیوں اور ڈومنیوں کے نام صرف گنوانے کے لئے نہیں لئے گئے ہیں بلکہ واقعات کی مناسبت سے اسی طبقہ کا نام لیا گیا ہے جو اس خاص موقع پر آتا ہے مثلاً بھانڈ اور بھگتی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بچوں کی ولادت اور شادی کی خوشی میں مبارکباد دینے آتے ہیں۔ گھروں میں گانے کے لئے "چورنہ پڑنی" جاتی ہے۔

نوکرانیوں کا ذکر کرتے ہوئے چھوچھو، دائی، مغلانی، نیائی اور خواص کے نام لئے گئے ہیں۔ ان میں ہر نام اپنے ساتھ خدمت کا ایک خاص پہلو اور محل کی زندگی کا ایک خاص رخ پیش کرتا ہے۔ لونڈیوں کے اسماء اور عرفیت ان کے باہمی امتیازات اور آقاؤں کے رجحانات کی غمازی کرتے ہے۔ چلبلی، چیت لگن، کامروپ، رنگیلی، ولگن" مہرتن، اور ہنس مکھ وغیرہ۔ محض پیار کے نام نہیں ان کے پیچھے محل کی پوری زندگی پوشیدہ ہے

مثنوی میں طبلہ، مردنگ، چنگ، طنبورہ، ستار، ترہی، جھانجھ وغیرہ کا ذکر آتا ہے لیکن کوئی ساز بے موقعہ نہیں بجتا۔ پیدائش کی خبر نقارچی کو دی جاتی ہے۔ سب سے پہلے نقارے کی آواز گونجتی ہے۔ اور پھر شہنا نواز مل کر بیٹھتے ہیں خوشخبری دینے کے لئے "نقارہ" اور اظہار خوشی کے لئے "شہنائی" کا رواج آج بھی عام ہے۔

نقیبوں کو بلوا کے یہ کہہ دیا — کہ نقار خانے میں دو حکم جا
کہ نوبت خوشی کی بجا دیں تمام — خبر سن کے یہ شاہ ہوں خاص و عام
یہ مژدہ جو پہنچا تو نقارچی — لگا ہر جگہ باولہ اور زری
بٹھا ٹھٹھ نقار خانے کا سب — مہیا کرا سباب عیش و طرب
غلاف ان پہ بانات پرزر کے ٹانک — شتابی سے نقاروں کو سینک سانک

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دیا چوپ کو پہلے بم سے ملا — لگی پھیلنے ہر طرف کو صدا
کہا زیر نے بم سے بہر شگون — کہ دوں دوں خوشی کی خبر کیوں نہ دوں
بجے شادیانے جو واں اس گھڑی — ہوئی گرد و پیش آ کے خلقت کھڑی
بہم مل کے بیٹھے جو شہنا نواز — لیا منہ سے پھر کی لگا اس پہ ساز

طبلوں کی تھاپ اور مردنگ کی صدا پہنچائی جا سکتی ہے۔ مگر چنگ[۱] کمانچوں[۲]، بانیں[۳] کی تمک[۴] اور دائیں[۵] کی دھمک، زیل، کھرج، زیر و بم کے لئے تال و سر سے واقفیت ضروری ہے۔ "ناچنے والوں کے چھنکتے ہوئے گھنگھروؤں کی سمت ہر شاعر کی نگاہ پہنچ سکتی ہے لیکن چمکتے ہوئے کان کے بالے اور پھڑکتے ہوئے نتھنے صرف میر حسن ایسا شاعر ہی دیکھ سکتا تھا۔ اداؤں کے ساتھ گھٹنا، بڑھنا، چھاتی پر ہاتھ رکھنا یہاں تک کہ گردن کے ڈورے بھی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہتے۔

کناری کے جوڑے چمکتے ہوئے — وہ پاؤں کے گھنگھرو چھنکتے ہوئے
وہ بالے چمکتے ہوئے کان میں — پھڑکنا وہ نتھنے کا ہر آن میں
وہ گھٹنا وہ بڑھنا اداؤں کے ساتھ — دکھانا وہ رکھ رکھ کے چھاتی پہ ہاتھ
کبھی دل کو پاؤں سے مل ڈالنا — نظر سے کبھی دیکھنا بھالنا
دکھانا کبھی اپنی چھب مسکرا — کبھی اپنی انگیا کو لینا چھپا

تال اور سروں کی واقفیت ملاحظہ کیجئے۔

کوئی فن میں سنگیت کے شعلہ رو — بزم جوگ بیجھی کے لئے پر لو
کوئی ڈیڑھ گت ہی میں پانوں تلے — کھڑی عاشقوں کے دلوں کو ملے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کوئی دائرے میں سجا کر پرن ۔ کوئی دھمدھمی میں جتا اپنا فن
کہیں دھرپت اور گیت کا شور و غل ۔ کہیں قول و قلتانہ و نقش و گل

بچے کی پیدائش کے دن سے پاؤں پاؤں چلنے تک جتنی رسمیں ادا کی جاتی ہیں میر حسن جانتے ہیں۔

پری پیکر دل کا ہر اک جا ہجوم ۔ وہاں بھی بڑی عیش و عشرت کی دھوم
بڑھا ابر ہی ابر میں جوں ہلال ۔ محل میں لگا پلنے وہ نونہال
برس گانٹھ جس سال اسکی ہوئی ۔ دل بستگاں کی گرہ کھل گئی
وہ گل جبکہ چوتھے برس میں لگا ۔ بڑھایا گیا دودھ اس ماہ کا
وہ گل پاؤں سے اپنے حیدم چلا ۔ وہاں آنکھ کو نرگسوں نے ملا
لگا پھرنے وہ سرو جب پاؤں پاؤں ۔ کیے بروے آزاد تب اس کے ناؤں

چھٹی کی رسم مسلمانوں کے یہاں عام ہے لیکن برس گانٹھ صرف امراء اور رؤسا کے یہاں مروج ہے۔ اسلامی اصول کے لحاظ سے لڑکوں کو سوا دو سال اور لڑکیوں کو پورے دو سال کے ابدان کا دودھ چھڑا دیا جاتا ہے۔ بے نظیر نے چوتھے برس ماں کا دودھ چھوڑا۔ امراء و سلاطین کے یہاں یہ قاعدہ عام تھا شاید ہی کسی رئیس کا بچہ سوا دو سال دودھ پیتا ہو۔

۱؎ چنگ۔ باجہ جو ڈنڈی کی صورت میں ہوتا ہے ۲؎ کمانچوں: سارنگی بجانے کا گز
۳؎ بائیں:۔ وہ طبلہ جو مٹی کی کونڈلی یا تانبے وغیرہ کے ظرف پر منڈھا ہوتا ہے۔
۴؎ دائیں:۔ وہ طبلہ جو لکڑی کے ڈھانچے پر ہوتا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

شہزادے کی پیدائش کے موقعہ پر بادشاہ نے حکم دیا تھا۔

کہ نوبت خوشی کی بجادیں تمام　　خبر سن کر یہ شاد ہوں خاص و عام

درد و غم کی طویل مدت گزارنے کے بعد مسرت و شادمانی کا دور آتا ہے شہزادے کی بارات روانہ ہو رہی ہے دولھا محل سے نکل کر گھوڑے پر سوار ہوا۔ خوشی کی شادیانے بجنے لگے۔ باراتی آگے بڑھے۔ ہر شخص دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے کہیں سواری کے لئے گھوڑا لایا جا رہا ہے تو کہیں ہاتھیوں کو بٹھانے کے لئے جلدی کی جا رہی ہے۔ کوئی رتھ بان آواز دے رہا ہے تو کوئی میانے والوں کو پکار رہا ہے۔ کوئی دوڑ کر گھوڑے پر سوار ہو رہا ہے تو کوئی پالکی پر بیٹھا ہے۔ باراتیوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنھیں گاڑی نہ مل سکی تو "مانگے تانگے" میں سوار ہو گئے۔

وہ دولہا کے اٹھتے ہی اک غل پڑا　　لگا دیکھنے اٹھ کے چھوٹا بڑا

کوئی دوڑ گھوڑوں کو لانے لگا　　کوئی ہاتھیوں کو بٹھانے لگا

کسی نے کسی کو پکارا کہیں　　نہ لانے پہ میانے کے مارا کہیں

کوئی پالکی میں چلا ہے سوار　　پیادوں کی رکھ اپنے آگے قطار

جو کثرت میں دیکھا کہ گاڑی نہیں　　کوئی مانگے تانگے میں بیٹھا کہیں

میر حسن کے مشاہدے اور جزیات نگاری پر غور کیجئے۔ الفاظ کے در و بست اور موقعہ و محل کے لحاظ سے مصرعوں کے ٹھہراؤ اور تیزی پر نظر ڈالئے تو غیر معمولی فنکارانہ صلاحیتوں کا اندازہ ہوگا۔ بارات کی دھوم دھام ہی نہیں ہر شعر سرعت دسراسیمگی کے ساتھ مسرت و شادمانی کا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

احساس اجاگر کرتا ہے۔ بارانیوں کی گھبراہٹ اور تیزی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگتی ہے، ڈاکٹر وحید قریشی کا قول بڑی حد تک درست ہے کہ

"کبھی کبھی بہتات کا تصور دینے کے لئے اوپر نیچے چیزوں کی فہرست دے دی ہے کہ پڑھنے والے کی نگاہ ان مناظر کو تیزی کے ساتھ دیکھے ساتھ ہی ان مصرعوں کی چلت ایسی رکھی ہے کہ نہ پڑھنے والے کی زبان رکے نہ مناظر کی تیزی میں فرق آئے"[1]

بارانیوں، انتظام کاروں اور خادموں کی سراسیمگی پریشانی اور شادمانی کے بعد بارات کا دوسرا منظر دیکھئے ؎

سپر اور قبضے کھڑکنے لگے — سواروں کے گھوڑے بھڑکنے لگے
تکورے وہ نوبت کے اور انکے بعد — گرجنا وہ دھونسوں کا مانند رعد
وہ شہنائیوں کی سہانی دھنیں — جنہیں گوش زہرہ مفصل سنیں
ہزاروں تماشے کے تخت رواں — اور اہل نشاط ایہ جلوہ کناں
وہ طبلوں کا بجنا وہ اچھی صدا — وہ گانا کہ اچھا بنا لاڈ لا
ٹھہر کر وہ گھوڑوں کا ملنا سفیل — ہما کے وہ دولہا کی طرف مور چھل

---

[1] میر حسن اور ان کے زمانہ ڈاکٹر وحید قریشی ص ۱۳۵

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

وہ کالے پیادے اور ان کی نفیر — کہ تا چرخ پہنچے صدا ان کی چیر
درستہ برابر برابر وہ تخت — کسی پر کنول اور کسی پر درخت

سجاوٹ ترتیب اور ٹھہراؤ کے ساتھ جزیات نگاری کا وہی عالم ہے سپر اور قبضے کا کھڑکنا اور گھوڑوں کا بھڑکنا، تکورے، نوبت، شہنائی اور طبلوں کا بجنا میر اثیوں کا جوق در جوق بڑھنا کالے پیادوں کی نفیر وغیرہ سے میر حسن کے مشاہدے کی وسعت اور الفاظ پر قدرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مگر جب قاری ان اشعار کو پڑھتا ہے تو شاعر کی جزیات نگاری کا قائل ہو جاتا ہے۔

ٹھہر کر وہ گھوڑوں کا ملنا سنبھل — ہما کے وہ دونوں طرف مورچھل
درستہ برابر برابر وہ تخت — کسی پر کنول اور کسی پر درخت

احتیاط نظر کا یہ عالم مثنوی کے مختلف مناظر میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ناچ رنگ کا بیان ہو جلوہ خانہ باغ کی منظر نگاری شادی و غمی ہو یا میلے ٹھیلے کا ذکر تکرار شاید ہی مل سکے۔ سحر البیان میں باغ اور خانہ باغ کے تین مختلف مناظر پیش کئے ہیں جو بڑی حد تک مشترک ہونے کے باوجود اپنی انفرادیت کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ باغ کے پھول۔ ہندوستانی کم اور ایرانی زیادہ ہیں لیکن چمپا، موتیا، موگرا مدن بان مولسری اور گیندے وغیرہ بھی نظر آتے ہیں۔ کلیم الدین احمد نے انھیں مصنوعی[1] باغ کے نام سے یاد کیا ہے لیکن یہاں بھی میر حسن کی منظر نگاری

---

[1] اردو شاعری پر ایک نظر کلیم الدین احمد ص ۱۱۱

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کے حسین نمونے ملتے ہیں:۔

گلوں کا لب نہر پر جھومنا — اسی اپنے عالم میں منہ چومنا
وہ جھک جھک کے گنا خیابان پر — نشے کا سا عالم گلستان پر

چمن آتش گل سے دہکا ہوا — ہوا کے سبب باغ مہکا ہوا
صبا جو کئی ڈھیریاں کر کے پھول — پڑے ہر طرف سو سو پونکے پھول

درختوں کی کچھ چھاؤں اور کچھ دھوپ کے ساتھ چمکی ہوئی چاندنی اور نور قمر کا عالم دیکھیے:۔

درختوں کی کچھ چھاؤں اور کچھ وہ دھوپ — وہ دھالوں کی سبزی وہ سرسوں کا روپ
وہ لالے کا عالم ہزارے کا رنگ — وہ آنکھوں کے ڈورے نشے کی ترنگ
وہ چادر کا چھٹنا وہ پانی کا زور — ہر اک جانور کا درختوں پہ شور

وہ چمکی ہوئی چاندنی جا بجا — وہ جاڑے کی آمد وہ ٹھنڈی ہوا
وہ نکھرا فلک اور وہ منہ کا ظہور — لگا شام سے صبح تک وقت نور
وہ سنسان جنگل وہ نور قمر — وہ براق سا ہر طرف دشت و در
وہ اجلا سا میدان وہ چمکیلی سی ریت — اگا نور سے چاند تاروں کا کھیت
درختوں کے پتے چمکتے ہوئے — خس و خار سارے جھلکتے ہوئے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سادگی صفائی اور دلکشی قابلِ دید ہے تشبیہ و استعارے کا زور تو کیا اکثر ان کے وجود کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ دھوپ چھاؤں رنگ اور نور کو اس خوبی سے پیش کیا گیا ہے کہ ہر مصرعہ دل میں اثر تا چلا جاتا ہے بہی عالم عمارات کے بیان اور در و بام کے ذکر میں بھی نظر آتا ہے کہیں کہیں تشبیہ اور استعارے سے کام تو ضرور لیا گیا ہے لیکن مبالغہ بہت کم ملتا ہے۔

دیا شہ نے ترتیب اک خانہ باغ — ہوا رشک سے جس کے لالہ کو داغ
عمارت کی خوبی دروں کی وہ شان — لگے جس میں زریفت کے سائباں
چھتیں اور پرنے بندھے زر نگار — دروں پر کھڑی دست بستہ بہار
وہ مقیش کی ڈوریاں سر بسر — کہ مہہ کا بندھا جس میں تار نظر
چھتوں کا تماشا تھا آنکھوں کا جال — نگہ کو وہاں سے گزرنا محال
دیئے ہر طرف آئینے جو لگا! — گیا چوگنا لطف اس میں سما
چھپر کھٹ مرصع کا دالان میں — چمکتا تھا اس طرح ہر آن میں

بے نظیر کل کے گھوڑے پر سیر کرتا ہوا ایک نامعلوم مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ یہاں کی عمارت کا حسن دیکھئے۔

سفید ایک دیکھی عمارت بلند — کہ تھی نور میں چاندنی سے بلند
وہ چھٹکی ہوئی چاندنی جا بجا — وہ جاڑے کی آمد وہ ٹھنڈی ہوا
در و بام یک لخت سارے سپید — ہر اک طاق محراب صبح امید
مفرق زمیں پر تمامی کا فرش — جھلک جس کی لے عرش سے تا بفرش

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بلوریں دھرے ہر طرف سنگ فرش کہ جس سے منور رہے رنگ فرش

بدر منیر کے مکان کا نقشہ پیش کرتے ہوئے شاعر نے پردوں، فرش و فروش، سائبان اور دروازوں کا ذکر نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مکان کا نظارہ چھت سے کیا رات کا وقت تھا چاندنی چھٹکی ہوئی تھی ہاں عالم میں چھتوں، پردوں اور دیواروں کے نقش و نگار بیان کیے جاتے تو مثنوی کا حسن ختم ہو جاتا لیکن دوسری جگہ میر حسن حسب موقع پوری تفصیل پیش کرتے ہیں۔

طلسمات کے سارے دیوار و در نہ یاں کے سے کوٹھے نہ واں کے سے گھر
مطلا منقش مشبک تمام یہ کیا ہے کہ ہو دھوپ کا اس میں نام
گرے چھن کے واں اس لطافت سے دھوپ کہ زردی کا جوں زعفراں پر ہو روپ
زمیں ساری واں کی جواہر نگار ادھر ہیں حسین اور ہوا میں بہار
صدا آپ سے آپ گھڑیال کی کہیں ناچ تھی اور کہیں تال کی
رہے واں کے حجروں کا جو در کھلا تو دنیا کے باجوں کی آئے صدا
مکانوں میں مخمل کا فرش و فروش بخط سلیمانی ان پر نقوش
طلسمات کے پردے اور چلمنیں ارادے یہ دل کے اٹھیں اور گریں
سر نہر سنگلہ مرصع نگار سراپا یہ رنگ گہر آبدار

میر حسن کناری کے چمکتے ہوئے جوڑے، چھنکتے ہوئے پاؤں کے گھنگھرو اور ہاتھوں کا اداؤں سے گھٹنا بڑھنا اس طرح بیان کرتے ہیں کہ لباس و شخصیت کے تمام پرکشش اور جاذب نظر پہلو ہمارے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سامنے آجاتے ہیں کرداروں کی انفرادی حیثیت ابھرتی ہے۔ اس کے بعد جذبات نگاری کے جوہر شامل کرکے اپنی فنکارانہ صلاحیتوں کا نقش بٹھا دیتے ہیں۔ مثنوی کے اہم کردار بے نظیر، بدر منیر، نجم النساء، ماہ رُخ اور فیروز شاہ ہیں ان کے علاوہ عیش بائی، خواصیں ملازمین اور دیو پریوں کی جھلک نظر آتی ہے۔ پوری کہانی چار کرداروں کے گرد گھومتی ہے بے نظیر، بدر منیر، نجم النساء اور ماہ رُخ۔ شاہی خاندانوں کے جلال و جمال، علم و یقین، جانبازی و جاں نثاری اور رفتار و گفتار کے تضاد اور یکسانیت کی نمائندگی کرتے ہیں۔ دونوں خوبصورت اور خوب سیرت ہیں لیکن میر حسن نے سراپا بیان کرتے ہوئے شخصیت کی تعمیر کا خیال رکھا ہے۔

بے نظیر کہانی کا ہیرو ہے۔ قاری اس کی جھلک سب سے پہلے ماہر فن اساتذہ کے درمیان دیکھتا ہے۔ دس بارہ سال کی عمر میں معانی و منطق، علم و بیان، منقولات، معقولات، ہیئت، ہندسہ، علم نجوم کے علاوہ تمام قسم کی خطاطی میں مہارت ہی حاصل نہیں کرتا بلکہ بڑھا کر لکھے سات سے نو قلم لکھے۔

کماں جو در پے ہوا بے نظیر — لیا کھینچ چلے میں سب فن تیر
صفائی میں سو خار پیکاں کیا — گیا جب کہ تو دے پہ طوفاں کیا
رکھا چھوٹتے ہی جو لکڑی پہ من — لیا اپنے قبضہ میں سب اس کا فن
ہوئیں دست و بازو کی سرسائیاں — اڑائیں کئی ہاتھ میں گھائیاں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

رکھا موسیقی پر بھی کچھ جو خیال — کئے قید سب اس نے ہاتھ میں تال
طبیعت گئی کچھ جو تصویر پر — رکھے رنگ سب اس نے مدنظر
کئی دن میں سیکھا یہ کسب و فنگ — کہ حیراں ہوئے دیکھ اہل فرنگ
سو ان کمالوں کے کتنے کمال — مروّت کی خو آدمیت کی چال
گیا نام پر اپنے وہ بے نظیر — ہر اک فن میں سچ مچ ہوا بے نظیر

تھوڑی دیر کے لئے یہ بھول جائیے کہ دس بارہ سال کا لڑکا مذکورہ بالا علوم کو کس طرح حاصل کر سکتا ہے۔ میر حسن نے عرض کر دیا تھا۔

دیا اتنا زبس حق نے ذہن رسا — کئی سال میں علم سب پڑھ لیا۔

اس کے علاوہ بادشاہ زادے میں ان تمام خوبیوں کا ہونا ضروری ہے۔ وہ حاکم وقت کا نمائندہ اور جانشین ہوتا ہے ملک و مال کی حفاظت رعایا کی خبر گیری، علماء کی سرپرستی، اور دشمن کی سرکوبی اس کے فرائض میں داخل ہے ان حقائق سے چشم پوشی ممکن نہ تھی کیا ہونا چاہیئے۔ میر حسن نے بیان کر دیا۔ کیا ہوتا ہے اس کے متعلق صرف یہ عرض کر دینا کافی ہے کہ محمد شاہ رنگیلے، آصف الدولہ اور واجد علی شاہ ہر دور میں نظر آتے ہیں۔ کردار کا تضاد بے عملی کا ثبوت ہر دور میں ملتا ہے بے نظیر اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، علم و فضل کے بیان کے بعد مردانہ حسن کا عالم ملاحظہ کیجئے۔

ہوا جب کہ داخل وہ حمّام میں — عرق آ گیا اس کے اندام میں
تن نازنیں نم ہوا اس کا کل — کہ جیسے رچ دیدے ہے شبنم میں گل

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نہانے میں یوں تھی بدن کی دمک — برستے میں بجلی کی جیسے چمک
لگا ہونے ظاہر جو اعجاز حسن — ٹپکنے لگا اس سے انداز حسن
وہ گورا بدن اور بال اُسکے تر — کہے تو کہ ساون کی شام و سحر
کہوں اس کی خوبی کی کیا تجھ سے بات — کہ جوں بھیگتی جائے صحبت میں رات
نہا دھو کے نکلا وہ گل اس طرح — کہ بدلی سے نکلے ہے مہ جس طرح

مردانہ حسن کے متعلق بات کھل کر نہیں کہی گئی صرف گورے بدن اور بالوں کی تری کا ذکر ملتا ہے مختلف اشعار کے دوسرے مصرعوں کی نازک تشبیہوں کی مدد سے شاعر نے مردانہ حسن کی نزاکتوں و لطافتوں کی بھرپور وضاحت کردی ہے۔ ظاہری و باطنی خوبیوں کا یہ مجموعہ چاندنی کی بہار دیکھنے کے لئے کوٹھے پر آرام کرنے کا فیصلہ کرتا ہے، قضارا ادھر سے ایک پری کا گذر ہوا شاہزادے کے حسن پر سو جان سے نثار ہوئی عشق میں یہ ترنگ سوجھی کہ شاہزادے کا پلنگ لے چلو۔

غرض لے گئی آن کی آن میں — اڑا کر وہ اس کو پرستان میں

پرستان میں پہنچ کر اس کی آنکھ کھلی تو سرہانے مہ چارہ نظر آئی، اجنبی رشک مہ نے اظہار عشق کیا ڈرے اور سہمے ہوئے شاہزادے نے

بہ جبر آدل اپنا لگایا وہاں — کہا اس نے جو کچھ کہا اس کو واں

بے نظیر کو بے عمل اور ڈرپوک کہنے سے پہلے اس کی عمر کا خیال کیجئے اور پریوں کے متعلق مشہور قصوں اور کہانیوں کو ذہن میں رکھئے۔ میر حسن

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نے اس کی شرافت کی وضاحت کردی ہے شراب و کباب بہار و نگار اور بوس و کنار کے باوجود غم دوستاں میں گھل گھل کر مرتا تھا۔ اور پھر شراب کا نشہ اچھے بھلے انسانوں کو بے اختیار کر دیتا ہے ماہ رخ کے پاس عشق کے بجائے ہوس پرستی ہے۔ لیکن سچی بات ہے کہ خوف و نفرت کے جذبات نہ ہوتے تو شاید بے نظیر بدر منیر سے پہلے ماہ رخ سے اسی طرح پر خلوص محبت کر لیتا۔ یہاں بھی کمزوری اور بے عملی نظر آتی ہے۔ اس کے کردار میں تھوڑی سی زندگی کل کا گھوڑا ملنے کے بعد نظر آتی ہے۔ ماہ رخ کی تاکید یا تنبیہہ کے باوجود شریک محفل ہوتا ہے اور کئی دنوں تک چھپ کر رنگ رلیاں مناتا ہے۔ پری کو خبر ہوتی ہے۔ اور حرب و ضرب کا ماہر کنوئیں میں بند کر دیا جاتا ہے۔ انسان ہوتا تو شاید شخصیت کے کچھ اور جوہر کھلتے لیکن پری کا دیدبہ ذہن پر حاوی تھا۔ چپ چاپ قید ہو گئے۔ بدر منیر کی محبت نے کنوئیں کی صعوبتوں کو سہارنے اور نئی زندگی حاصل کرنے کا حوصلہ عطا کیا۔ آزاد ہونے کے بعد بدر منیر سے شادی کا اظہار کرتا ہے اور اس کے والد کو دھمکی دیتا ہے۔ مگر کیا کیا جائے مسئلہ بڑی آسانی سے طے ہو گیا اور جنگ و جدل کے بغیر ولی عہد کامیاب و کامراں گھر لوٹ آتا ہے۔ ماہ رخ بے نظیر کی زندگی میں سب سے پہلے داخل ہوئی۔ مثنوی کا یہ فوق فطری کردار اپنے احساسات و جذبات کی تکمیل یا تسکین کے ذریعے جاتا ہے یہاں انسانوں جیسا رکھ رکھاؤ نظر نہیں آئے گا۔ شہزادے کا بھیس بھوکا سا بدن

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دیکھتے ہی آتش عشق میں جلنے لگی

دو پٹے کو اس مہ کے منہ سے لگا دیا گال سے گال اپنا ملا

ماہ رخ قصہ کو الجھاتے اور اسے آگے بڑھانے میں مدد دیتی ہے اس کی عیش پرستی اور جذبہ مہد قاری کے لئے مزید دلچسپی کا سبب بنتے ہیں بدر منیر کی محبت کی خبر ملنے کے بعد بے نظیر کو جو سزا دی گئی اس سے دیوؤں اور پریوں کی بے پناہ قوت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کے گھر بار کی تمام چیزیں طلسمی ہیں مگر طبیعت میں انسانی محبت اور ہوس پرستی نظر آتی ہے جنوں کے بادشاہ کے سامنے اس کا وہی عالم ہوتا ہے جو بے نظیر کا اس کے سامنے تھا کردار جھوٹا سہی لیکن تضاد کے لئے ضروری تھا میر حسن نے کہانی میں دلچسپی اور بدر منیر نے عشق میں گرمی پیدا کرنے کے لئے ماہ رخ کی تخلیق کی۔

بے نظیر ایک رات کل کے گھوڑے پر سیر کے لئے نکلتا ہے ایک نامعلوم جگہ سے گزرا تو سہانا سا ایک باغ نظر آیا عمارت کی سفیدی، بلندی، چھٹکی ہوئی چاندنی، نکھرا فلک مہ کا ظہور اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے کچھ اس طرح دل لبھایا کہ کوٹھے پر اترنے کے لئے مجبور ہوا کوٹھے سے دبے پاؤں اتر کر درختوں کی آڑ لیتا ہوا آگے بڑھا اور بدر منیر سے پہلی بار ملا۔

کروں اس مکاں کے مکیں کا بیاں کہ ہے بعد خاتم نگیں کا بیاں

وہ مسند جو تھی موج دریائے حسن وہاں دیکھیا اک مسند آرائے حسن

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

برس پندرہ ایک کا سن و سال — نہایت حسیں اور صاحب جمال!
دیے کہنی تکیہ پہ اک ناز سے — سر بہر بیٹھی تھی انداز سے
کروں اس کی پوشاک کا کیا بیاں — فقط ایک پشواز آب رواں
زبس موتیوں کی تھی سنجاف کل — کہ لوٹے وہ بیٹھی تھی موتی میں تل
سب اعضا بدن کے موافق درست — ہر ایک کام میں اپنے چالاک و چست
جہاں راستی چاہیے راستی — کجی جس جگہ چاہیے واں کجی
وہ مکھڑا جسے مہ دیکھ داغ کھائے — وہ نقشہ کہ تصویر کو حیرت آئے

دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر حسب توقع اسیر دام الفت ہو گئے کسی کو تن من کی سدھ نہ رہی شہزادی جذبہ محبت کی تاب نہ لا سکی اور بے ہوش ہو گئی۔ حسن اور نزاکت کا یہ عالم، شاہی خاندان اور مشرقی تہذیب کی پروردہ پندرہ سولہ سال کی دوشیزہ محبت سے مجبور تو ہو سکتی ہے لیکن مرد کے سایے سے مستقل دور رہنے کی وجہ سے خوف و ہراس سے دامن نہیں چھڑا سکتی۔

ڈاکٹر وحید قریشی لکھتے ہیں:

"بدر منیر کا کردار ایک ہسٹریا زدہ عورت کا کردار ہے پہلی ہی ملاقات میں اسکا بیہوش ہو جانا اور پھر ہجر کی صعوبتوں میں غشی کے مسلسل دورے اسے ایک مفعول اور بڑی گرم عورت بناتے ہیں"[1]

---

[1] میر حسن اور ان کا زمانہ وحید قریشی ص ۱۵۵

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

وحید قریشی مشرقی تہذیب کے آداب اور عشق کی روایات کو پیش نظر رکھتے تو نتائج مختلف برآمد ہوتے۔ نجم النساء نے بے ہوش شاہزادی کو سنبھالا لاکلاب چھڑکا اور کھل کر ملنے کا موقع فراہم کیا۔ ہوس کی آگ بھڑکانے کے لئے شراب و کباب کا سہارا لیا جاتا رہا ہے۔ بدر منیر نے جام اٹھایا تو شرم کے پردے ہٹ گئے آپ اس نازک معصوم اور دھان پان شہزادی سے نہیں شراب پیئے ہوئے عورت سے مل رہے ہیں۔ بدر منیر عورت ہے شہزادی ہونے کے باوجود انسانی کمزوریوں کی حامل ہے۔ شراب پی کر پاس و کنار سے پرہیز کیسے کرتی اسی طرح سوت کا ذکر آتے ہی اسکا جھنجھلانا فطری ہے ؎

میں اس طرح کا دل اسکا تی نہیں یہ شرکت تو بندی کو بھاتی نہیں

گفتگو کا یہ انداز غیر فطری ہے لیکن محبت سچی لہذا بے نظیر غائب ہو جاتا ہے۔ تو زندگانی سے خفا ہونے لگتی ہے اور بہانے سے روتی ہے کھل کر رونا بدنامی کا باعث ہو جاتا ہے ؎

جہاں بیٹھا پھر نہ اٹھا اُسے محبت میں دن رات گھٹتا ہے

دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ عاشق پر مصیبت آئے تو چھٹی حس کے ذریعہ بہت سی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ زود حسی بیماری نہیں ہوتی ڈاکٹر وحید قریشی کو یہاں بھی غلط فہمی ہوئی۔ وزیر زادی نجم النساء خواب محبت کی تعبیر تلاش کرتی ہے ورنہ ناکامی کے خدشات زیادہ تھے۔ بہرحال بدر منیر کے یہاں حرکت و عمل کی ٹھوس مثالیں نہیں ملتیں وجہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ظاہر ہے شاہزادیاں ایسی ہی ہوتی تھیں نجم النساء کسی انسان یا دیو کی محبت میں جو گن بنتی تو بھی اس کے کردار کی جاذبیت اور اہمیت برقرار رہتی، شاہزادے کی تلاش میں سب کچھ نچھاور کر کے اس کے کردار کو بے حد پرکشش بنا دیتا ہے۔ پوری مثنوی میں کردار نگاری کا شاہکار۔ نجم النساء کا کردار ہے۔ بظاہر دنیادار چالاک اور تیز و طرار لڑکی ہے زندگی اور جوانی سے محبت کرتی ہے اور دوسروں کے لئے داد عیش کے مواقع فراہم کرتی ہے۔ بدر منیر بے نظیر سے ملتی ہے تو دعوت کے لئے سارا انتظام نجم النساء کرتی ہے۔

کیا ہے اگر تو نے کھائل اسے — تو مت چھوڑ اب نیم بسمل اسے
ٹک اک حظ اٹھا زندگانی کا تو — مزہ دیکھ اپنی جوانی کا تو
مئے عیش کا جام اب نوش کر — غم دین و دنیا فراموش کر
کہاں یہ جوانی کہاں یہ بہار — یہ جوبن کا عالم بھی ہے یادگار
سدا عیش دوراں دکھاتا نہیں — گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں
شب و روز پی مل کے جام شراب — مہ و مہر کو رشک سے کر کباب

بدر منیر کی بے قراری دیکھ کر نجم النساء پہلے تسلی دینے کی کوشش کرتی ہے اور کہتی ہے۔

مسافر سے کوئی بھی کرتا ہے پیت — مثل ہے کہ جوگی ہوئے کس کے میت
اری چار دن کے ہیں یہ آشنا — ملا دل کو آخر کریں ہیں جدا
سنو جانی اپنے پہ جو کوئی مرے — تو دل پہلے اپنا بھی صدقے کرے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اگر آپ پر کوئی شیدا نہ ہو تو پھر چاہیئے اس کی پروا نہ ہو

شاہزادی خواب میں بے نظیر کی مصیبتوں سے باخبر ہوتی ہے۔ اس کی بے چینی اور پریشانی نجم النساء دیکھ نہیں سکتی۔ اور جہاندیدہ تیز و طرار لڑکی جوگن بن کر شہزادے کو تلاش کرنے نکل کھڑی ہوتی ہے بظاہر نجم النساء کے کردار میں تضاد نظر آتا ہے عیش و عشرت پر یقین رکھنے والی لڑکی محبت کی قائل کس طرح ہوئی بات یہ ہے کہ وزیرزادی دختر وزیر بادشاہوں اور شہزادیوں کی محبت و نفرت سے واقف ہوتے ہیں اور یوں بھی محبت اور ہوس پرستی کا فرق شاہزادے اور شاہزادیاں بہت کم جانتی ہیں نجم النساء نے عیش و عشرت کے سامان فراہم کیے۔ جدائی کے ابتدائی ایام میں طرح طرح سے سمجھانے اور بہلانے کی کوشش کی اور جب یقین ہو گیا تو ناموس وفا کی حفاظت کے لئے نکل کھڑی ہوئی اس کے کردار میں ایثار وفاداری ہمت و محبت کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی ہے

شہزادے کی تلاش اور فیروز شاہ سے ملاقات کے وقت اس کے کردار کے مزید جوہر کھلتے ہیں۔ وہ محبت سے مجبور ہو کر مقصد نہیں بھولتی بلکہ اپنی محبت کو مقصد کی تکمیل کا ذریعہ بناتی ہے۔ وہ جنسی جذبات سے مغلوب ہوتی ہے اور نہ بدحواس ایسا بھی نہیں کہ اس کی زندگی میں محبت کا گزر نہیں۔ فیروز شاہ سے تعلق ہے لیکن متوازن اور صحت مند وہ اپنے دل کی آگ کو دبانا اور دوسروں کے مسائل و معاملات کو سلجھانا جانتی ہے۔ بے نظیر اور بدر منیر کی شادی سے پہلے حرف مطلب زبان پر نہیں لاتی ہاں اس کے بعد زندگی سے لطف اندوز ہونے کا اسے بھی حق حاصل ہے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

باب چہارم

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میر حسن بحیثیت غزل گو

"بدر منیر" نے میر حسن کے نام کو آسمانِ شہرت پر "مہر منیر" بنا کر روشن کیا۔ ان کا خیال تھا کہ ؎

رہے گا جہاں میں مرا اس سے نام — کہ ہے یادگار جہاں یہ کلام

حرف بہ حرف درست نکلا۔ نظامی اور رومی تو کجا، "شاہنامہ فردوسی" کو بھی یہ قبولِ عام شاید ہی نصیب ہوا ہو، "جو بت خانہ چین" کو حاصل ہے[1] حبیب الرحمٰن خاں شروانی لکھتے ہیں

"جو پڑھ سکتے تھے انھوں نے پڑھی، جو نہیں پڑھ سکتے تھے انہوں نے پڑھوا کر سنی۔ جاہلوں کا بھی یہ عالم رہا۔ کہ جو دو چار شعر یاد تھے ان کو پڑھتے اور سر دھنتے تھے۔ چاندنی رات میں ماہِ کامل کی روشنی بہت سے ستاروں کو نگاہ سے اوجھل کر دیتی ہے۔ یہی حال "بدر منیر" کی آب و تاب کے سامنے میر حسن کے باقی کلام کا ہوا"[2]

میر حسن کے باقی کلام کے متعلق شروانی صاحب کا خیال بالکل درست

---

[1] مقدمہ تذکرۂ شعرائے اردو، حبیب الرحمٰن خان شروانی

[2] " " " " " "

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہے۔ تذکرہ نگاروں اور نقادوں نے میر حسن کی شاعری کے دوسرے پہلوؤں کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اس کی ایک وجہ "بدر منیر" کی بے پناہ مقبولیت ہے اور دوسری ان کے کلام کی نایابی۔ آزاد کو "آب حیات" لکھتے وقت پانچ غزلیں بھی نہ مل سکیں کہ درج کرتے۔ لکھتے ہیں:۔

"دیوان اب نہیں ملتا۔ حکیم قدرت اللہ قاسم فرماتے ہیں کہ انواع سخن سے لبریز ہے صاحب "گلزار ابراہیم" ۱۱۹۶ھ میں کہتے ہیں کہ سید صاحب موصوف نے کلام مجھے بھیجا ہے..... آج یہ نوبت ہے کہ پانچ غزلیں بھی پوری نہ ملیں، جو اس کتاب میں درج کرتا۔" [۱]

زمانہ حال میں کلیات و دواوین کے مختلف نسخے علی گڑھ، رامپور پٹنہ، حیدر آباد اور کلکتہ میں دستیاب ہو چکے ہیں۔ ہونا یہ چاہیئے تھا کہ "مثنوی سحر البیان" کے خالق کی دوسری تخلیقات کا بھرپور جائزہ لیا جاتا، اور مجموعی طور پر اس کا مقام متعین ہوتا۔ لیکن ہمارے ناقدوں کی نگاہیں طائرانہ پرواز سے آگے نہ بڑھیں۔ کسی نے قلم بھی اٹھایا تو رواداری میں۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی [۲] اور ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی [۳] کی توجہ بھی سحر البیان تک محدود رہی۔ صدیقی صاحب غزلیات پر اظہار

---

[۱] آب حیات (مطبوعہ) صفحہ ۳۱۴، ۳۱۵

[۲] لکھنؤ کا دبستان شاعری (مطبوعہ) ابواللیث صدیقی صفحہ ۱۱۷ تا ۱۲۴

[۳] دلی کا دبستان شاعری (مطبوعہ) نورالحسن ہاشمی صفحہ ۲۳۱ تا ۲۳۹

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

خیال فرمائے ہوئے آزاد، عبدالحی اور مولینا حسرت موہانی کے اقوال سے آگے نہ بڑھ سکے۔ غزل اور متغزلین کی فہرستِ مضامین میں ایک مضمون کا عنوان "میر حسن کی غزل" درج ہے۔ مگر کتاب کے اندر مضمون کا عنوان "میر حسن کی شاعری" ہے۔ سولہ صفحات پر پھیلے ہوئے اس مضمون میں تمام اصناف سخن کا جائزہ لیا گیا ہے۔ جس کے نو صفحات میں مثنویات، سات کے تین صفحات میں غزلیات اور ساڑھے تین صفحات میں قصیدہ، مرثیہ، مخمس وغیرہ سے بحث کی گئی ہے۔

جن نقادوں نے میر حسن کی شاعری پر اظہار خیال بھی کیا ہے۔ ان کے یہاں کوئی نئی بات نہیں۔ تنقید گھوم پھر کر آزاد اور حسرت موہانی کے اقوال کا چربہ ہو جاتی ہے۔ آزاد، "آبِ حیات" میں لکھتے ہیں:۔

"ان کے اشعار غزل کے اصول میں گلاب کے پھول ہیں اور محاورات کی خوش بیانی مضامینِ عاشقانہ کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے۔ میر سوز کا انداز بہت ملتا ہے"[1]

صاحب "گلِ رعنا" کا خیال ہے کہ

"غزل میں ان کا درجہ بہت بلند ہے"[2]

میر حسن کے کلام کا جائزہ لیتے ہوئے حسرت موہانی فرماتے ہیں:۔

---

[1] آبِ حیات (مطبوعہ) محمد حسین آزاد۔ صـ ۳۱۱

[2] گلِ رعنا۔ (مطبوعہ عبدالحی)، صـ ۲۴۷

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

"حسن کا طرزِ کلام زیادہ تر میر اور اکثر سودا کے اندازِ شاعری سے ملتا جلتا نظر آتا ہے۔ اور ایسا ہونا بھی چاہیئے تھا۔ کیونکہ سودا سے بلا واسطہ اور میر سے ضیاء کے واسطے سے ان کی شاگردی مسلم ہے۔ بیان سے گزر کر زبان دیکھئے تو وہ بھی انہیں دونوں بزرگوں کی سی ثابت ہوتی ہے۔ وہی "میں کیا" "میں دیکھا" جو میر و سودا اور درد کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ اُن کے کلام میں موجود ہے "دیکھوں ہوں" "دیکھے ہے"۔۔۔۔ سادگی اور شیرینیِ حسن کے دیوان میں بھی وہی کیفیت دکھائی دیتی ہے جس کی بہار میر کے کلام کی جان ہے۔ فارسی ترکیبوں کے ترجمے ان کی غزلوں میں بھی دلپذیری کی اسی شان میں پائے جاتے ہیں۔

حسن کا جلوہ سودا اور قائم کی سحر طرازیوں کے ساتھ مخصوص ہے"[1]

ابواللیث صدیقی لکھتے ہیں:

"بعض لوگ کہتے ہیں میر حسن کے یہاں سودا کا انداز پایا جاتا ہے۔ میرے خیال میں حسن کا رنگ سودا کے مقابلے میں میر اور سوز سے زیادہ قریب ہے۔ سودا کے یہاں تخیل کی بلندی، الفاظ کی ہماہمی اور بیان کا شکوہ ہے۔ یہ چیزیں میر حسن کے یہاں نہیں ہیں۔ اور خاص تغزل کے اعتبار سے غزل میں ان چیزوں کا نہ ہونا ہی مناسب ہے ورنہ پھر وہی صورت پیدا ہو جائے گی جو سودا کے بارے میں کہی گئی ہے۔ یعنی غزل شِکستہ قصیدہ طور" میر حسن

---

[1] تذکرۃ الشعراء، حسرت موہانی۔ بحوالہ، دلی کا دبستان شاعری صہ ۱۹۲

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کے یہاں اس کے برعکس قصیدے بھی غزل طور ہو کر رہ گئے ہیں"[1]
ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی رقمطراز ہیں:۔

ان کے یہاں گہرائی اور وسعتِ مضامین شاذ ہی ہے۔ البتہ زبان میں روزمرہ اور محاورہ کا لطف ملتا ہے"۔[2]

سب سے پہلے آزاد کے قول کا تجزیہ کیجیے۔ ایک طرف یہ بیان کہ پانچ غزلیں بھی پوری نہ ملیں جو اس کتاب میں درج کرتا" دوسری طرف یہ فیصلہ کہ ان کے اشعار غزل کے اصول میں گلاب کے پھول ہیں اور محاورات کی خوش بیانی مضامین عاشقانہ کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے، میر سوز کا انداز بہت ملتا ہے[3]۔ اگر پہلا بیان درست ہے تو دوسرے قول کی کیا اہمیت باقی رہ جاتی ہے۔ کلیات میر حسن میں تقریباً چار ہزار غزل کے اشعار ہیں۔ دس بیس غزلوں کے مطالعے سے بھی صحیح نتیجہ نہیں اخذ کیا جا سکتا۔ چہ جائیکہ صرف تین نامکمل غزلیں انتخاب کر کے حتمی فیصلہ صادر کر دیا گیا۔ آزاد کے انتخاب سے ان کے بیان کی مزید کمزوری ظاہر ہو جاتی ہے

انتخاب آزاد

غزل

---

[1] غزل اور متغزلین (مطبوعہ) ص ۱۲۸

[2] ولی کا دبستانِ شاعری (مطبوعہ) ص ۱۹۰

[3] آب حیات ص ۳۱۵، ۳۱۴، ۳۱۱

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جو چاہے آپ کو تو اسے کیا نہ چاہیئے
انصاف کر تو چاہیئے پھر کیا نہ چاہیئے

مجھ ایسا تجھ کو چاہے نہ چاہے عجب نہیں
تجھ سا جو مجھ کو چاہے تو پھر کیا نہ چاہیئے

کس کو سنا کے کہتے ہیں ہیں چاہتا نہیں
اب کیوں جی! ہم برے ہوئے، اچھا نہ چاہیئے

گر پاس تیرے بیٹھوں تو معذور رکھ مجھے
جب جا پہ شمع ہوئے تو پروانہ چاہیئے

عیشِ وصالِ صحبتِ یاراں، فراغِ دل
اس ایک جان کے لئے کیا کیا نہ چاہیئے

دیتے ہو تم دکھائی جو ہمراہ غیر کے
اس طرح سے غرض تمہیں دیکھا نہ چاہیئے

اب جیسے اک حسنؔ سے ہنسے تھے تو ہنس لئے
پر اس طرح ہر اک سے ٹھٹھا نہ چاہیئے

یہ طرفہ ترکہ تیری سنبھلتی نہیں زبان
اور تیرے سامنے مری چلتی نہیں زباں

میرا تو دل جلا تری باتوں سے شمع رو
تو بھی تو دیکھ کیا تیری جلتی نہیں زباں

کل عہد کچھ کیا تھا، دیا تو نے آج کچھ
پھر تو کہو کہ میری بدلتی نہیں زباں

سرگرمِ سوزِ عشق رہے ہے یہ مثلِ شمع
تن گھل گیا اور پگھلتی نہیں زباں

سو سو طرح سے کرتا ہوں تقریرِ حسنؔ
عہدہ سے حال دل کے نکلتی نہیں زباں

وہ جب تک کہ زلفیں سنوارا کیا
کھڑا اس پہ میں جان وارا کیا

ابھی دل کو لے کر گیا میرے آہ!
وہ چلتا رہا، میں پکارا کیا

قمارِ محبت میں بازی سدا
وہ جیتا کیا اور میں ہارا کیا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کیا قتل اور جان بخشی بھی کی
حسن اس نے احسان دوبارہ کیا [1]

مولانا حسرت موہانی کا قول سامنے رکھ کر میر و مرزا کے عہد کے کسی شاعر کا کلام دیکھیے، تمام خصوصیات مل جائیں گی۔ اس عہد کا کوئی بھی شاعر میر تقی میر اور سودا کے اثرات سے نہیں بچ سکا ہے۔ اردو شاعری کے اس دور کے علاوہ کسی اور عہد کو لیجیے مثلاً عہد ناسخ کے کسی شاعر کا کلیات اٹھائیے کلام کا بڑا حصہ ناسخ کی خوبیوں اور خامیوں سے مزین نظر آئے گا۔ غالب جیسا شاعر بھی اس بازی گری کا معترف ہے۔

میر کے عہد کی داخلیت، سوز و گداز، حسرت اور تڑپ کے پیچھے انفرادی اور سماجی زندگی کی ان گنت مجبوریوں، ناکامیوں اور بربادیوں کی داستانیں پوشیدہ ہیں بقول مجنوں گورکھپوری:۔

ہر زمانے کا فن اس زندگی کی بدولت زندہ رہا جس کے نقش اس نے پیش کئے ہیں۔ فن ہمیشہ ایک مخصوص معاشرے کے بطن سے پیدا ہوا، اور فن کا سرچشمہ ارضی اور مادی زندگی ہے" [2]

عہد میر کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ شعرا تباہ و برباد ہونے کے باوجود کبھی زندگی سے مایوس نہیں ہوتے بظاہر یہ خصوصیت

---

[1] آب حیات صہ ۳۱۵ و صہ ۳۱۶

[2] دوش فردا (مطبوعہ) مجنوں گورکھپوری صہ ۱۵

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کچھ عجیب سی معلوم ہوتی ہے۔ مگر تاریخ کا غور مطالعہ الجھی ہوئی کڑیوں کو سلجھا دیتا ہے۔ دُرّانی کے حملوں اور جاٹوں کی ریشہ دوانیوں سے پہلے دلی کئی بار اجڑ کر بس چکی تھی۔ تخریب کے ساتھ تعمیر کا پہلو اس طرح ابھرتا تھا کہ لوگ ششدر رہ جاتے تھے۔ نادری طوفان سے پہلے نہ جانے کتنے سیلاب آچکے تھے۔ غالباً تخریب و تعمیر کی یہی مسلسل تاریخ دہلوی شعراء کو زندگی سے مایوس نہ ہونے دیتی تھی۔

عہد میر و مرزا کے تذکرہ نگاروں اور شاعروں نے ابہام گوئی کی مذمت کی ہے۔ اسی لئے حاتم جیسا امام ابہام گوئی بھی کلام پر نظر ثانی کرنے پر مجبور ہوا۔ میر حسن بھی ابہام گوئی کو برا سمجھتے تھے۔ لیکن انھیں اس کی خوبیوں کا بھی احساس تھا۔ اس میں شک نہیں کہ بے ساختگی اور جذبات نگاری کی راہ میں آراستگی اور صنعت کاری کا دخل شعریت اور تغزل کو مجروح کرتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں شعر کی لطافت اور تاثیر میں کمی آجاتی ہے۔ شاعر جذبات کے بجائے الفاظ سے کھیلنے کا عادی ہو جاتا ہے۔ دھیرے دھیرے یہی جذبہ شاعری کو حقیقی راہوں سے ہٹا کر الفاظ کی طلسمی دنیا تک محدود کر دیتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ ابہام گو شاعروں نے الفاظ کے پیکر تراشنے میں نمایاں حصہ لیا۔ بقول ڈاکٹر محمد حسن:۔

"ابہام گو شعراء نے الفاظ کے پیکر تراشنے میں نمایاں حصہ لیا۔ ایک لفظ کی معنوی حیثیت میں کتنا تنوع ہو سکتا ہے، وہ یک وقت کتنے مفہوم

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ادا کر سکتا ہے اور کتنے پہلوؤں کو سمو سکتا ہے۔ محاورہ کا جزو بن کر کس طرح اس بیان میں معنوی تبدیلی آجاتی ہے اور الفاظ کس طرح دوسرے الفاظ سے مربوط ہو کر اپنے معنی تبدیل کر سکتے ہیں۔ ان لطیف نکات کی طرف جس طرح ایہام گو شعراء نے توجہ کی اس سے قبل نہ کی گئی تھی۔ ایہام گو شاعر کے نزدیک لفظ گنجینۂ معنی کے طلسم کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس سے مختلف آوازیں اور مختلف نغمے پیدا ہوتے ہیں۔ لفظیات کا یہ نیا ادراک زبان اور ادب کے ابتدائی دور میں ایک بڑی خدمت کی حیثیت رکھتا ہے۔[1]

میر، سودا، قائم اور میر حسن وغیرہ ایہام گوئی کی مخالفت کے باوجود اس طرزِ خاص سے مکمل آزادی نہ حاصل کر سکے۔

سودا:۔

پوچ مجھے اس دور کہن میں کیا پوجے ہے پتھر کو
مجھ دھتی کو بنا برہمن بتوں نے اپنا رام کیا

دہقان پسر وہ ہم سے یوں صلح کب کرے ہے
بوٹوں کے کھیت اوپر جب تک نہ جنگ ہووے

ہو شاد اس غزل سے روح آبرو کی سودا
تو اس زمیں میں ناداں طوطا اپنا کیوں نہ بھولے

غم سے خزاں کے خون جگر چھٹ اب آ اے نسیم غنچے گلوں کے کچھ نہیں کھلتے انھیں کھلا

---

[1] فکر و نظر جولائی ۱۹۶۱ء "اردو شاعری میں ایہام گوئی" ڈاکٹر محمد حسن صاحب صد ۲۲

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میر تقی میر:۔ یاں لبِ لعلِ پر نمک گل گیا واں غیر اپنی ٹکی لگائے جاتا ہے۔
یہ ہندی کا دعویٰ اسکے لبِ خنداں سے بس مجھ نہ چلا ورنہ پستے کو چبا جاتا

کلیاتِ میر حسن میں بھی اس طرز کے اشعار اکثر ملتے ہیں:

سیر رے نیرے خط کے آنے کی دھوم دی ہے خضری خبر اڑی ہے تحقیق ہو کہ آخر
سجن جل جاؤں گا میں رشک سے مت دیکھ آئینہ دکھائے غیر کو منہ آرسی تجھ کو نہیں آتی
مژگاں سے جھاڑتے ہیں جو اس گل کے تنکے رہتے ہیں ہم دوانے روزِ ازل سے تنکے
اک دم میں بھوت ہیں وہ اک دم میں ہیں فرشتہ ہم آشنا ہوئے ہیں دو چار دن سے جنکے
کیا ڈھنگ ہوئیں دیکھیں اب کے ترے جنوں کے صحرا کو پھر وہ نکلا مجنوں کے جال بن کے

زبان کی صفائی کے سلسلے میں الفاظ و محاورات میں جو تغیرات ہوئے اس کی طویل فہرست صفیر بلگرامی نے اپنے تذکرے میں دی ہے۔ ان اصلاحات کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اردو شاعری فارسی سے قریب تر ہوتی گئی۔ سعدی، حافظ، نظیری، صائب، وغیرہ سے استفادہ شروع ہوا۔ اکثر اشعار اور غزلوں کے ترجمے ہونے لگے۔ ؎

حافظ: مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در محفلِ رنداں خبرے نیست کہ نیست

سودا:۔ رازِ دیر و حرم افشا نہ کریں ہم ہرگز
ورنہ کیا چیز ہے یاں اپنی نظر سے باہر

عرفی: مدارِ صحبتِ ماہر حدیثِ زیرلبی است
کہ اہلِ بزم عوام اند گفتگو عربی است

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میر تقی میرؔ:۔ ہر اک سے کہا نیند میں پر کوئی نہ سمجھا
شاید کہ مرے حال کا قصہ عربی تھا!

نظیریؔ:۔ دیدہ ام دفترِ پیمانِ وفا حرف بہ حرف
نامِ خوباں ہمہ ثبت است ہمیں نام تو نیست

قائمؔ فہرست میں خوبانِ وفادار کے پیارے
دیکھا تو کہیں اس میں ترا نام نہ پایا[1]

فارسی شاعری کے تتبع، تشبیہات و استعارات کا دفینہ، عطا کر دیا۔ شعرا نئے نئے اسالیبِ بیان سے کلام میں لطف و اثر پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ زبان کی صفائی نے روزمرّہ اور محاورے کو نئی زندگی عطا کی۔ مگر مضامین وہی رہے، جو دوسرے دور کے شعراء کے یہاں ملتے ہیں۔ بقول ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی:۔

"مضامین وہی رہے جو دوسرے دور میں تھے کیونکہ تمدن وہی تھا۔ تہذیب میں ایرانی اثر وہی۔ مضامین کی نوعیت کیونکر بدل جاتی ہے۔ البتہ اسالیبِ بیان نئے نئے اختیار کیے گئے۔ لطف اور اثر دونوں کو پیدا کرنے کی کامیاب کوششیں کی گئیں کہیں تشبیہ و استعارے سے لطف کہیں محاورے اور روزمرّہ سے اثر پیدا کیے گئے۔ کہیں بندش کی چستی اور ترکیب کی درستی نے ایک عجیب صفائی پیدا کر دی۔ غرض ایک روانی پیدا ہو گئی جو دوسرے دور میں شاذ تھی۔ ہر خیال صفائی اور برجستگی

---

[1] بحوالہ شعر الہند، عبدالسلام ندوی ص ۱۶۴ ج ۴

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سے بندھنے لگا۔ [1]

اس عہد میں زبان کو سنوارنے اور نکھارنے کی بڑی کامیاب کوششیں ہوئیں۔ زبان میں روانی اور برجستگی پیدا ہوئی۔ لیکن پھر بھی ٹک، جاگہ، پلٹ، ایدھر، اودھر، کیدھر، سو، کب تئیں، آنکھ موبدنا، لوہ، اس پاس، ہیں دیکھا، ہیں کیا وغیرہ میر، سودا، قایم اور میر حسن کے یہاں بھی یکساں نظر آتے ہیں۔

آزاد نے میر حسن کا شمار قدما کے چوتھے دور میں کیا ہے۔ مذکورہ بالا تمام الفاظ دور چہارم میں متروکات کی فہرست میں آگئے تھے میر حسن انھیں بلا تکلف استعمال کرتے ہیں۔ میر حسن کی وفات اور کلام کی خصوصیات انھیں تیسرے دور کے شعراء سے قریب تر کر دیتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ میر حسن کا کلام دو ادوار کے بیچ کی کڑی ہے۔ اردو شاعری کا تیسرا دور ختم ہو رہا تھا اور چوتھے دور کے آفتوش آصف الدولہ کے عہد سے ابھرنا شروع ہو گئے تھے۔ میر حسن کے دیوان کے آخری حصے میں متروکات کا استعمال بہت کم ہوا ہے۔ اور زبان بھی زیادہ سلیس اور صاف ہوتی گئی ہے۔ کبھی کبھی غزلوں میں مسی، بالی، کنگن، چوٹی، وغیرہ کا ذکر ملتا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ میر حسن غزلگو ہونے کے علاوہ مشہور مثنوی نگار تھے۔ بیانیہ شاعری کا عام انداز غیر شعوری طور پر آگیا۔ دوسری

---

[1] ولی کا دبستان شاعری، ڈاکٹر ہاشمی ص ۸۹

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ دورِ چہارم میں شعراء ان اشیاء کا ذکر عام طور سے جائز سمجھتے تھے۔ کلیات میں ردیف دن، داد اور ری میں ترکیبات کا استعمال عموماً کم ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ترتیب کا کام لکھنؤ میں کیا گیا۔ قصیدوں کے مطالعے سے اس خیال کی مزید توثیق ہو جاتی ہے۔

اس دور میں اکثر شعراء کے یہاں فارسی ترکیبوں کا برمحل اور بھرپور استعمال ملتا ہے۔ میر حسن کم نما، کم نگاہیاں، خزاں رسیدہ، بوقلموں جلوہ، عقل ذوفنون، خوش دماغی، خوش نگاہ، طرف غزالاں، جیسی ترکیبیں دلکش انداز میں استعمال کرتے ہیں۔

سطور بالا سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ کہ مولانا حسرت موہانی میر حسن کے کلام میں جن خصوصیات کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ تمام خوبیاں اس دور کے ہر شاعر کے یہاں پائی جاتی ہیں۔ اردو غزل کا سرمایہ عشقیہ مضامین قلبی واردات و کیفیات اور احساسات پر مشتمل ہوتا ہے۔ ہر شاعر بقدر ظرف انھیں واردات کی ترجمانی کرتا ہے۔ میر حسن اس حقیقت سے واقف ہیں۔ مگر ساتھ ساتھ یہ احساس بھی ہے ؎

مضمون عشق کا ہے اگر ایک ہی ولے لذت جدی ہے سب کی زبان و بیان میں

زبان و بیان کی لذت جذبات کی گہرائی اور گیرائی کی مرہون منت ہوتی ہے۔ شاعر انفرادی واقعات و حادثات کی عمومیت کا ایسا رنگ بخشتا ہے کہ اس کی داستانِ دل ہر شخص کو آپ بیتی معلوم ہوتی ہے۔ میر کی پوری زندگی بیمار کی رات تھی۔ میر حسن بخت خفتہ کے ہاتھوں ایک

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

رات بھی چین سے نہ سو سکے۔ گردشِ دوراں نے اس طرح پامال کیا کہ سر اٹھانے کے لائق نہ رہے۔ جب تک زندہ رہے۔ غم روزگار اور غم جاناں سے چھٹکارا نہ ملا۔ زندگی کے ہاتھوں ایک دن بھی چین سے نہ رہ سکے۔

بخت خفتہ کے ہاتھ سے میں حسن — چین سے ایک رات سو نہ سکا
سر اٹھانے دیا نہ دوراں نے — اس طرح مجھ کو پامال کیا
بامِ جہاں میں آئے تھے کس کس ہوس سے ہم — لیکن خزاں میں آئے نہ دیکھا بچا کے کر
ہجر ہی میں تمام ہو گئی عمر — کس خرابی سے کٹ گئے اوقات
شب فراق میں رو رو کے مر گئے آخر — یہ رات جیسی تھی ویسی رہی سحر نہ ہوئی
مزے نہ دیکھے کبھی ہم نے زندگانی کے — یونہی گزر گئے افسوس اپنے دن جوانی کے

ان اشعار میں میر حسن کی پوری زندگی موجود ہے۔ غم و آلام کے ہاتھوں دل کا یہ حال ہوا کہ ؎

کسی نے بات کی اور رو دیا وہیں اُس نے — یہ حال اب دلِ زار و نزار کا پہنچا

اس عالم میں محرومی قسمت کا شکایت، فلک ناہنجار کا شکوہ تو کیا اگر شاعر یاسیت کا شکار ہو کر زندگی سے گھبرا جائے تو یعید از قیاس نہیں۔ مگر میر حسن اس بے بسی میں بھی زندگی سے گھبرانے کی بجائے نیرنگیٔ دوراں پر مسکرا دیتے ہیں۔ انھیں یقین ہے کہ دنیا کی ہر چیز فانی ہے یہاں کی بلندی و پستی، ترقی و تنزل سرائے کی طرح ہے یہاں بستیاں ویرانوں اور ویرانے بستیوں میں بدلتے رہتے ہیں ؎

چمن میں چہچہے کرتے جسے دیکھا تھا کل ہم نے — پھرے ہیں آج اُس بلبل کے پر اڑتے خیاباں پر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس احساس نے فراریت کی راہ دکھلانے یا ترکِ دنیا کی تعلیم دینے کے بجائے زندگی سے لگاؤ پیدا کرادیا۔ اور میر حسن بول اٹھے:

شبنم کی طرح سیرِ چمن بھی ضرور ہے — رو دھو کے ایک رات یہاں بھی گزار دے
ٹک دیکھ لیں چمن کو چلو لالہ زار تک — کیا جانے پھر جئیں نہ جئیں ہم بہار تک

عشق حقیقی ہو یا روایتی، غزل کا موضوع محبوب ہے۔ جذبات کی صداقت اور خلوص سے اشعار میں سوز و گداز پیدا ہوتا ہے۔ روایتی عشق میں تنزل ممکن نہیں۔ سودا اور میر کی غزلیں دیکھ لیجئے، حقیقت واضح ہو جائے گی، میر حسن کا عشق روایتی نہیں۔ ایک ایک شعر دلی جذبات کا آئینہ بن کر آتا ہے۔ اکثر غزلیں تو ایسی ہیں، جنھیں دیکھ کر میر تقی میر کی فنکاری کا جوہر پگھلتا نظر آتا ہے ؎

دل خدا جانے کس کے پاس رہا — ان دنوں جی بہت اداس رہا
کیا مزہ مجھ کو وصل میں اسکے — میں رہا بھی تو بے حواس رہا

آج دل بیقرار ہے، کیا ہے؟ — درد ہے، انتظار ہے؟ کیا ہے؟
جس سے جلتا ہے دل جگر وہ آہ — شعلہ ہے یا شرار ہے، کیا ہے؟
چشمِ بد دور، تیری آنکھوں میں — نشہ ہے یا خمار ہے، کیا ہے؟

آشنا بے وفا نہیں ہوتا — بے وفا آشنا نہیں ہوتا
تو خفا مجھ سے ہو تو ہو لیکن — میں تو تجھ سے خفا نہیں ہوتا

شبِ ہجر عاشق کے لئے بلائے جاں بن کر آتی ہے۔ غالب جیسا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

شاعر بھی اس بری بلا سے پناہ کرنے کے بجائے، موت کو ترجیح دینے پر مجبور ہوا ؎

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے، شبِ غم بری بلا ہے
مجھے کیا برا تھا مرنا، اگر ایک بار ہوتا۔

اردو شعراء نے شبِ ہجر پر ہزاروں نہیں لاکھوں اشعار کہے مگر میر حسن اس فرسودہ مضمون کو اس انداز سے بیان کرتے ہیں۔

کسی عنوان سے کٹتی نظر آتی نہیں اب — کیا بلا ہجر ہے، اس شب ہیں سحر ہے کہ نہیں

"شبِ ہجر بلا ہے" اور ہر بلا کسی نہ کسی عنوان سے ٹل سکتی ہے شاعر ہر طرح کوشش کرتا ہے مگر ناکامی کے سوائے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ پھر بھی وہ مایوسیوں کے اندھیرے میں روشنی کی کرن ڈھونڈ رہا ہے ایک اور شعر ملاحظہ کیجیے۔

شبِ اوّل تو توقع میں ترے آنے کی — سہل ہوتی ہے، بلا ہوتی ہے پر آخر شب

طرزِ بیان کی معراج ہے، میر سودا، قائم اور سوز کے یہاں سینکڑوں اشعار ان مضامین کے مل جائیں گے، مگر یہ انداز شاید ہی کہیں مل سکیں۔ زبان و بیان کی یہی خوبی شاعر کی انفرادیت ظاہر کرتی ہے۔ میر و سودا کے رنگ میں کہی گئی یہ غزلیں زندہ رہیں گی اور ان سے میر حسن کو حیاتِ جاودانی نصیب ہوگی۔

داستانِ "غمِ دل" اور "قصہ شبِ ہجراں" اپنی طوالت کا جواب نہیں رکھتے، سننے والے گھبرا جاتے ہیں۔ رنج و غم کی تشریح جذبات

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میں ہیجان پیدا کر دیتی ہے۔ آنکھوں سے نیند اور دلوں سے چین چھن جاتا ہے۔ سودا کہتے ہیں:

سودا، خدا کے واسطے کر قصہ مختصر — اپنی تو نیند اڑ گئی تیرے فسانے میں

میر حسن اس خیال کو بے پناہ تاثیر عطا کر دیتے ہیں:

پھر چھیڑا حسن نے اپنا قصہ — بس آج کی شب بھی سو چکے ہم

داستانِ غم کے تاثر اور تقریر کی لذت کا یہ عالم ہے کہ قصہ چھڑتے ہی سننے والے کو نیند نہ آنے کا یقین ہو گیا اور زبان پر بے اختیارانہ یہ جملہ آ گیا "بس آج کی شب بھی سو چکے ہم"۔ مصرع کی سلاست و روانی دیکھیے۔ موزوں بھی ہے، نثر بھی، محاورہ بھی ہے اور مؤکد "بھی" کا نقطہ اٹھاتا ہے۔ کہ یہ محض قیاس نہیں، یقین ہے، اور یقین بھی گزری ہوئی راتوں کے تجربے پر مبنی، پھر بھی تاثیر کا جادو ابھی تک جاگ رہا ہے در داستان ہی نہیں، دہرائی ہوئی داستان بھی نئی معلوم ہو رہی ہے

کعبے کے لوٹنے پر قائم[1] شیخ کو مخاطب کر کے کہتے ہیں،

کعبہ اگرچہ لوٹ[2] تو کیا جائے غم ہے شیخ — کچھ قصرِ دل نہیں کہ بنایا نہ جائے گا

اب ذرا میر حسن کا کمالِ مضمون دیکھیے کہ

اس کی امید نہیں ہے کبھی پھر لینے کی — اور دیا لوں سے ہے دل کا یہ دیرانہ جلا

---

[1] عام طور پر یہ غزل سودا کے نام سے مشہور ہے لیکن دراصل قائم چاندپوری کی ہے مخزن نکات میں خود قائم نے اس غزل کے اشعار کا انتخاب دیا ہے۔ مقطع یوں ہے ؎

ظالم میں کہہ رہا تھا کہ اس خوں سے درگزر — قائم کا قتل ہے یہ چھپایا نہ جائے گا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دل کی تباہی اور ہجر کے بیان کی طرح وصل کا ذکر بھی شعراء کے یہاں مختلف انداز میں ہوتا آیا ہے۔ میر حسن کے صرف دو شعر ملاحظہ فرمائیے۔

وصل ہوتا ہے جنکو دنیا میں　　یارب ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں

وصل کے ہونے سے کچھ دل کے نہیں سودے نہیں　　اب جو موجود وہ یاں ہے تو یہ موجود نہیں

دونوں اشعار بظاہر بے تعلق ہیں۔ لیکن یہ باطن ان میں تعلق پایا جاتا ہے۔ دل کی غیر موجودگی میں وصال یار ہونا اور نہ ہونا برابر ہے۔ اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ محبوب کے آتے ہی دل کی دھڑکنیں اتنی تیز ہو جاتی ہیں کہ حواس ہی مجتمع نہیں رہ جاتے۔

میر حسن نے "گلزار ارم" اور "سحر البیان" میں جن فنکارانہ چابکدستیوں کے ساتھ خارجی پہلو اجاگر کئے ہوئے۔ بیانیہ شاعری کی داد دی ہے اس کی مثال کسی اور شاعر کے یہاں نہیں ملتی۔ لیکن غزلوں میں خارجیت کا نام و نشان نظر نہیں آتا۔ ہمہ وقت لالہ زار دل کی سیر میں مصروف رہتے ہیں۔ مثنوی سحر البیان میں انسانی جذبات کے جو مرقعے پیش کئے گئے ہیں۔ غزلوں میں بار بار اس کی مثالیں مل جاتی ہیں۔ انسانی فطرت کے باریک پہلوؤں کو میر حسن عام خیالات کی طرح پیش کرتے ہیں۔ نفسیات انسانی کا اتنا گہرا مطالعہ میر حسن کے دور کی خوبی نہیں" یہ کارنامہ انھیں اس عہد کے تمام شعراء سے بلند کرتا ہے ؎

تیرے ہم نام کو جب کوئی پکارے ہے کہیں　　جی دھڑک جائے ہے میرا کہیں تو ہی نہ ہو

اس شوخ کی فرقت میں عجب حال ہے میرا　　جیسے کوئی سپھلے ہوئے پھرتا ہے کچھ اپنا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جس جا پہ تم نے باتیں کی تھیں کھڑے ہوا کیجئے جب دیکھنا وہ جا گہ بے اختیار رونا
نو گرفتاری کے باعث مضطرب صیاد ہوں لگتے لگتے جی قفس میں بھی مرا لگ جائیگا

مذکورہ بالا اشعار کو سامنے رکھ کر میر حسن کی فنکارانہ صلاحیتیں ملاحظہ فرمایئے۔ ان اشعار میں نئے پن کا ایک خاص احساس ہے، جو میر و مرزا اور انشاء و مصحفی کے یہاں کم، ملتا ہے۔ ایک اور شعر ملاحظہ فرمایئے۔

وہ دن گئے کہ گلشن تھا بود و باش اپنا اب تو قفس میں بھولے نقشہ بھی گلستاں کا

نو گرفتاری کے باعث قفس میں اضطراب پیہم اور دھیرے دھیرے جی لگنا اور کچھ دلوں میں گلستاں کا نقشہ بھی بھول جانا انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ دونوں اشعار کو ایک ساتھ پڑھئے تو لطافت و معنویت اور بڑھ جاتی ہے مختلف مضامین کے چند اشعار اور لکھے جاتے ہیں۔ جنھیں دیکھ کر میر حسن کی انفرادیت سامنے آجائے گی ؎

صیاد کی مرضی ہے کہ اب گل کی ہوس میں نالے نہ کریں مرغ گرفتار قفس میں

سماں تھا کل عجب ہونے سے تیرے یار محفل میں کہ سو سو آرزوئیں مضطرب پھرتی تھیں ہر دل میں

کہو صبا یہ ساقی غفلت شعار کو دوں کس روش جواب میں ایکی بہار کو

جنکے پرے تھے وہ اڑے کنج قفس سے چھٹ کر تاب پرواز نہ تھی جنکو، وہ مجبور رہے

تھی آرزو تو یہ کہ ملے آرزوئے دل یہ آرزو نہ تھی کہ فقط آرزو ملے

مزے نہ دیکھے کبھی ہم نے زندگانی کے یونہی گزر گئے افسوس اپنے دن جوانی کے

اظہار خموشی میں ہے سو طرح کی فریاد ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

گل ہے زخمی بہار کے ہاتھوں دل ہے صد چاک یار کے ہاتھوں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لے جائے جیسے غنچۂ تر مردہ کو صبا — یوں آہ لے کے لختِ جگر تہ بہ تہ گئی

گل ہزاروں کو آہ جس نے دیئے — دل دیا اس نے داغدار مجھے

عینِ گلشن میں ہوں، یہ جوں تصویر — نظر آتی نہیں بہار مجھے

بندہ عاجز ہے، رد ہی دیتا ہے — آدمی پر جب آن پڑتی ہے

مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی میر حسن کے کلام کے متعلق لکھتے ہیں:

"میر حسن نے ابتدا میں میر درد کی صحبت کا فیض پایا تھا۔ اس فیض کا اثر تھا کہ تصوف کا رنگ ان کے کلام میں بر ابر نمایاں رہا"[1]

میر حسن تقریباً چونتیس یا پینتیس سال کی عمر تک دلی میں رہے میر تقی میر اور خواجہ میر درد کی محفلوں میں ضرور شریک رہے ہوں گے مگر مولانا کا یہ ارشاد کہ ابتدا میں میر درد کی صحبت کا فیض پایا تھا۔ درست نہیں معلوم ہوتا۔ اس کی تائید کہیں سے نہیں ہوتی۔ میر حسن تذکرہ شعراء میں خواجہ میر درد کے ذکر یا پارۂ از احوالِ مولف میں اس فیض کی طرف کوئی اشارہ نہیں کرتے۔ پارہ از احوالِ مولف میں لکھتے ہیں:

"از صغر سن میلان طبیعت این فقیر بہ طرف سخن بیشتر بود، بارے حق تعالیٰ دریں فن کم و بیش موافق ظرف استعداد قبولیت بخشید، اصلاحِ سخن از میر ضیاء سلمہ اللہ تعالیٰ گرفتہ ام۔ ایں طرز ادشاں از من کما حقہ سرانجام نہ یافت۔ بر قدم دیگر بزرگان مثلِ خواجہ میر درد

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

و مزار رفیع سودا و میر تقی میر پیروی نمودم۔"[۲]

خواجہ میر درد کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"سالکِ مسالک مکاشفاتِ دینی و ناہج مناہج مجاہداتِ یقینی از عرفائے عالی مقام و فقیہائے ذوی الاحترام۔ بر آسمان سخن ماننده خورشید فرد حضرت خواجہ میر المتخلص بہ درد از عالمانِ خوش ذات و از دودمان نکو صفات، طنطنۂ فضل و کمال و دبدبۂ جاہ و جلالِ او بہ افلاک رسیدہ و طنابِ خیمۂ فکرِ عالیش چوں شعاعِ مہر از مشرق تا بہ مغرب کشیدہ، در بحرِ ضمیرش ہمہ گوہر ناسفتہ، و در گفتۂ او عقل آفریں ہا گفتہ، مرشدیہ وادیِ حقیقت و سریہ میدانِ شریعت، دل آگاہِ وے مخزنِ اسرارِ خدائی، صفائے باطنش محرمِ کعبۂ کبریائی، خسرو اقلیمِ حال و قال، جامع صفاتِ جلال و جمال، خلفِ حضرت خواجہ ناصر قدس سرہٗ، اصلش شاہجہاں آباد۔ شاعرِ فارسی و ہندی، نے بے غلط، ایں چہ لائقِ اوست۔ بل، شعر گفتن دون مرتبۂ اوست، اکثرے از دستِ عسرت پریشان شدہ بہ طرفے رفتند، لیکن آں بہ ثابت قدم تکیہ بر توکل نمودہ، قدم از خانہ بر دامنِ تا حال در شاہجہاں آباد

---

[۱] (گزشتہ صفحہ سے) کلیاتِ میر حسن، حبیب الرحمٰن خاں شروانی، رسالہ ہندوستانی اکتوبر ۱۹۳۱ء

[۲] تذکرہ شعرائے اردو (مطبوعہ) ص ۵۱۷

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مقیم است۔ دیوانش۔ اگرچہ مختصر است، لیکن چوں کلام حافظ، سراپا۔ انتخاب"[۱]

میر حسن کے بیان سے شردانی صاحب کے قول کی تصدیق نہیں ہوتی۔ ہاں مثنوی رموز العارفین اور غزلوں کا صوفیانہ انداز دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ میر حسن، میر و سودا کے ساتھ خواجہ میر درد سے بھی متاثر تھے۔ "پارۂ از احوال مصنف" میں ضیاء کی شاگردی کے اعلان کے ساتھ میر حسن نے بڑی صاف گوئی سے اعلان کر دیا کہ ان کے طرز کی بھرپور پیروی نہ کر سکا۔ چنانچہ میر تقی میر، سودا اور درد کی پیروی کی اگر میر حسن نے درد کی صحبت سے فیض اٹھایا ہوتا تو اعلان کئے بغیر نہ رہتے درد کے بیان میں جس محبت و خلوص کا ثبوت دیا گیا ہے، اس سے بھی میرے خیال کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ میر حسن کے صوفیانہ اشعار کا نمونہ ملاحظہ فرمائیے ؎

کہتا میں حسن قدس کے عالم ہی میں پرواز — ہستی کا اگر اپنی گرفتار نہ ہوتا
کعبہ اگر پہنچ نہ سکے دل کی دید کر — دلبر قریب ہے نہ تو عزم بعید کر
جس طرح سے شرر کیلئے سنگ ہے ذریعہ — جلوے کو ترے میرا دل تنگ ہے ذریعہ
پانی کی طرح پایا ہے ہر رنگ میں تجھ کو — یکرنگ مجھ سا کون ہے ہر رنگ میں ذریعہ
سو کی اک بات میں کمی تو ہے — یعنی جو کچھ کہے ہے ذہی تو ہے۔
ہزار حیف گیا اپنی ہمیں خبر نہ ہوئی — تمام عمر لگی، پر مہم یہ سر نہ ہوئی

خواجہ میر درد کی ایک مشہور غزل ہے: ؎

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مژگان تر ہوں یا رگ تاک بریدہ ہوں
جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

کھینچے ہے دور آپ کو میری فردتنی
افتادہ ہوں یہ سایۂ قد کشیدہ ہوں

ہر شام مثل شام ہوں تیرہ روزگار
ہر صبح مثل صبح گریباں دریدہ ہوں

میر حسن کہتے ہیں ؎

نے برگ ہوں میں گل کا، نہ لالہ کا شیر ہوں
میں سخت ہوں دلریش ہوں اور داغ جگر ہوں

ہوں در بدر میں یا کعبے میں یا دل ہی میں اپنے
کیا جانے تجھ میں تڑپے آہ کدھر ہوں

پیدا ہوئے اور جانتے رہے مجھ سے ہزاروں
آتش کدہ دہر میں اک میں ہی شرر ہوں

نے زیست کا خطا ہے مجھے، نے موت کا آرام
ہوں نزع میں جیسے نہ ادھر ہوں نہ ادھر ہوں

جو کہ ہستی کو نیستی سمجھا
اُس کو ہر طرح سے فراغ رہا

میر حسن کی متعدد غزلوں میں میر تقی میر اور خواجہ میر درد کے اشعار کا حوالہ ملتا ہے ؎

اس وقت جو کہ عشق کا ہم کو خیال تھا
جو شعر درد کا تھا سو وہ حسب حال تھا

ذرے ذرے میں دیکھ، ہیں موجود
وہی جلوے جو آفتاب میں ہیں

تو ہی تو بولے ہے پردے میں نہیں غیر کوئی
یار پہچانتے ہیں یار کی آواز کی طرح

ان اشعار میں تصوف کا وہی عام روایتی انداز پایا جاتا ہے جو اس دور کے ہر شاعر کے یہاں عام ہے۔ مثنوی رموز العارفین میں عارفوں کے اسرار و رموز لکھنے والا شاعر غزلوں میں اس مسلک کا پیرو نہ ہو سکا۔ یہاں بھی تصوف اور روحانیت کے تحت اشعار ملتے ہیں۔ لیکن ان میں تاثر و گہرائی نہیں۔ شاعر کی معلومات دیباچوں اور مقدموں سے آگے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نہیں بڑھتی۔ صوفیانہ خیالات و جذبات کی فراوانی نہیں نظر آتی۔ میر حسن کو عشائیہ اور بیانیہ شاعری میں کمال حاصل تھا۔ ہزاروں ٹھوکروں کے بعد بھی زندگی سے مایوس نہیں ہوئے۔ دلی کی گلیاں اور محبوب کا دامن چھوٹا تو فیض آباد میں جی لگ گیا اور بنگلے کی سیر میں مصروف ہو گئے۔ یہاں سے نکلے تو لکھنؤ کے بازاروں میں زندگی سے دلچسپی لیتے رہے۔ غم حیات کے سامنے سر جھکانا انہوں نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ اس کے علاوہ گلزار ارم اور سحر البیان کا مصنف کبھی صوفی نہیں ہو سکتا تھا۔ میرے خیال میں میر حسن کے متصوفانہ اشعار کا درجہ "پیروی راسخہ قدما" سے آگے نہیں بڑھتا۔

میر کے زندگی اور شاعری کا پرتو میر حسن کے کلام میں بڑی حد تک نظر آتی ہے۔ تھوڑے سے فرق کے علاوہ دونوں بخت خفتہ اور طبع نازک کے ہاتھوں رنج و الم کا شکار ہوئے۔ لیکن اس مطابقت کے باوجود خود میر حسن کی غزلوں کا اپنا لب و لہجہ ہے۔ وہ غزل گو شاعر ہی نہیں اچھے تذکرہ نگار بھی تھے۔ ماضی کی صالح روایتوں اور ادبی نکات کو بخوبی پہچانتے تھے۔ دہلوی روایات شعری کے ساتھ لکھنوی انداز تکلم کے شیدائی تھے۔ مثنوی ہو یا غزل ہر جگہ یہ دھوپ چھاؤں نظر آتی ہے۔

کلیات میں لکھنوی انداز شاعری کی مثالیں ملاحظہ کیجئے:

خط نے بہار حسن کو تیرے چھپا دیا
افراط نے دھوئیں کی یہ شعلہ بجھا دیا

غم کے داغوں سے تو پھولا ہے جگر کا تختہ
دیکھئے دل کا شجر کیا یہ ثمر لاوے گا

لاشے کے ساتھ میرے کاہے کو کوئی چلیگا
مردوں پہ بے کسوں کے اب کس کا دل جلیگا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جتنا نازک ہے مزاج، اتنی کدورت ہے زیاد — کر کرا کھا دیگا وہ ہی جو بہت چھانے گا
بھولے سے میں کہا تھا اس سے کہ دل ہے میرا — کہنے لگا نغل میں اب اس کو داب رکھنا
بھر بھر کے آہ ڈالے غش کر چکی ہے بلبل — پیالے میں گل کے شبنم تھوڑا گلاب رکھنا
کھلی ہی رہتی ہے چشم حباب دریا میں — ہوا ہے جب سے تجھے شوق آب بازی کا
کمر پہ لے کے دامن، ہاتھ میں تیغ — چلے ہو قتل پر کس کے میاں آج
لعل دیا قوت ایسے کب ہیں سرخ — جیسے اس شوخ کے وہ لب ہیں سرخ
سینہ ہے ادھر سرہے، کلیجہ ہے ہمارا — برچھی ہے ادھر تیغ ہے اور تیر دکماں ہے
میں تو آشفتہ دل اور دل آشفتہ زلف — خوب ہم دونوں گرفتار گرفتار ملے

عمر کے آخری دور میں میر حسن مرصع سازی کے بھی قائل ہوتے جا رہے تھے۔ ایک غزل کا مطلع اور مقطع قابل توجہ ہے۔

کئی دن تیرے چھپ رہنے میں اشک آنکھوں سے برسا ہے
نکل خورشید تو گھر سے کہ عالم خوب ترسا ہے

حسن صنعت سے بھلا اور بھی تو فانیے لاکر
کہ تا اہل ہنر جانیں کہ اس میں کچھ ہنر سا ہے۔

ان اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ میر حسن آصف الدولہ کے دربار میں رسائی پانے کے بعد ماحول کی خامیوں کا شکار ہو رہے تھے۔ آخری دور میں لکھی ہوئی غزلیں بھی ماحول کی اچھی عکاسی کرتی ہیں۔ میر حسن اور ناسخ کے درمیان ادبی زبان کس طرح آگے بڑھا اسکی مثالیں میر حسن کے کلام سے پیش کی جا سکتی ہیں۔ ان غزلوں میں میر حسن کے خیالات اور لکھنؤ کے تاثرات کی چھاپ ہے انسان ماحول سے آنکھیں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

باب پنجم

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میر حسن بحیثیت قصیدہ نگار

قدما کے دوسرے دور میں ریختہ رچنہ کو پہنچا۔ اردو شاعری تفنن طبع اور ابہام گوئی کی پیچ در پیچ راہوں سے گزرتی ہوئی سادہ گوئی کی منزل تک آگئی فارسی کا زور و کم اور اردو شاعری کا رواج عام ہوا۔ میر و مرزا کے عہد میں اس فن نے اعتبار سے اعتبار حاصل کیا اور ریختہ ریختہ کو پہنچا اصلاح زبان کی مبارک کوششیں اور فارسی شاعری کے ذوق عام نے بہت سی مشکلیں آسان کر دیں۔ ہر صنف سخن کو عمومیت نصیب ہوئی۔ غزل گوئی کے ساتھ قصیدہ نگاری کو بھی فروغ حاصل ہوا میر اور مرزا کے اکثر معاصرین نے قصائد کہے لیکن غزل گوئی میں میر تقی میر اور قصیدہ نگاری میں سودا کے سامنے کسی دوسرے شاعر کا چراغ نہ جل سکا۔ قصائد سودا کی عام مقبولیت پر اظہار خیال کرتے ہوئے ڈاکٹر محمود الٰہی صاحب لکھتے ہیں:۔

"پانچ چھ سو سال کی مدت میں سینکڑوں شاعروں کے خون جگر سے فارسی قصیدے کا جو مزاج ڈھالا گیا تھا سودا نے اس مزاج کو یکسر اپنے قصیدوں میں سمو دیا سودا کے پڑھنے سننے والے فارسی قصیدے کے نبض شناس تھے۔ اس کے تیور پہچانتے تھے۔ تفاوت زبان کے باوصف سودا کا قصیدہ انھیں اجنبی نہیں معلوم ہوا۔ اس طرح سودا کے قصیدے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اردو قصیدوں کا معیار تنقید قرار پائے آج تک قصیدے اس پیمانے سے ناپے جاتے ہیں سودا کے بعد ہر شاعر نے چاہا کہ وہ انوری خاقانی اور عرفی بن جائے مگر یہ سب کے بس کا روگ نہ تھا ان کی تقلید بڑی بھونڈی ثابت ہوئی [۱]

سودا کے معاصرین میں لقا اللہ لقا، میر تقی میر اور قائم چاندپوری کا شمار اچھے قصیدہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ لیکن سودا کے قصیدوں کے معیار پر کسی طرح پورے نہیں اترتے احسن اللہ بیان اور اشرف علی فغاں کی کوششیں قابل تعریف ہیں مگر قابل توجہ نہیں جس طرح سحر البیان کی تکمیل کے بعد مثنوی کا رواج عام ہو گیا تھا لیکن "بدر منیر" کو بہر حال آسمان شہرت پر "مہر منیر" کا درجہ حاصل رہا بالکل اسی طرح قصائد سودا کی شہرت نے اس عہد کے تمام شعراء کو اس صنف سخن کی طرف رجوع کر دیا یہ اور بات ہے کہ انھیں زندگی نہ مل سکی۔

میر عبدالحئی تاباں کے یہاں قصیدہ کے تمام لوازمات موجود ہیں لیکن زباں میں زور ہے اور نہ آمد اسی لئے پورے قصیدے پر ایک اضمحلالی کیفیت طاری رہتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تاباں کو فطرتاً اس

---

[۱] اردو قصیدہ نگاری کا تنقیدی جائزہ

[۲] تمام تذکرہ نویسوں کی عام رائے ہے کہ یقا بڑے اچھے قصیدہ نگار تھے لیکن تلاش کے باوجود ان کا ایک قصیدہ بھی نہ مل سکا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

صنف سے کوئی لگاؤ نہیں تھا یہ قصیدہ بھی کسی خاص مجبوری کی بنا پر تخلیق کیا گیا ہوگا۔

میر خدائے سخن تھے۔ کلیات میں تمام اصناف پر طبع آزمائی کے ثبوت ملتے ہیں لیکن شاعری پر رائے دیتے ہوئے لوگ ان کے قصیدوں کو عموماً فراموش کر دیتے ہیں۔ ناقدان سخن کی اس لاپرواہی کے پیچھے قصائد سودا کی خوبیاں کارفرما تھیں۔ سودا کے قصیدوں کا ہر طرف چرچا تھا۔ ذہنوں میں وہی معیار بنا اب اگر کسی نے عام روش سے ہٹ کر نئی راہیں تلاش کرنے کی کوشش کی تو قبولِ عام کے درجہ تک نہ پہنچ سکا۔ اردو قصیدہ نگاری کی تاریخ میں میر تقی میر نے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ سودا کے قصائد فارسی قصائد کی صدائے بازگشت ہیں۔ میر نے اردو قصیدوں کو فارسی ڈگر سے ہٹانے کی کوشش کی وہ غزلوں کی طرح قصاید کو بھی جذباتی شاعری کا ترجمان بنانا چاہتے تھے۔ تکلف و تصنع اور مضمون آفرینی کا رابطہ ختم کر دیا جائے تو قصیدے جذباتی شاعری کا پیکر اختیار کر لیتے ہیں میر نے غزلوں کی طرح قصیدوں کو بھی اثر آفرینی عطا کرنے کی معصوم کوشش کی مگر بقول ڈاکٹر محمود الٰہی صاحب

"وہ اس میں اتنا کامیاب نہ ہو سکے کہ لوگوں کا تنقیدی نقطۂ نظر بدل دیتے لوگوں نے فارسی معیار تنقید سے ان کے قصیدے کو پرکھا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے قصیدے نظروں میں کھٹکتے رہے۔ میر نے یہ کھٹک دور کرنے کے لئے اکثر فارسی انداز اختیار کیا ہے۔ مبالغہ آرائی مضمون آفرینی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

شوکت الفاظ کا سہارا لیا ہے مگر جس قسم کے اسلوب بیان پر ایمان نہ ہو اور اسے برتنا پڑے تو تخلیق کی شکل ہمیشہ بھونڈی ہوگی۔ میر کے قصیدوں میں اسی لئے بڑی ناہمواری معلوم ہوتی ہے" [۱]

میر اگر فارسی انداز اختیار نہ کرتے تو ان کے قصاید اثر و جوش کا نمونہ بن جاتے جن قصیدوں میں فارسی انداز شاعری سے دامن بچا کر چلے ہیں۔ ان میں اثر آفرینی اور جذبات کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا ہے

قائم نے سودا سے مضمون آفرینی نازک خیالی اور تخیل کی بلند پروازی کا درس کچھ اس طرح لیا کہ اکثر سودا سے بھی آگے نکل جاتے ہیں۔ قائم کو بات میں بات پیدا کرنے کا ڈھنگ آتا تھا۔ پامال مضامین کو نیا پن عطا کرنے کا سلیقہ جانتے تھے مگر ان خوبیوں کے باوجود وہ بہت بڑے قصیدہ نگار نہ ہو سکے اس کی وجہ یہ ہے کہ قائم کی زبان بڑی ناہموار ہے متروکات کا بھی اچھا خاصا ذخیرہ ہے۔

یہاں تک کہ فارسی کی پیوندکاری بھی اچھے اسلوب سے نہ کر سکے میر حسن صرف مثنوی سحر البیان اور تذکرہ شعرائے اردو کے خالق نہیں انھوں نے چند قصیدے بھی کہے ہیں۔ یہ قصیدے اس لئے نہیں کہے گئے کہ کہیں انھیں "نیم شاعروں" کی جماعت میں شامل نہ کر دیا جائے۔ کیونکہ ان کے زمانے میں ہر ایک شاعر سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ قصیدہ گوئی پر بھی

---

[۱] اردو قصیدہ نگاری کا تنقیدی جائزہ ص ۲۴۲، ڈاکٹر محمود الٰہی۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

قادر ہوگا ان کے قصیدے جذباتی شاعری کا بہترین نمونہ ہیں۔ شیفتہ، میر حسن کی قدرت شاعرانہ کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"سالم فطرت سلیم فکرت است و در اصناف سخن فی الجملہ قدرتے داشت"[۱]

مگر تذکرہ نگاروں اور ناقدین نے عالم طور پر میر حسن کو اچھا قصیدہ نگار نہیں تسلیم کیا ہے۔ "آزاد" آب حیات" میں مثنوی نگاری اور غزل گوئی پر سائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"قصیدہ اس رتبہ پر نہ تھا اور کچھ اس کا تعجب نہیں کیونکہ دونوں کوچوں میں مسافت بعید کا فاصلہ ہے"[۲]

صاحب گل رعنا میر حسن کو قصیدہ نگاروں کی فہرست میں سے خارج کر دیتے ہیں ان کا خیال ہے کہ:

"میر حسن قصیدے کے مرد میدان نہیں تھے"[۳]

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی لکھتے ہیں۔

"میر حسن کے کلام میں متعدد قصیدے ہیں لیکن یہ عقیدہ عام ہے کہ وہ اس میدان کے مرد نہیں تھے۔ البتہ ان کے قصیدوں کا رنگ نمایاں

---

[۱] گلشن بے خار ص ۵۵

[۲] آب حیات ص ۱۳۱

[۳] گل رعنا ص ۲۴۰

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہے مسلسل مثنوی گوئی اور غزل سرائی کرتے کرتے تغزل کا اثر اتنا گہرا ہو گیا تھا کہ وہ قصیدوں میں بھی اس سے نہ بچ سکے [۱]

میر حسن کی شاعری پر ناقدانہ نگاہ ڈالتے ہوئے ابو اللیث صدیقی غزل اور متغزلین میں رقمطراز ہیں کہ :-

"میر حسن کے یہاں قصیدے بھی غزل طور ہو کر رہ گئے ہیں" [۲]

محمود نارونی لکھتے ہیں کہ میر حسن کے قصائد عمومی حیثیت سے بے جان پھیکے اور بے رنگ و بے آب ہیں البتہ ان کے قصیدوں میں وہ حصہ جسے تشبیب کہتے ہیں نہایت نظر فریب ہے تشبیب پر مثنوی کا اتنا گہرا رنگ چڑھا ہوا ہے کہ وہ درحقیقت کسی مثنوی کا ٹکڑا معلوم ہوتی ہے طرز ادا بھی وہی ہے جو ان کی مثنویوں میں جاری و ساری ہے۔ اگر تشبیب کی اس خوبی سے قطع نظر کر لی جائے تو ان کے قصیدے ان تمام عناصر سے تہی دامن ہیں جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔

ان قصیدوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک عمدہ مثنوی نگار قصیدہ لکھ کر غیر مانوس راہ پر چلنے کی سعی کر رہا ہے" [۳]

سودا کی قصیدہ نگاری معیار تنقید بن کر ہر تذکرہ نگار اور ناقد کے ذہن میں

---

[۱] لکھنؤ کا دبستان شاعری صفحہ ۱۱۹

[۲] غزل اور متغزلین صفحہ ۱۲۸

[۳] میر حسن اور خاندان کے دوسرے شعراء صفحہ ۱۶۵

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کام کرتی رہی، میر تقی میر ہوں یا میر حسن اس عام معیار تنقید سے الگ ہٹ کر چلنے والا قصیدہ گو نہیں مانا جاتا۔

میر نے اردو قصیدوں سے تکلف و تصنع کا رابطہ ختم کر کے حیاتی شاعری کا نمونہ بنانا چاہا ہے۔ میر حسن نے قصیدوں کے حملہ لوازم کے ساتھ ارضیت کی داغ بیل ڈالی ان کے قصائد میں مقامی رنگ اور ان کے مناظر میں ان کا گرد و پیش جھلکتا ہے۔ بقول ڈاکٹر محمود الٰہی صاحب۔

"میر حسن شمال ہند کے پہلے شاعر ہیں جن کے قصیدے میں فارسی قصیدہ نگاری کے حملہ لوازم کے باوصف کسی قدر مقامی رنگ ملتا ہے ان کے مناظر میں ان کا اپنا گرد و پیش سمویا ہوا ہے جس تہذیب و تمدن میں وہ سانس لے رہے تھے اس کی جھلکیاں پائی جاتی ہیں اس میں ارضیت ہے اور ارضیت بھی ہندوستان کی"[1]

آزاد اور عبدالحئی کے اقوال اس معیار تنقید کی صدائے بازگشت ہیں جس نے قصیدے کو ہیئت کے ساتھ موضوع اور طرز ادا بھی عطا کر دی تھی۔ میر حسن نے اس خیال کی پاسداری نہیں کی کہ فلاں چیز غزل کے علاوہ ہر صنف کے لئے شجر ممنوعہ کی حیثیت رکھتی ہے یا فلاں بات صرف مثنوی میں آسکتی ہے ڈاکٹر محمود الٰہی کا یہ قول درست ہے کہ میر حسن نے ہر اس روش سے چمن قصیدہ کی آبیاری کی جو شعریت کی تخلیق کر سکے[2]

---

[1] :۔ اردو قصیدہ نگاری کا تنقیدی جائزہ ڈاکٹر محمود الٰہی ص ۲۵۲

[2] " " " " ۲۵۳

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی میر حسن کے قصیدوں کا خاص رنگ پہچاننے کے بعد بھی فنکاری کی داد نہ دے سکے انھیں قصیدوں میں مثنوی کا تسلسل اور غزل کا تغزل کھٹکتا رہا۔ محمود فاروقی "تشبیب کے علاوہ" دوسری تمام خصوصیات کے منکر ہیں۔ میر حسن کے قصاید کی تشبیب کو مثنویوں کا ٹکڑا بتانے اور طرز ادا کے لحاظ سے انھیں مثنویوں کی صف میں شمار کرنے والے ناقد کے متعلق صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے میر حسن کے قصیدوں کا مطالعہ نہیں کیا ہے یا اس ناقد کو طرز ادا کے پرکھنے کا سلیقہ نہیں معلوم ہوتا ہے۔ قصیدوں میں تہذیب و تمدن کی جھلک یا گرد و پیش کا عکس شجر ممنوعہ نہیں میر حسن کے معاصرین اگر دستی حاصل کرتے تو اردو قصیدہ گوئی غزل و مثنوی کی طرح دلوں میں گھر لیتی قصیدہ میں مقامی رنگ ملاحظہ کیجیے۔

ہزار طرح کی ہوتی تھی وقت شام خوشی
ہزار طرح کے شربت تھے سو طرح کی دال

وہ ماہتاب سے فرش کے وہ چھپے حریر
بنا دے بدکوئی انگلیوں سے کوئی ہلال

وہ آبشورانا روں کے در حبوں کے
وہ کوری موتی دھری شربتوں سے مالا مال

وہ دعوت اور وہ روزہ کشائیاں باہم
نئے طرح کے وہ کھانے نئے نئے ارسال

وہ کوری کوری دھری چھریاں سرہانے اور
وہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں وہ سرد سرد نہال

عجب طرح سے بہم اور کتنے اوقات
عجب طرح کے ہر ایک رقص میں مشغول اشغال

ہزار جھل سے کرتے تھے مل کے سب احباب
امور غیر عبادت سے ہو کر فارغ البال

کسی کے ہاتھ میں زاد المعاد وقت معاد
کسی کے ہاتھ صحیفہ کلام کے منوال

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لبوں پہ ذکر خدا سر پہ سایہ قرآن — عمل میں لاتے تھے صوم و صلوٰۃ کے اعمال

میر حسن نے زیادہ قصیدے نہیں لکھے کلیات کے تمام نسخوں میں صرف سات قصیدے پائے جاتے ہیں لیکن ان میں زبان و بیان کی پختگی ہر جگہ نمایاں ہے مشکل سے مشکل زمینوں میں قصیدہ لکھ جاتے ہیں۔ مگر بہت کم جھول نظر آتا ہے۔ قائم کی طرح کہیں ناہمواری کا احساس نہیں ہوتا نواب سالار جنگ کی مدح میں کہے گئے قصیدہ کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے۔

نکالے کیونکہ قدم اسکی زلف سے یہ اسیر — پڑی ہے پاؤں میں دل کے تو بے طرح زنجیر

اثر کرے نہ کرے اسکے دل میں کیا جانے — یہ آہ سرد سحر اور نالہ شبگیر!

کھینچا ہے حسن کا اسکے ورق ورق پہ خیال — یہ دل ہے میرا کہ یارب مرقع تصویر

یہ چپ کی کیسے گی ساکنان گلشن کو — نہ ہم دموں کی صدا ہے نہ بلبلوں کی صفیر

قریب مرگ ہوں دوری سے جلد آ ورنہ — یہاں تمام ہے قصہ جو واں لگی کچھ دیر

اس قصیدے کے مطلع ثانی کے چند اشعار دیکھیے۔

نہ پوچھ نقش محبت کی ہم سے کچھ تاثیر — ہوا نہ وہ تو مسخر پہ ہم ہوئے تسخیر

یہ رنگ دیدہ حسرت زدہ ہے داہر زخم — الٰہی کس کی نگہ کا لگا مگر یہ تیر

دل شکستہ تعمیر سے جو ہووے فراغ — تو پہلے کعبہ کی اے شیخ کیجیے تعمیر

پڑے ہیں دام میں ہم آپ دانہ کیجا طر — نہ جرم زلف کا اسکی نہ خال کی تقصیر

نہیں کشود جو طالع کی اس چمن سے مجھے — رہوں ہوں غنچہ صفت اس سے میں سدا دلگیر

مدح کے اشعار ملاحظہ کیجیے۔

کسی کے دل پہ نہیں یہ خبر کہ ہے مداح — یہ ایسے شخص کا جو ہے امیر ابن امیر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کہ جسکا نام ہے سالار جنگ فخر جہاں — سپہر مرتبہ حاکم ہم فرشتہ نظیر
متین و عادل و ممتاز و صاحب فطرت — حلیم و حاکم و دانا و عقلمند و دبیر
رحیم و محسن و ممدوح و منعم و فیاض — عدو شکیج و منصور و صاحب شمشیر
کمال دوست ہم پیشہ حق شناس و کریم — خلیق و منصف و قایم مزاج و نیک ضمیر
بلند طالع و نیک اختر و کرم گستر — محب آل نبی اور ذاکر شبیر
سخن شناس و سخن سنج و نکتہ دان سخن — سخن پذیر و سخن پرور و سخن پہ قدیر
بیان فہم و کیا ست کا کیا کروں اسکی — کہ رائے تو ہے موافق موافق تقدیر
کہو تو کیوں نہ کرے فخر شاہ ہندوستاں — کہ جسکے عہد میں ایسا ہو صاحب تدبیر

اُن اشعار میں آمد ہی آمد ہے کہیں آورد کا نام نہیں مشکل زمینوں میں بھی آمد اور برجستگی میں کوئی کمی نہیں آتی ہر جگہ نادر الکلامی اور کہنہ مشقی کا ثبوت ملتا ہے مدح میں عام قصیدہ گو شعرا کی طرح ممدوح کی ذات سے ان صفات یا خوبیوں کا سلسلہ نہیں ملاتے جو واقعی موجود نہیں ہوتیں۔ سالار جنگ آصف الدولہ اور جواہر علی خاں کی مدح میں کہے گئے قصائد میں اس کا ثبوت مل جاتا ہے۔

قصیدوں کی تشبیب میں غزل کی رلبودگی نغمگی اور سپردگی پائی جاتی ہے لیکن لوازم قصیدہ سے انحراف نہیں ملتا۔ غزل کے رچاؤ کے ساتھ نازک خیالی مضمون آفرینی اور تخیل کی بلند پروازی ہر جگہ نظر آتی ہے عموماً تشبیب میں بہاریہ عاشقانہ اور جوہر فلک کی شکایتوں کے مضامین باندھتے ہیں۔ ایک قصیدہ کی بہاریں تشبیب میں بجا ہل عارفانہ سے کام لیتے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کون بدمست گل اندام چمن میں ہے مقیم — کس کی بو دوش پہ اپنے لئے پھرتی ہے نسیم
خوش نگہ کون یہ مستانہ بھرا ہے جس کے — نقش پا سے گل نرگس کرے ہے دام شمیم
عرق شبنم گل نرگس پہ چھڑکتا ہے گلاب — عندلیبوں کا ہوا رنگ ہے دل جیکے دو نیم
کون انگڑائیاں لیتا ہے چمن میں مخمور — غنچہ بھر بھر کے گلابی کرے ہے کیوں تقسیم
پوست ملتا ہے ہزار یہ پھولا کس خاطر — لالہ کس کے لئے داغ اپنے سے گھولے ہے افیم

ایک اور بہاریہ تشبیب میں تخیل کی بلند پروازی دیکھئے۔

پھینکے ہے لالہ دیکھ تجھے داغ کی سپر — نرگس کے اٹھے غالے ہیں لے اختیار پا
اٹھا ہے چونک سبزۂ خوابیدہ باغ سے — رکھا ہے سر پہ تو نے مگر اس کے یار پا

ایک اور سہرے قصیدہ کی تشبیب "غم دوراں" کے ذکر سے شروع ہوتی ہے

یہاں تک کیا ہے اس غم دوراں نے مجھکو تنگ — کیا ہے عجب کہ مجھ میں سماوے نہ میرا رنگ
افسردہ دل ہوں غنچہ پژمردہ کی طرح — باد خزاں نے جی کی رکھی جی ہی میں منگ
جوہر شناس ہو کوئی میرا تو سمجھے وہ — کس کس طرح کی دل میں بھری ہے میرے ترنگ
آئینہ سامنے ہو تو طوطی ہے حرف زن — کیا سر کو اپنے پٹکے کوئی روبرو سے سنگ
لیکن زمانہ کی تو میاں چال ہے اور ہے — آئینہ دیکھ دیکھ کے جسکو ہوا ہے دنگ

گریز کے فن میں میر حسن کے یہاں کوئی تبدیلی یا جدت نہیں پائی جاتی ہر جگہ فارسی شعراء کا پامال اسلوب نبھاتے ہیں مگر مدح میں ان کا ایک خاص انداز ہے مدحیہ قصاید میں مراتب کا ہر جگہ لحاظ رکھا گیا ہے سالار جنگ، آصف الدولہ اور آفریں علی خاں کی مدح دیکھ کر ان کے مراتب کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

:- قصیدہ در مدح سالار جنگ :-

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کہ حسین کا نام ہے سالار جنگ فخر جہاں — سپہر مرتبہ حاتم ہمم فرشتہ نظیر
متین و عادل و ممتاز و صاحب فطرت — حکیم و حاکم و دانا و عقلمند و دبیر
رحیم و محسن و ممدوح و منعم و فیاض — عدو الشجع و منصور و صاحب شمشیر
کمال دوست ہمم پیشہ حق شناس و کریم — خلیق و منصف و ذی ہمم مزاج و نیک ضمیر
بلند طالع و نیک اختر و کرم گستر — محب آل نبی[۳] اور ذاکر شبیر
سخن شناس سخن سنج و نکتہ دان سخن — سخن بلند بر و سخن پرور و سخن پذیر

"قصیدہ در مدح آصف الدولہ"

بس کہ ہے عہد میں تیرے ستم و ظلم عدیم — شمع پر صبح کو فانوس کے جاگہ ہو نسیم
دور ہی دور سے پرسش کرے بیمار ترنج — گل کو پہنچے نہ کبھی زخم یہ بلبل کے شمیم
پر سے پکھا کرے کنجشک کے بچہ کو باز — ملکہ اک پر کو اڑھائے تو کرے اک گلیم
چادر ماہ ہو حامہ کا کتاں کی استر — ٹوٹ جاوے اہوں کی صید کا سب عیب قدم
کوئی خالی ہیں بخشش سے تیری مثل فلک — شش جہت خلق پہ سایہ ہے ترا لطف عمیم
خود دیکھا تو تیرے بحر عطا کے آگے — قطرہ آپ سے کم تر ہے کہیں در یتیم
جو ترا صرف بحر میں خالی نہ رہے شت حباب — ابر نیساں جو کرم سے ترے لیوے علیم
کون عقدہ تھا کہ حل عہد میں تیرے نہ ہوا — آپ قطرہ ہوا اور قطرہ ہوا در یتیم
منع الفت جو کرے اہل چمن پر تو صبا — نہ کبھی غنچہ کو منہ دے نہ لگے گل سے شمیم

قصیدہ در مدح آفریں علی خاں

میدان ہمت اس کا زلیس ہے بہت وسیع — بخشتا کرے ہے صبح سے تا شام روم و زنگ
چاہے تو اک آن میں بخشے جہان کو — ہمت کے آگے اس کی ہے عرصہ جہاں کا تنگ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کھیلا ہے جا کے سیچہ کنجشک باز سے — طوطی کی بات سنتا ہے شاہین تیز چنگ
گر پہلواں رکھے سر یہ مور کے قدم — پس جا دے اس کی زور میں وہ آپ ہی ہے تنگ
خلق محمدی ہے زلیس تیری طبع میں — تیرے وظیفہ خوار ہیں کور و غریب و لنگ

عام طور پر قصیدہ نگاروں کے قلم کا زور اور جذبات کی فراوانی مدح کے بعد ختم ہو جاتی ہے مقطع میں ممدوح حسین کے دوستوں کی آبادی اور دشمنوں کی بربادی کی دعا کی جاتی ہے میر حسن کے "دعائیہ" میں خلوص و صداقت کے ساتھ زور بیان بھی پایا جاتا ہے۔ بغداد کا جو احساس دوسرے شعراء کے مقطعوں میں ہوتا ہے اس کا ثبوت میر حسین کے یہاں نہیں ملتا۔ دعائیہ میں خلوص و عقیدت، زور و بیان اور برجستگی کے نمونے بہت کم ملتے ہیں۔ شعراء عموماً دعائیہ میں مضحکہ خیز باتیں کہہ جاتے ہیں جسے پڑھ کر طبیعت مکدر ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ میر حسن دعائیہ میں مزاح خاص سے ایسا رنگ بھرتے ہیں جو جذباتی شاعری کا نمونہ بن جاتا ہے۔

قبول حضرت باری ہو تیری صوم و صلوٰۃ
خوشی ہوں تجھ سے علی و نبی و ان کے آل

الٰہی نیر اقبال عمر کا اس کے — رہے ہمیشہ درخشاں مثال ماہ منیر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

آصف الدولہ کے لیے دعا کرتے ہیں :

جب تلک شغل نظم و نثر کتاب — رہے در پیش طالبان سخن
تیرا جاہ و جلال و کوکب عمر — تا قیامت رہے لسان سخن
روز روئے زمیں پہ عدد — رہے یا مال تا زمان سخن

خلاصے کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ میر حسن کے قصیدوں میں غزل کی رنگینی و شگفتگی قصیدے کی جزالت و متانت اور مثنوی کے تسلسل کا کامیاب امتزاج ملتا ہے۔ ان کے قصیدوں کی جھلک کسی قدر مومن کے یہاں ملتی ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یہ اپنے طرز کے موجد بھی تھے اور خاتم بھی۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مرثیے میر حسن

کہا جاتا ہے کہ کلیات میر حسن میں مرثیے نہیں ملتے اور نہ کسی تذکرہ نویس نے حوالہ دیا ہے لیکن میر حسن تذکرہ شعرائے اردو میں لکھتے ہیں:

"اکثر بہ فرمایش نواب معلی الالقاب مرثیہ امام علیہ السلام نیز بہ گفتن می آید" [1]

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی لکھتے ہیں

"میر حسن نے مرثیے بھی کہے ہونگے اس کی خارجی شہادتیں موجود ہیں لیکن کلیات کے کسی مجموعے میں ان کا کوئی مرثیہ اب تک نہیں دستیاب ہوا" [2]

محمود فاروقی میر حسن کے متفرق کلام پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"میر حسن کے متفرق کلام میں مرثیے اور ہجویں بھی شامل کرلی گئی ہیں:

---

[1] تذکرہ شعرائے اردو میر حسن (مطبوعہ) صہ ۵۴

[2] غزل اور متغزلین (مطبوعہ) صہ ۱۳۹

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مرثیے اس سبب سے کہ تلاش لیسیار کے باوجود ان کے کسی کلیات میں نہ مل سکے۔" [1]

کلیات میر حسن نسخہ علی گڑھ، رامپور اور ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں دو رباعیاں امام حسین کے ماتم میں ملتی ہیں۔ ابواللیث صدیقی اور محمود فاروقی کے اقوال کی روشنی میں ان دونوں رباعیوں کو دیکھ کر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہر دو اصحاب نے کلیات کا بہ غور مطالعہ نہیں کیا اور اگر مطالعہ کیا تو ان رباعیوں کو "صنف مرثیہ" میں داخل کرنا مناسب نہ خیال کیا۔ دوسری صورت اس لئے ممکن نہیں معلوم ہوتی کہ "غزل اور متغزلین" اور میر حسن اور خاندان کے دوسرے شعرا" میں ان دو رباعیوں کا حوالہ بھی نہیں پایا جاتا۔ مراثی حسن پر اظہار خیال کرتے ہوئے اگر یہ رباعیاں سامنے ہوتیں تو ڈاکٹر ابواللیث اور محمود فاروقی حوالہ ضرور دیتے۔ میر حسن کی رباعیاں درج ذیل ہیں:

دس روز حسین کے جو ماتم میں رہا [2] اور آنکھوں سے اشک اسکے جو غم میں گرا
ہر قطرہ اشک کا .. ہے پر اس کے رکھتا ہے حسن جو دونوں عالم میں رہا

رباعی

کیا دشتی و لیور و انس جان عالم جو ہیں سو حسن روتے ہیں اس غم میں
روشن نہ سمجھ صریح پر قند لیلیں جلتے ہیں یہ دل حسین کے ماتم میں [3]

---

[1] میر حسن اور خاندان کے دوسرے شعراء (مطبوعہ) صفحہ ۱۷۶

[2] کلیات میر حسن قلمی ایشیاٹک سوسائٹی و علی گڑھ و رامپور

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نیشنل لائبریری کلکتہ میں مجلس اردو کا ایک نسخہ موجود ہے لیکن ابتدا کے چند اوراق غائب ہونے کی وجہ سے مصنف کا نام نہیں معلوم ہو سکا کتاب کے آخیر میں مندرجہ ذیل عبارت مرقوم ہے۔

"تمام شد نسخہ کتاب دہ مجلس بتاریخ چہارم ماہ شوال ۱۲۶۷ھ یوم شنبہ مطابق دویم اگست ۱۸۵۱ء بخط خام سید عبد اللطیف وارد حال شہر بود ساکن لونی ضلع مرہو خاص حسب فرمائش جناب میر صاحب و سرمیستا صاحب سررشتہ دار ڈپٹی کلکٹر صاحب بہادر ضلع پونہ ساکن شہر پانی پت"[1] کتاب میں اکثر عطا اور کہیں کہیں مظہر علی ولا کے لوحے درج ہیں آخری لوحہ میں "حسن" تخلص ہے۔ قیاس یہی کہتا ہے کہ لوحہ میر حسن دہلوی کی تخلیق ہے مگر تحقیق مکمل نہ ہونے کی وجہ سے حتمی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔

لوحہ

اے محبو کیا کہوں میں ماجرا شبیر کا
کربلا میں کس طرح سے سر کٹا شبیر کا

گھر لٹا خیمہ لٹا قیدی ہوئے اہل حرم
کٹ گیا پیاسا گلا یا اکبر یا شبیر کا

تھام کر ہاتھوں سے کلیجہ جھک گیا وہ زمین پر
تھا بڑا بیٹا علی اکبر مواشبیر کا

دیکھ کر اصغر کے نیلے ہونٹ اور سوکھی زباں
کیا کہوں میں کس طرح سے دل جلا شبیر کا

---

[1] وہ مجلس قلمی نیشنل لائبریری کلکتہ۔ ادبی حلقوں میں اس کتاب کا تعارف نہیں ہوا ہے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے نسخہ "وہ مجلس اردو" پر قاضی عبد الودود راقم صاحب کے مقالے چھپ چکے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

یہ شجاعت تھی کہ ٹکڑے تھا بدن تسلیم کا
راہ حق سے منہ نہیں ہرگز پھرا شبیر کا

حضرت عباس بھی اپنے کٹا کر دونوں ہاتھ
لے علم فردوس میں آخر گیا شبیر کا

واحسینا کی ہوئی فریاد جنت میں بلند
جس گھڑی روئے زمین پر خوں بہا شبیر کا

حضرت زینب نے سر کے بال کھولے اس گھڑی
جبکہ دیکھا برچھی اوپر سر چڑھا شبیر کا

بولی یوں کلثوم رو رو کے دہائی یا علی
ہو گیا تن سے جدا پیاسا گلا شبیر کا

ہو چکے جب اہل بیت مصطفےٰ اسیر
قیدی زنجیر پا بیٹا ہوا شبیر کا

شیر حق اور سید ابرار نے جنت کے بیچ
سن کے اس احوال کو ماتم کیا شبیر کا

غور کر لو تو بھلا کیا ہوا ظلم عظیم
تعزیہ خانہ ہر اک گھر ہو گیا شبیہ کا

بس حسنؔ خاموش آگے کچھ لکھو احوال تو
حشر میں راضی رہے تجھ سے خدا شبیہ کا

نگار کے اصناف سخن نمبر میں صفدر حسین نے میر حسن کا ایک سلام نقل کیا ہے مگر یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ ان کا ماخذ کیا ہے

مجرا کہو شبیر پہ اسطرح حزیں ہو
جو اشک کے سیلاب سے تر ساری زمیں ہو

سر اس کا علم پر ہو علم آہ کہ جو شخص
حیدر کا نشاں دوش محمد کا مکیں ہو

ہر حضرت شبیر بھلا کون ہے یارو!
جو ساجد مسجود دم باز پسیں ہو

صد حیف ملے پیادہ روی اسکے پسر کو
کونین کی اقلیم کا جو تخت نشیں ہو

خشک اصغر مختار کے کس طرح ہوں آنسو
تر خون میں شبیر کے جب خنجر کیں ہو

سر ننگے نہ کس طرح سے ہوں فاطمہ لاں
عریاں پڑی جب دشت میں لاش شہ دیں ہو

اے پیر فلک ہووے جو اکبر سا جواں آہ
تیرو تبر ظلم ہو اور اس کی جبیں ہو

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہیہات جو تھا قوت بازوئے حیدیا — شانہ کہیں سر اسکا کہیں پاؤں کہیں ہو
محتاج چادر ہوئیں وہ آلے کہ جنکے — یوں سلطنت ہر دو جہاں زیر نگیں ہو

ہے حضرت شبیر سے یہ عرض حسن کی
جا مشہد عالی پہ یہ پیوند زمیں ہو[1]

پروفیسر مسعود حسن رضوی کے ذخیرہ مراثی میں حسن کے تین مرثیے دستیاب ہوئے دو مربع اور ایک مسدس لیکن ان تینوں مراثی کے ماخذ کے متعلق بھی کوئی بات وثوق سے نہیں کہی جا سکتی، صرف مسعود حسن صاحب جیسے بلند پایہ محقق و ناقد کا بیان ہمارے سامنے ہے جس کو بظاہر رد کرنا درست نہیں معلوم ہوتا۔

میر حسن مربعہ مرثیہ میں ستتیس ۳۷ بند ہیں جس میں امام حسین کی شہادت کے بعد ماں بیٹی کی گفتگو، حسینی قافلے کی واپسی حضرت زینب اور حضرت شہر بانو کے بین اور سکینہ کی موت کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ مرثیہ کی ابتدا یوں کرتے ہیں:۔

جب سکینہ نے سنا گھر میں کہ وہ سرور گیا — یعنی جنت کو پیارا سا سبط پیغمبر گیا
سنتے ہی یہ ماجرا ہوش اس کا تو یکسر گیا — رو رو کر بولی اماں ہائے میرا کبد ھر گیا
تو تو کہتی تھی کہ جنت کو گیا بابا غریب — مجھ کو تشنہ چھوڑ کر جانا تو ہے اس سے عجیب
اور گیا ہے وہ تو بلوا دیگا مجھ کو عنقریب — یونہی ہوگا سچ یہ خطرہ اب میرے دل پر گیا

---

[1] نگار ۱۹۵۷ء اصناف سخن نمبر ص ۱۰۷

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اے اماں بابا کی صورت مجھکو دکھلا دے شتاب — میں تیرے صدقے گئی تو اس کو بلا دے شتاب
یا مجھی کو اس تلک لے جا تو پہنچا دے شتاب — ہجر کی داغوں سے اسکے دل تو میرا پھر گیا

ماں نے بیٹی کی درد بھری گفتگو سن کر "رضائے کردگار" کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی تعلیم دی۔ ماں بیٹی کی گفتگو چودہ بندوں میں نظم کرنے کے بعد حسینی قافلے کی واپسی کا منظر پیش کیا ہے۔ حضرت زینب اور حضرت شہر بانو امام حسین سے خطاب کرکے بین کرتی ہیں، جسے پانچ بندوں میں پیش کیا گیا ہے شامیوں نے خاندان حسین ماتم کرنے کی اجازت بھی نہیں دی حسینی قافلہ شام پہنچا تو انھیں ماتم اور بین کرنے کے لئے ایک مکان دیدیا گیا جس میں ایک رات سکینہ روتے روتے سو گئی اور خواب میں والد کو دیکھا اور چیخ مار کر بیدار اس کو چپ کرانے کے لئے امام حسین کا سر مبارک خوان میں رکھ کر بھیج دیا۔ سکینہ باپ کا سر دیکھتے ہی ایک آہ کے ساتھ ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگئی آخری بند ملاحظہ کیجئے:

اب حسن آگے کہوں کیا جیسا واں ماتم ہوا — ایک تو غم تھا ہی اور یہ غم کے اوپر غم ہوا
عمر بھر اہل حرم پر غم نہ اس کا کم ہوا — جو گیا ان میں سو اس غم سے یہ چشم تر گیا

دوسرے مربع مرثیہ میں چالیس بند ہیں۔ ابتدا میں امام حسن اور امام حسین کی شہادت کا ذکر کیا گیا ہے۔ دو بند ملاحظہ کیجئے:

سکھ حسن کو نہ ہو دنیا میں یہ دکھایا حسین
ہو کے سیراب حسن، تشنہ دہن جائے حسین

اے محبان حسن اور احبائے حسین!

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جوشِ غم سے کہو نتاہائے حسن ہائے حسین

کس کے مسموم کیا سبز حسن کا چہرہ
سُرخ یاقوت حسینا کو کیا خون بہا
آخری دم گیا سر سبز حسن از دنیا
سُرخ رو خوں سے ہو کر بہ عدن جا حسین

تیسرے بند کے چوتھے مصرعہ "قتل پھر اور کے رہ جتنے تھے انائے حسین" کی توضیح تینتیس بندوں میں کی گئی ہے جن میں اکثر اقربا کی شہادت کا ذکر ہے۔ آخری تین بندوں میں امام حسین کی شہادت کے بعد کے واقعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ شاہ کی شہادت، گھر کی تباہی اور خیمہ خرگاہ" کے لٹنے کا منظر پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

اور کیا بی بیوں کی قید کروں قید تلم
شام تک قید ہیں کہوں کر گئے خدام حرم
کہنے کو جا نہیں مارا نہیں جاتا کچھ دم
کچھ عجب طور سے پہنچے وہ غم آرائے حسین

تیسرے مرثیے میں چھبیس بند ہیں۔ ابتدائی دو بند درج ذیل ہیں۔

جب دشت میں شبیہ کا لشکر گیا مارا
جو قتل ہوا قاسم مضطر گیا مارا
اور نہر پہ عباس دلاور گیا مارا
اکبر گیا مارا علی اصغر گیا مارا

کیا دکھ شہ لولاک کے پیارے پہ پڑے تھے
دروازۂ خیمہ پہ کمر پکڑے کھڑے تھے

فرماتے تھے اب کیا کروں میں یار خدایا
امت نے محمد کی یہاں تک ہے ستایا
اصغر میرا تڑپا کیا پانی نہ پلایا
میں لب پہ تیرے شکر سوا کچھ نہیں لایا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مرضی وہی میری ہے جو کچھ تیری رضا ہے
معبود تیرے نام پہ گھر بار فدا ہے

مختلف اقربا کی شہادت کا ذکر آٹھ بندوں میں کیا گیا ہے امام حسین بارگاہ ایزدی میں عرض حال کر رہے تھے۔ ادھر بانو خیمے سے آپ کی تقریر سن کر سر پیٹتی اور روتی ہوئی کہنے لگی کہ ثبیہ بیکس ہو گئے اس کے بعد حضرت زینب اور امام حسین کی گفتگو ہے۔ انھیں مالک و مختار اور بچوں کی پرستار بنایا ہے مصائب کو انگیز کرنے اور امت کے حق میں بد دعا نہ کرنے کی تلقین کی ہے۔ اس گفتگو کے بعد اہل حرم کو روتا چھوڑ کر میدان جنگ میں تشریف لے جاتے ہیں۔ مرثیہ کا آخری بند ملاحظہ کیجیے۔

خاموش حسن اک ہے وقت مجھے طاری — کر عرض یہ سرور سے کہ اے عاشق باری
حل بہر خدا کر تو میری مشکلیں ساری — اس غم سے لگا زخم میرے دل پہ ہے کاری
سرکار سے اس زخم کا مرہم مجھے مل جائے
مطلب مرا اے شاہ دو عالم مجھے مل جائے

مراثی میر حسن کی ادبی اہمیت پر گفتگو کرتے ہوئے قاری کے سامنے تذکرہ شعرائے اردو کی یہ عبارت ہونی چاہیئے۔

اکثر بعز مائش نواب معلی الالقاب مرثیہ امام علیہ السلام نیز بگفتن می آید۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

رُباعیات میر حسن

قدما کا تسبیر ادور تمام اصناف سخن کے لئے حیات آفریں ثابت ہوا اس عہد میں غزل قصیدہ اور مثنوی کے ساتھ صنف رباعی میں بھی وسعتیں پیدا ہوئیں ہر شاعر کے دیوان میں رباعیاں ملتی ہیں۔ میر تقی میر خواجہ میر درد، سودا، سوز، احسن اللہ بیان، تاباں، اور میر حسن کے یہاں عاشقانہ اور صوفیانہ رباعیوں کی خوبصورت مثالیں موجود ہیں۔ میر کی عشقیہ رباعیوں میں غزلوں کا سوز و گداز اور تغزل کی چھاپ ہے مگر صوفیانہ خیالات کو رنگ و آہنگ کے ساتھ بھرپور نہ پیش کر سکے چند عاشقانہ رباعیاں ملاحظہ فرمائیے۔

ہیں گو کہ سبھی تمہاری پیاری باتیں — پر جی سے نہ جائیں گی تمہاری باتیں
آنکھیں ہیں ادھر رہے سخن اور طرف — یاروں کی نظر میں ہیں یہ ساری باتیں

چپکا چپکا تو پھر نہ کر غم سے — کیا حرف سخن عیب ہے کچھ محرم سے
آخر کو کہے رہتے ہیں جنوں ہوتا ہے — اے میر کوئی بات کیا کر ہم سے [1]

---

[1] کلیات میر مطبوعہ ڈاکٹر عبادت بریلوی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

درد کا کلام سراپا انتخاب ہے غزلوں کے ساتھ رباعیوں میں بھی وہی خصوصیت پائی جاتی ہے ان کی عاشقانہ طبیعت نے صوفیانہ رباعیوں میں دلکشی اور چاشنی پیدا کر دی ہے۔

اے درد یہ درد جی سے کھونا معلوم — جوں لالہ جگر سے داغ دھونا معلوم
گلزار جہاں ہزار پھولے لیکن — میرے جی کا شگفتہ ہونا مسلوم

اے درد بہت کیا پہ لکھا ہم نے — دیکھا تو عجب یہاں بھی لیکھا ہم نے
بینائی نہ تھی تو دیکھتے تھے سب کچھ — جب آنکھ کھلی تو کچھ بھی نہ دیکھا ہم نے

پیری چلی اور گئی جوانی اپنی — اے درد کہاں ہے زندگانی اپنی
کل اور کوئی بیاں کرے گا اسکو — کہتے ہیں ہم آپ اب کہانی اپنی

کلیات سودا میں رباعیات کی معتدبہ تعداد موجود ہے مگر ان میں درد اور میر کا سوز و گداز اور اثر نہیں پایا جاتا سوز کی رباعیوں میں انفرادیت ہے تاباں کے یہاں میر اور خواجہ میر درد کا رچاؤ اور تغزل ملتا ہے اسن اللہ بیاں نے رباعیوں پر خصوصی توجہ کی عاشقانہ اور صوفیانہ خیالات کا خوبصورت امتزاج دیکھنا ہو تو بیان کی رباعیاں ملاحظہ فرمائیے۔

مت کہو بیان جام اجل پیتا ہے — یا اس کے لئے کوئی کفن سیتا ہے
یارو میرے حال کو جو پوچھے وہ شوخ — آنا کہو کہ اب تلک جیتا ہے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دنیا سے بیاں چلا ہوں روتے روتے
گذری سب عمر اپنی روتے روتے
ظلمات میں تھا آب بقا پر افسوس
روشن یہ ہوا صبح کے ہوتے ہوتے

کیا زلف میں اس شوخ کی ہے دیکھی صبح
یا شام سے ہوتی ہے کسی شب کی صبح
ٹک زلف کو اس کی ہاتھ لگایا کہ ادھر
ہمسایہ پکارا کہ ہوئی کب کی صبح

جس وقت کہ بیدار وہ ہوتا ہیگا
عالم کی غضب سے جان کھوتا ہیگا
غنچوں سے صبا کہیو کہ آہستہ کھلیں
زانو پہ مرے وہ شوخ سوتا ہیگا

میر حسن تذکرہ شعرائے اردو میں بیان کے متعلق لکھتے ہیں:

رباعیات دلپذیر دارد۔ [1]

مذکورہ بالا رباعیات سے اس بیان کی تصدیق ہو جاتی ہے۔

میر حسن نے غزل قصیدہ اور مثنوی کے ساتھ صنف رباعی میں بھی فنکاری کا ثبوت دیا ہے۔ کلیات کے مختلف نسخوں میں ڈیڑھ سو سے زیادہ رباعیاں پائی جاتی ہیں۔ زبان و بیان کے لحاظ سے اس دور کے دوسرے شعراء کے یہاں شاید ہی یہ رنگ و آہنگ پایا جائے۔ ان کی رباعیوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر وہ مثنوی کی طرح رباعی کی طرف بھی توجہ کرتے

---

[1] تذکرہ شعرائے اردو میر حسن: ص ۲۷

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تو رباعی میں عشقیہ مضامین کا قابل قدر اضافہ ہو جاتا۔ غزلوں مثنویوں اور قصائد میں "غم دنیا" کے اتنے واضح اثرات نہیں پائے جاتے جتنے رباعیوں میں ہیں لیکن کبھی زندگی سے گھبراتے ہوئے نظر نہیں آتے۔ رباعیاں ملاحظہ کیجیے۔

آباد ہوئے تو کیا ہوا دنیا میں — ناشاد رہے تو کیا ہوا دنیا میں
وارستہ ہوئے نہ قید ہستی سے حسنؔ — آزاد ہوئے تو کیا ہوا دنیا میں

دنیا کی نہ فکر نہ دین کے غم میں — شادی میں کسی کے نہ ماتم میں
کیا تجھ کو بتائیں اپنا احوال حسنؔ — رہتے ہیں سدا ہم اور ہی عالم میں

اک عمر خرابی و الم میں گزرے — یعنی کہ ہمیشہ درد و غم میں گزرے
کیا شکوہ کریں حسنؔ اس کا تجھ سے — وہ بھی مثال برق ہم سے گزرے

آباد ہے ملک دل الم سے تیرے — سرسبز ہے کشت جاں قدم سے تیرے
رنج و الم و حسرت داغ و اندوہ — وہ کیا ہے جو یاں نہیں کرم سے تیرے

آرام کے واسطے رہے دنیا میں — یا نام کے واسطے رہے دنیا میں
یہ بھی نہیں معلوم حسنؔ ہم کو کہ ہم — کس کام کے واسطے رہے دنیا میں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بلبل کی ہزار آشنائی دیکھی — اور گل کی کرور بے وفائی دیکھی
کچھ اپنا برا بھلا نہ دیکھا ناحق — اوروں کی برائی و بھلائی دیکھی

میر حسن کی عاشقانہ رباعیاں ملاحظہ کیجئے:

ہر آن میں آپ کو دکھا جاتے تھے — مشتاق کو تسکین دلا جاتے تھے
کیوں دیر لگی ہے کس نے روکا تم کو — اب تک تو کئی بار تم آ جاتے تھے

اک عمر کے بعد کل جو پایا دل کو — جی جان کے چھاتی سے لگایا دل کو
افسانہ غم اپنا یا سنایا دل کو — کچھ رو نے آپ کچھ رلایا دل کو

فرقت کے دلوں کو جو کوئی بھرتا ہوگا — جوں شمع وہ شام و صبح کرتا ہوگا
جس پر گزرتی ہوگی یہ ہجر کی رات — کیا خاک وہ جیتا ہوگا مرتا ہوگا

روتے تو مجھے دیکھ کے کیوں روتا ہے — اس غم سے مرا اور بھی جی کھوتا ہے
تیرا ہی تو غم نہیں مجھے تجھ کو کیا — دنیا ہے ہزار بات ہے غم ہوتا ہے

اب تم ہی کہو بھلا سمجھتے ہو کسے — اور کون ہے بد برا سمجھتے ہو کسے
جو شرط وفا کی ہے سو ہم کرتے ہیں — کیا جانے تم وفا سمجھتے ہو کسے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ایک رباعی میں اپنے زمانے کے "امیروں" کی سخاوت پر بڑے اچھے انداز میں طنز کیا ہے۔

آواز فقیر جب کبھی دیتے ہیں — کب ان کو جواب یہ غنی دیتے ہیں
ایسے تو سخی ہیں اس زمانے کے امیر — کوڑی کوڑی مانگے تو یہ جی دیتے ہیں

رباعی کی ایجاد ایران میں ہوئی اور اس صنف کو جب اردو والوں نے مستعار لیا تو ہزار رنگ کا جامہ زیب تن کر چکی تھی۔ اگر ایک طرف اس میں اخلاقی متصوفانہ اور رندانہ مضامین کی قابل قدر مثالیں ملتی ہیں تو دوسری طرف یہ شاعرانہ فضل و کمال کے اظہار کا ایک ذریعہ بھی ہے۔ امیر جسنہ و نے اس صنف کو مختلف پیشہ وروں کی جیتی جاگتی تصویر بنا کر پیش کیا۔ ان تصویروں میں متعلقہ پیشے کے لوازم بھی ہیں۔ اور للچائی ہوئی نگاہ بھی جذب ہو گئی ہے جیسی نرجانی میر تقی میر نے کی ہے یہاں اس پر بحث کرنے کا موقع نہیں ہے۔ کہ اس زمانے کے شعری مزاج کی تشکیل میں کون کون سے محرکات کام کر رہے تھے۔

عرض یہ کرنا ہے کہ امیر خسرو نے اپنی رباعیوں میں پیشہ وروں کا ذکر اس انداز سے کیا ہے کہ وہ رباعیاں اعلیٰ شاعری کے زمرے میں شامل کی جا سکتی ہیں۔ میر حسن نے اس کی تقلید میں رباعیاں کہی ہیں جو فنی محاسن سے بھرپور اور ابتذال سے دور ہیں شخصیت نگاری کا نمونہ بھی ہیں اور ان کے خاکوں میں مختلف پیشہ وروں کے خدوخال بھی نمایاں ہیں۔ دراصل متعلوم خاکے مثنویوں میں ملتے ہیں۔ امیر خسرو ایک عظیم مثنوی نگار ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

یہی وجہ ہے کہ انہوں نے رباعیوں میں بھی شخصیت نگاری کا حق ادا کر دیا میر حسن کی رباعیاں بھی اُن کی فطرت مثنوی نگاری کے سہارے نکھری ہیں۔

یہاں امیر خسرو اور میر حسن کی اس مخصوص طرز کی رباعیوں کے موازنہ کی ضرورت نہیں لیکن اوروجوہات کہی گئی ہے اس کے ثبوت میں ان شعرا کی ایک ہی موضوع پر چند رباعیوں نقل کی جاتی ہیں۔

امیر خسرو :۔ (در صفت تنبولی)

تنبولی من چو محلس بادہ کنم — آئینہ دل ز زنگ غم سادہ کنم
یک لحظہ اگر تمبن سیاہی دل خود — از تقل تو برگ عیشش آمادہ کنم

(در صفت تیلی بچہ)

تیلی پسرے کہ می فروشد تیلے — از دست زبان چرب او دا ویلے
خالے بہ رخش دیدم و گفتم کہ تل است — گفتا کہ بروئیست در بن تل تیلے

(در صفت سقا پسر)

سقا پسرا بیا صفا آوردی — چوں آب حیات آشنا آوردی
آئین کرم نیک بجا آوردی — آبے بروئے کار با آوردی

تنبولی، تیلی، اور سقہ کی تعریف میں میر حسن کی رباعیاں ملاحظہ کیجیے :

(پسر تنبولی)

عیار بڑا ہے پسر تنبولی — لوٹا مجھے اور گرہ اپنی کھولی
ہوش و خرد و تاب تواں لی مرے — جو کچھ تھی متاع سارلی دھول

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

(بسر تیلی)

اس تیلی کے لڑکے سے بہت کھیل نہیں — دل عشق کے کولھو میں مجھے پیل نہیں
جس واسطے ہڈیاں تو پیلے ہے مری — سو جان کہ تلوں میں وہ تیل نہیں

(بسقہ بسر)

شقے کا بسر سیکو وہ چھیل جاتا ہے — اس حور بہشتی کو کوئی پاتا ہے
وہ چاہ سے کھینچتا ہے دل ڈول کی طرح — اور ہاتھ سے جی اس کے بھرا آتا ہے

ان مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ میر حسن نے ایک نازک مگر متبذل موضوع کو بھی شعریت کا حامل بنا دیا ہے۔ میر حسن نے رباعیات ہر فرقہ کے عنوان سے طباخ بسر، بسر دہقاں، بسر رنگریز، بسر سقہ، بجار بسر، بسر گاذر، بسر معمار، بسر نقاش، بسر باغبان، بسر خیاط بسر تنبولی اور بسر تیلی وغیرہ کی تعریف میں رباعیاں کہی ہیں۔ اردو کے کسی دوسرے شاعر کے یہاں ہر فرقہ کی تعریف میں رباعیاں نہیں ملتیں۔ رباعی کی جب تاریخ لکھی جائے گی۔ تو میر حسن کے اس کارنامے کا ضرور ذکر کیا جائے گا۔

رباعیات ہر فرقہ کے بعد میر حسن "بنام طوائفان دربیان تعریف ہر یک علیحدہ" لکھتے ہیں مصروف ہوئے۔ کلیات کے تقریباً تمام نسخوں میں طوائفوں کی تعریف میں کہے گئے اشعار منقول ہیں۔ ان اشعار کو دیکھ

لہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے نسخے میں طوائفوں کی تعریف میں کہے گئے اشعار نہیں ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کرتے ہوئے ذہن دو نتائج اخذ کرتا ہے اول یہ کہ تیس طوائفوں کی تعریف میں اشعار کہنے والا شاعر ان سے واقف ہی نہیں تھا بلکہ ان طوائفوں کے یہاں اس کا آنا جانا بھی تھا۔ نواب شجاع الدولہ اور آصف الدولہ کے عہد میں طوائفوں سے دلچسپی غیر شریفانہ یا غیر اخلاقی فعل تصور نہیں کیا جاتا تھا۔ مذکورہ بالا نوابوں کو بذات خود طوائفوں سے کافی لگاؤ تھا۔ شجاع الدولہ بہادر میدان جنگ میں طوائفوں اور کسبیوں کے ڈیرے ساتھ رکھتے تھے۔

دوسری بات یہ کہ اس نامکمل فہرست کو دیکھ کر یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس عہد میں اور نہ جانے کتنی طوائفیں رہی ہونگی ان اشعار میں اس ماحول کی جھلک نظر آتی ہے جہاں دلچسپی کے ساتھ کلیات میں تعریفی اشعار کہنا بھی برا نہیں خیال کیا جاتا تھا۔ چند تعریفی اشعار ملاحظہ کیجئے:

"شرفو"

لے گیا ہے حسن اس کا حسن پرست کے شرف　　اسلیے شرفو ہوا ہے نام اس محبوب کا

"در صفت ماہ رتن"

دکھلاوے اگر مہ کو وہ سیم بدن اپنا　　زیور کے لئے اسکے دے ماہ رتن اپنا

"دردانہ"

عجب لذت مزہ ہے اس میں یارو　　بدن دردانہ ہے اس گلبدن کا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

"در صفت مصری"

کھلتی ہے ساتھ سیکے شیریں کلام مصری
باتوں میں وہ غضب ہے اسکی نہ بات کیجئے

"در صفت تنہی"

لے جاتی ہے دل آنکھوں میں سب کا
سمجھتی ہی نہیں ایسی ہے تنہی

"در صفت پنا"

جواہر تو سبھی تحفہ ہیں لیکن
پہ یہ پنا بھی سلطانی عدد ہے

ماہ رتن کی سیم تنی، دردانہ کے بدن کی لذت، تنہی کی آنکھوں کی خوبصورتی کی تعریف کرنے والا شاعر بغیر لطف اندوز ہوئے ایسے شعار نہیں کہہ سکتا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مخمسات و مثلثات

کلیات میر حسن نسخہ حبیب گنج میں چودہ اور ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے نسخہ میں تیرہ مخمسات ہیں ادبی حیثیت سے رباعیات کے بعد مخمسات کا درجہ ہے میر حسن نے جامی، علی حزیں، آملی، قائم، میر تقی میر، سودا وغیرہ کی غزلوں پر کامیابی کے ساتھ مخمس کہا ہے۔

"مخمس بر غزل سودا"

دشتی کو چھیڑتے نہیں دیوانہ پن کے بیچ — کیا جانے کیا کہے کوئی کیا سمجھے من کے بیچ
میں نے تمہیں کہا نہیں پیدا بچن کے بیچ — سودا اگر فتہ دل کو نہ لاؤ سخن کے بیچ
جوں غنچہ سو زباں ہیں اسکے دہن کے بیچ

"مخمس بر غزل میر"

تمام فراق دیکھ میرا جی دہل گیا — تا صبح میرے سر سے نہ اس کا خلل گیا
میرا تمام تن بدن آخر کو جل گیا — مانند شمع آتش غم سے پگھل گیا
بزم جہاں میں روتے ہی روتے میں جل گیا

حرف درشت ہم سے کہا کر نہ سیم بر — ہووے گی تاب کیونکہ ہمیں اس عتاب پر
انصاف شرط ہے تو ذرا اس میں غور کر — ہم خستہ دل ہیں تجھ سے بھی نازک مزاج تر
تیوری چڑھانے تیوں جاں نکل گیا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کیونکر حسن کہاوے نہ سودائیوں کا پیر — جامے کو اپنے پھینک دیا اس نے چیر چیر
خرقہ ہوا کے ہاتھ سے اس کا پڑا دھر یہ — عریاں تنی کی شوخی سے دیوانگی میں میر
مجنوں کے دشت خار کا دامان جل گیا

"مخمس بر غزل میر"

دل کو فرقت کا الم پیہم رہا — ایک دن اس بن نہیں خرم رہا
ساتھ میرے دم کے یہ ماتم رہا — غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا
دل کے جانے کا نہایت غم رہا

شیشہ و ساغر نہ تھا یہ اے فلک — کیا بسا تھا اس کی جو یہ پڑتا چھلک
آنسوؤں کی سی کہاں اس میں دلک — دل نہ پہنچا گوشہ دامن تلک
قطرہ خوں تھا مژہ پر جم رہا

تھے حسن کی طرح وہ روشن ضمیر — روز روشن اٹھ گئے بر نادر پیر
خواب غفلت نے کہا اس کو اسیر — صبح پیری شام ہونے آئی میر
تو نہ جیتا اور بہت دن کم رہا

جامی، علی حزیں، اور سودا کی غزلوں پر میر حسن کی کوشش اتنی کامیاب نہ ہو سکی جتنی میر تقی میر اور قائم کی غزلوں میں ملتی ہے۔ میر کی غزلوں کا حسن ان مخمسات میں ڈھلنے کے بعد اور بڑھ گیا ہے۔ اساتذہ کی غزلوں پر مخمسات عموماً کامیاب نہیں ہوتے۔ انداز بیان مختلف ہونے کی وجہ سے جذبات میں یگانگت نہیں ہو پاتی مخمس کے بند کے ساتھ اشعار شیر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دشکر نہیں ہوتے۔ میر حسن کے یہاں یہ خاصی نہیں پائی جاتی ہے۔ کلام کی روانی اور شعر کا حسن برقرار رہتا ہے یہی نہیں اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ مخمس کے اضافہ شدہ مصرعے صرف شرح وبسط کا حق ادا کرتے ہیں لیکن جو تخمیس کے فن سے واقف ہوتے ہیں۔ وہ شاعر کے بنیادی خیال پر اس طرح اپنا رنگ چڑھاتے ہیں کہ اصل شعر بھی ان کا اپنا ہو جاتا ہے۔ میر حسن اس فن سے واقف تھے۔ اور وہ صرف "بھرتی" کے مصرعے نہیں لگاتے تھے۔ آخری مخمس اور مسدس انتہائی فحش ہیں۔ میر حسن کی حیات پر بحث کرتے ہوئے میں نے مسدس اور مخمس کو ضاحک کی تخلیق ثابت کیا ہے۔ وجوہات اسی باب میں منقول ہیں۔

کلیات میں مثلثات تین سو دس ہیں۔ مگر ان کی حیثیت شاعرانہ مشق سے زیادہ نہیں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

باب ششم

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تذکرہ شعرائے اردو میر حسن دہلوی

تذکرہ شعرائے اردو کی تصنیف کا زمانہ اپنی خصوصیات کی بنا پر ہندوستانی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ دہلی جسے ہندوستان کا دل کہا جاتا ہے تباہ و برباد ہو چکی تھی۔ محمد شاہی دور کی رنگینیاں دم توڑ رہی تھیں۔ ریختہ گوئی کا رواج عام تھا۔ مگر سیاسی انتشار اور معاشی بدحالی کی وجہ سے فنکاروں کی زندگی بیمار کی رات ہو رہی تھی۔ معاشی دقتیں نوابین اور جاگیرداروں کا سہارا تلاش کرنے پر مجبور کر رہی تھیں اس پریشان حالی میں اودھ کا دربار انتظام سلطنت، شان و شوکت فیاضی اور علم دوستی کے لئے پورے ہندوستان میں مشہور تھا۔ اودھ کے بازاروں میں کہنے کے لئے بادشاہ دہلی کے سکے چل رہے تھے۔ اور نواب اودھ بادشاہ دہلی کے وزیر کہے جاتے تھے۔ مگر حقیقت یہ تھی کہ دہلی کا دربار اجڑ چکا تھا۔ صفدر جنگ کی ناکامی اور سیاسی مصلحت اندیشوں نے یہ بھرم قائم رکھنے پر مجبور کیا ورنہ شجاع الدولہ یہ دکھاوا بھی گوارا نہ کرتے۔ دولت کی فراوانی اور امن و سکون کی تلاش نے شعرائے دہلی کو سب سے زیادہ اودھ کی طرف اس لئے متوجہ کیا کہ شعرا کی اس ہجرت میں ایک ذرا محبت کی چاشنی بھی شامل تھی۔ نواب شجاع الدولہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کی اہلیہ بہو بیگم محمد شاہ کی متبنیٰ بیٹی تھی۔ بادشاہ نے ان کی شادی بڑی دھوم دھام سے شجاع الدولہ کے ساتھ کی تھی۔ بادشاہ دہلی کے اس تعلق نے شعرا کو مزید سہارا دیا۔ خود بہو بیگم ان کے بھائی سالار جنگ اور نواب شجاع الدولہ نے اس تعلق کا ہمیشہ پاس کیا۔ چنانچہ ۱۷۶۹ء میں سب سے پہلے خان آرزو فیض آباد آئے اس کے بعد صاحب اور ان کا خاندان ڈوبتا ہوا لکھنؤ سے فیض آباد پہنچا۔ ان لوگوں کے بعد لوگ جوق در جوق آنے لگے۔ سرزمین اودھ میں ادبی محفلیں منعقد کی جانے لگیں اور معاصرانہ چشمکیں گروہ بندیاں اور معرکہ آرائیاں یہاں بھی شروع ہو گئیں۔ جن کی بنیاد پہلے پڑ چکی تھی۔ ریختہ گوئی کا رواج عام ہو چکا تھا۔ شعرا کو سکون ہوا تو دھوبی پچ گئیں۔ برائے تفنن طبع کہنے اور سننے کا زمانہ ختم ہو چکا تھا۔ اب شاعری برائے شہرت و ناموری ہونے لگی اردو و فارسی کی کشمکش دیکھنے والے منصف مزاج یہ سمجھ رہے تھے۔ کہ میدان اردو کے ہاتھ آئے گا۔ مگر نثر کی فضائے بسیط پر اب بھی فارسی کی حکمرانی تھی۔ دور قاچار کے مشہور دبیروں کی نثر جسے مغلوں نے فروغ دیکر مہ و انجم کی روشنی عطا کی تھی۔ دلوں پر حکومت کر رہی تھی۔ بلکہ لکھنؤی فضائے بڑی حد تک اس گرتی ہوئی دیوار کو عہد میر و مرزا سے زیادہ سہارا دیا۔ دہلوی شعراء کے یہاں بھی دلی کے بازاروں کی زبان اور جامع مسجد کی سیڑھیوں کے روزمرہ کے ساتھ اس نثر کے مرقع دیکھے جا سکتے ہیں۔ اودھ کی تہذیب پس منظر نے اسے مزید شیرینی سے قریب کر دیا۔

میر حسن نے دنیائے ادب میں قدم رکھا تو اردو شاعری کا دوسرا دور

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ختم ہوا تھا۔ تیسرے دور کے راہبر آبلہ پایان شوق کی رہنمائی کر رہے تھے تذکرے کی ابتدا تیسرے دور کی انتہا سے ہوئی۔ نئی راہوں اور نئی منزلوں کے آشکار نمائی کی تیاری میں مشغول تھے۔ میر حسن نے دور سوم و چہارم کے شعرا کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اسی لئے تذکرے میں معاصرانہ معلومات کے ساتھ ان دونوں ادوار کا پرتو بھی جھلکتا ہے۔

تذکرہ شعرائے اردو کے زمانہ تالیف کا تعین کرتے ہوئے مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی لکھتے ہیں:

"یہ تذکرہ میر حسن نے اس زمانہ میں لکھا ہے جبکہ دلی کو خیرباد کہہ کر فیض آباد میں سکونت پذیر تھے۔ چنانچہ خود اپنے حال میں لکھتے ہیں۔ شروع جوانی از گردش روزگار۔۔۔ بطرف لکھنؤ و فیض آباد رسیدم" تذکرہ ہذا میں میر صاحب نے جو فہرست اپنی تصانیف کی لکھی ہے اس میں رموز العارفین ہے، گلزار ارم نہیں ہے۔ رموز العارفین کا سال تصنیف ۱۱۸۸ھ ہے اور گلزار ارم کا ۱۱۹۲ھ۔ رموز العارفین کے متعلق لکھا ہے کہ وہ مشہور ہو چکی ہے اس سے واضح ہے کہ تذکرہ ۱۱۸۸ھ اور ۱۱۹۲ھ کے مابین لکھا گیا۔" [1]

میر حسن تذکرہ کے خاتمہ پر لکھتے ہیں:

"ایں تذکرہ من تالیف فقیر حقیر پر وردہ آغوش ریخ و محمد

---

[1] مقدمہ تذکرہ شعرائے اردو

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میر حسن در تاریخ یک ہزار و یک صد و نود و یک ہجری یہ
انعام رسید [۱]

لیکن شاہ فصیح کے متعلق لکھتے ہیں :-

"دو سال یک ہزار و یک صد و نود و دو بہ رحمت حق پیوست" [۲]

خاتمہ کتاب کی عبارت اور شاہ فصیح کے متعلق میر حسن کا بیان دیکھ کر تاریخ اختتام کے متعلق شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ میر حسن نے تذکرہ شعرائے اردو ۱۱۹۱ھ کے آخری مہینوں میں مکمل کر لیا تھا۔ ۱۱۹۲ھ کے شروع میں شاہ فصیح کا انتقال ہوا تو میر حسن نے تاریخ وفات کا اضافہ کر دیا۔ اس طرح دونوں بیانات میں تضاد پیدا ہو گیا۔ تذکرہ کے سلسلے آغاز کا تعین کرتے ہوئے حبیب الرحمٰن صاحب نے رموز العارفین کے سال تصنیف (۱۱۸۸ھ) کا سہارا لیا ہے حالانکہ کتاب کے اندرونی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ تذکرہ ۱۱۸۸ھ سے پیشتر شروع ہو چکا تھا۔

عرشی رامپوری نے مرزا مظہر کے بارے میں لکھی ہوئی عبارت کے حوالہ سے ثابت کر دیا ہے کہ تذکرہ کی ابتداء ۱۱۸۴ھ میں یا اس سے کچھ پیشتر ہو چکی تھی [۳]

---

[۱] تذکرہ شعرائے اردو صہ ۲۰۸

[۲] " " " صہ ۱۲۶

[۳] بحوالہ دستور الفصاحت صہ ۶۷ تا ۷۰

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میر حسن نے تذکرہ شروع کیا تو ان کے سامنے میر تقی میر کی تلخ تنقیدیں اور بے درد اصلاحیں اور قائم کی معتدل رائیں موجود تھیں جنکا حوالہ تذکرہ ہذا میں بار بار ملتا ہے۔ تذکرہ ریختہ گویان گردیزی کا حوالہ نہیں ملتا۔ عام حالات کو دیکھتے ہوئے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جس ادبی گروہ بندی نے گردیزی سے جواب لکھوایا تھا۔ اس نے تذکرہ کی شہرت میں بھی ہاتھ بٹایا ہوگا۔ میر تقی میر کے کئے گئے پوسٹ مارٹم کی دردناک کہانی زیب داستاں کے لئے سنی اور سنائی جاتی رہی ہوگی۔ مجلسوں اور مراختوں میں تذکرہ گردیزی کا بار بار ذکر آتا رہا ہوگا۔ تذکرہ شعرائے اردو میں فتح علی حسینی گردیزی کا ذکر نہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے مگر دوسرے تذکروں کے مطالعے سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے۔ میر حسن کے یہاں میر و قائم کے حوالے اصلاح سخن، حالات زندگی۔ اور تنقید کلام کے سلسلے میں آتے ہیں۔ گردیزی کے تذکرے کی ادبی اہمیت کے بارے میں جو فیصلہ فی زمانہ کیا گیا ہوگا اس زمانے میں بھی غالباً پڑھے لکھے لوگ اسی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ میر حسن کے یہاں حوالہ نہ ملنا ادبی بددیانتی نہیں تنقیدی صلاحیتوں کا ثبوت ہے۔ میر و قائم کی مثالیں سامنے تھیں۔ میر تقی میر شاعرانہ حیثیت اور تنقیدی صلاحیت کی وجہ سے دلوں پر حکومت کر رہے تھے۔ غزلوں کی تقلید عام تھی۔ میر حسن ضیاء کے شاگرد تھے۔ میر سے دامن بچا کر نہیں چل سکتے تھے۔ ہونا یہی چاہئے تھا کہ میر حسن رنگ تغزل کے ساتھ رنگ تنقید کے بھی پیرو ہو جاتے ہیں یا پھر دوسرا راستہ یہ تھا کہ میر کی خامیوں کی طرف انگلی اٹھاتے ایک اچھے نقاد کی طرح میر حسن نے تذکرہ شعرائے اردو کو دونوں خامیوں سے بچا کر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اعتدال پسندی، میانہ روی، اور انصاف پسندی کی داد دی۔

قائم نے مخزن نکات میں تاریخی ترتیب کے لحاظ سے تین دور میں پختہ گویوں کو تقسیم کیا۔ ان کا یہ اضافہ اس دور میں ایک بہت بڑا کارنامہ تھا۔ میر حسن نے اسی بنیاد پر شعرا کو تین ادوار میں تقسیم کیا۔ پڑھنے والوں کی آسانی مدنظر رکھتے ہوئے داخلی طور پر کی گئی یہی تقسیم میر حسن کی جدت طبع کا ثبوت ہے۔ اس کے علاوہ قائم سے جہاں استفادہ کیا گیا ہے باقاعدہ حوالہ موجود ہے۔ میر تقی میر کے تذکرہ نکات الشعرا کے حوالے اکثر حالات زندگی اور اصلاح سخن کے سلسلے میں آئے ہیں۔ کہیں ان کی رائے سے اتفاق کیا گیا ہے کہیں اختلاف۔ کبھی میر کی غلط فہمی دور کی گئی ہے تو کہیں ان کی اصلاح پر مزید اصلاح یا نکتہ دانی کے جوہر دکھائے گئے ہیں۔ میر کی سیرتوں، اصلاحوں اور تنقیدوں کے شیدائی مخزن نکات کی طرح تذکرہ شعرائے اردو کو بھی داستان میر سے منسلک کر دیتے ہیں۔ ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں:

"اصولاً یہ تذکرہ بھی داستان میر سے متعلق ہے لیکن اعلاناً میر حسن نے قائم کے تذکرے کو اپنا ماخذ قرار دیا ہے"

تذکرہ کے دیباچہ میں یا خاتمہ کی عبارت میں کہیں میر حسن نے مخزن نکات کو ماخذ قرار نہیں دیا ہے جو الے میر تقی میر اور قائم ہر دو اصحاب کے ملتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی "اعلاناً" سے مراد ادوار کی تقسیم سے ہے تو ان کا فرمانا بجا ہے اس طرح میر حسن قائم کے خوشہ چیں کہے جا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اگر میر کے دبستان تذکرہ کی مجموعی خوبیوں کو ذہن میں رکھا جائے تو قریب قریب اس دور کے تمام تذکروں کا سلسلہ نکات الشعرا سے مل جائے گا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میر تقی میر، قائم، اور میر حسن عموماً خاں آرزو کی پیروی کرتے ہیں۔ تذکرہ شعرائے اردو کی داخلی شہادتیں جن سے میر حسن کی انفرادیت جھلکتی ہے۔ دبستان میر کی لگائی ہوئی تہمت کے سلسلہ میں پیش کی جا سکتی ہیں۔ تنقیدیں ملاحظہ کیجیے۔ اصلاحوں اور سیرتوں کے مرقعے دیکھیے، انتخاب کلام پر نگاہ ڈالیے ہر جگہ پاکیزہ مذاق استاد کا قلم نکتہ سنجی کی داد دے رہا ہے [۱]

میر تقی میر لکھتے ہیں:

"حاتم مرد لیست جاہل متکمن و قطع وضع دیرہ آشنا غنا ندارد دریافتہ نمی شود کہ ایں رگ کہن کہ ہمچو من دیگرے نیست بسبب شاعری یا وضع او ہمیں است" [۲]

میر حسن لکھتے ہیں:

"شاعرے ست صاحب کمال دپسندیدہ افعال عالی فطرت و بلند ہمت معاصر میاں آبرو و دو دیوان۔ ترتیب دادہ یکے بزبان قدیم بطور ابہام و دوم بزبان حال ادائیہ" [۳]

---

[۱] تذکرہ شعرائے اردو دیباچہ شیروانی صہ ۳

[۲] نکات الشعراء صہ ۷۵

[۳] تذکرہ شعرائے اردو صہ ۴۶

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میر تقی میر:

خاکسار شخصے است خادم درگاہ قدم شریف حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شعر ریختہ می گوید و خود را دوم میگذارد و بسیار سفلگی می کند بلکہ از تنگ آمدی بنائے ریختہ را آب رسانیدہ۔ فخر او ہمہ بر ریختہ است طرفہ ایں آں ہم نام لوط و خدا و ہمہ نادرست [1]

میر حسن:

غنچہ باغ مکرمت وقار محمد یار خاکسار مردے بود خادم درگاہ قدم شریف رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم

اس تعارف کے بعد میر تقی میر کی غلط فہمی کا جواب دیتے ہوئے خاکسار کی سیرت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"میر تقی میر در تذکرہ خود نوشتہ است کہ خود را بسیار دور می کشد غالبہ کہ ایں حرف راست نہ باشد و بر تقدیر اگر دور کشید بہ نزدیک ایں فقیر بجاست شخصے کہ خادم چنیں مقام مقدس باشد اگر دماغ بر فلک رساند رواست دیگر دلیل بر بطلان ایں ہا ایں کہ اگر ہم چنیں می بود خاکسار تخلص نمی نمود مگر

---

[1] نکات الشعراء ص ۱۱۴

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

در مزاج متانتے نخواہد بود" [1]

میر تقی میر:

"ایں قدر بر خود چیدہ است کہ رعونت فرعون پیش
او پشت دست بر زمین می گذارد بعد از ملاقات
ایں قدر معلوم شد کہ ذائقہ شعر فہمی مطلق نہ دارد" [2]

میر حسن:

"بسیار نیک مزاج و میرزا نشش بود صاحب دیوان
ست از بس کہ اشتہار دارد محتاج تعریف نیست"

میر کے لگائے ہوئے الزام دکہ یقین کا دیوان منظہر کا کہا ہوا ہے) پر میر حسن کو یقین نہیں آتا لکھتے ہیں "میر الیقین نہ بود" مرزا رفیع سودا اور میر سوز، میر تقی میر کی روایت کو صحیح مانتے ہوئے میر حسن کے سامنے گواہی دیتے ہیں اس کے باوجود "واللہ اعلم کہہ کر اشعار کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ مرزا رفیع سودا سوز جیسی برگزیدہ ہستیوں کے فیصلے سننے کے بعد بھی میر حسن یقین کی شاعری کے متعلق کسی عصبیت کا شکار نہیں ہوتے رائے دیتے وقت منصف مزاج نقاد کی طرح لکھتے ہیں "اشعارش بسیار نمکین و مؤثر اند سخن او خالی از درد مندی نیست"

---

[1] تذکرہ میر حسن ص ۱۱۴

[2] نکات الشعراء ص ۸۲، ۸۳

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

یقین کے اردو شعرا اور آنند رام مخلص کے فارسی شعر کو میر حسن اتفاقیہ توارد خیال کرتے ہیں۔

کیا بدن ہوگا کہ جسکے کھولتے جامے کا بند — برگ گل کی طرح ہر ناخن معطر ہوگیا (یقین)

"ناخن تمام گشت معطر چوں برگ گل — بند قبائے کیست کہ وا می کنیم ما (مخلص)[1]

مخلص یقین کے ہم عصر تھے "ذالقہ شعر فہمی مطلق ندارد" پر یقین رکھنے والے یقین پر سرقہ کا الزام عاید کرتے ہیں میر حسن اس توارد کو اتفاق سے تعبیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "معلوم نیست کہ ایں معنی در اصل کیست" حالانکہ میر تقی میر نے نکات الشعرا میں یقین کے اسی شعر کو نقل کرتے ہوئے لکھا تھا۔

"اگرچہ اکثر شاعران ریختہ را متنزل بند یافتہ ام متبذل می گویند و توارد می مانند گویا ایں شعر استاد در فن ایشان است"

ہر چہ گویند لیے محل گویند — در توارد غزل غزل گویند

لیکن شعر یقین لفظاً لفظاً متبذل رائے آنند رام مخلص است طرفہ تر ایں کہ آنہم در سلیقہ سرقہ یکہ بودہ است"[2]

یقین پر لگایا گیا الزام اور مخلص کا فارسی شعر آپ کے سامنے ہے اب ذرا فارسی شعرا کے ان اشعار پر نگاہ ڈالئے اور پھر فدائے سخن کے اشعار دیکھئے ؎

---

[1] تذکرہ شعرائے اردو ص ۲۰۱، ۲۰۲

[2] نکات الشعرا ص ۸۴

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مدار صحبت ما بر حدیث زیر لبی است — کہ اہل بزم عوام اند و گفتگو عربی است (میر)

ہر اک سے کہا نیند میں پر کوئی نہ سمجھا! — شاید کہ مرے حال کا قصہ عربی تھا (میر)

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم! — کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است (نظیری)

جس جا سے سراپا میں نظر جاتی ہے اُسکے — آنکھ ہے مرے دل میں یہیں عمر بسر ہو (میر)

اسی دور کے ایک اور فارسی شناع کا شعر ہے ؎

طالع شہرت رسوائی مجنوں بیش است — ورنہ طشت من او ہر دو زیک بام افتاد

میر کا شعر ہے ؎

پیشہ تو ایک ہی تھا اس کا ہمارا لیکن — مجنوں کے طالعوں نے شہرت میں یاوری کی

میر تقی میر کے ان اشعار کو کس خانہ میں رکھا جائے؟ اگر مخلص کے فارسی شعر کو دیکھ کر یقین پر سرقہ کا الزام لگایا جا سکتا ہے تو میر ان اشعار کی بنا پر اس الزام سے کیسے بری کئے جا سکتے ہیں۔ یہی نہیں سودا و قایم وغیرہ کے دواوین سے ایسے سیکڑوں اشعار مثال کے طور پر پیش کئے جا سکتے ہیں۔

میر تقی میر کے متعلق عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ ان کی سیرت نگاری کے جوہر قرلباش خاں امید، میاں شرف الدین محمد شاکر ناجی، کرم اللہ خاں درد، میاں شہاب الدین اور مرزا رفیع سودا کی سیرتوں میں کھلتے ہیں۔ اس عذر سے میر کے فرائض کسی طرح کم نہیں ہوتے۔ ذاتی مخالفت کا شکار ہو جانے والا سوانح نگار سیرت کی تصویر پیش ہی نہیں کر سکتا۔ اس کے برخلاف میر حسن کو دیکھئے۔ معین بدایونی اُن کے کلام پر بے جا اعتراض کرتے ہیں۔ جب دستور میر حسن میرزا رفیع سودا کی سند پیش کرتے ہیں جس کو معین یہ کہہ کر ٹھکرا دیتے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہیں کہ "دیوان مرزا من صحیح دارم" معین کی اس جرأت سے دوسرے نقاد بے قابو ہو جاتے ہیں مگر میر حسن اس رد و قدح کے بعد بھی ان کی سیرت و شاعری پر کس انداز سے اظہار خیال کرتے ہیں ۔

معین بدایونی :۔

شہرستان معانی و بیانستان سخن دانی، طبیعتش بہ غایت متین ۔ نظمش نہایت مبین شیخ محمد معین الدین معین از شہر بدایوں است ۔۔۔۔ باوجود این ہمہ خود آرائی و خود پسندی مثل او ہمہ صاحب طبع پیدا نیست مثنوی و قصیدہ و ہجو ہمہ خوب می گوید" [1]

غور فرمائیے معین کے متعلق لکھتے ہیں "مثنوی و قصیدہ و ہجو ہمہ خوب می گوید" مرزا رفیع سودا کی شاعرانہ حیثیت پر روشنی ڈالتے ہوئے اظہار خیال کرتے ہوئے "در قصیدہ و ہجو ید بیضا دارد"

معاصرین میں نعیم اللہ نعیم عام طور پر بہ خود غلط مشہور تھے، میر حسن ذاتی طور پر ان سے ناواقف تھے۔ لہٰذا بلا جھجک لکھ دیا "بندہ او را ندیدہ است مگر بعضے جستہ جستہ خوب می گوید"

مصحفی کے یہاں یہی انداز ملتا ہے۔ انشا کی شاعری کے بارے میں لکھتے وقت مصحفی نے جس بلندی کردار کا ثبوت دیا ہے شاذ و نادر ہی ملتی ہے۔ میر حسن کا پورا تذکرہ ایسی مثالوں سے بھرا پڑا ہے۔ صرف مخبوں

---

[1] تذکرہ شعرائے اردو ص ۱۶۵

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کا ذکر دیکھ کر پڑھنے والے کو یہ احساس ہوتا ہے کہ مولف جذبات پر قابو رکھنے میں ناکام رہا مگر مجنوں کے اشعار پڑھنے کے بعد ہمارا ذوق شعری بے اختیارانہ ہمنوائی پر مجبور ہو جاتا ہے۔

مجنوں۔ شاہ مجنوں، مجنوں تخلص نو مسلم نیرہ نیش ناتھ کہ دیوان محمد شاہ بود پدرش نیز ہماں مذہب داشت، ایں غریب مسلماں شد لیکن تا حال بوئے کفر و نفاق از دلش نہ رفتہ سر و پا برہنہ با حال پریشاں می گردد۔ پیشتر حسرت تخلص کردہ بعدہ مانی نمود چوں بہ صحبت میر انشاء اللہ خاں رفت مجنوں تخلص کرد خود را از شاگردان میر تقی میر می شمارد لیکن ہماں مثال است خر عیسیٰ اگر بہ مکہ رود، با آید ہنوز خر باشد از دست۔[1]

پھر اب یہ جی چلا ہے کل دوں قرار ٹھہرا
کہتا ہے مجھ سے چل بے توکب کا یار ٹھہرا
بوسے کے بدلے گالی دے بیٹھا مجھ کو جب تب
تو اپنے منہ آپ ہی بے اعتبار ٹھہرا

میر حسن کی منصف مزاجی انصاف پسندی اور اہلیت کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے مختلف سیرتوں کی جھلکیاں دیکھتے چلئے جنہیں دیکھنے کے بعد ان کی مصورانہ صلاحیتیں سامنے آجاتی ہیں۔

اثر۔ از فصحائے نامدار و علمائے کامگار خوش اوقات نیک سعید عرف محمد میر المتخلص بہ اثر دہلیئے است موقر مصاحب سخنے است موثر

---

[1] تذکرہ شعرائے اردو ص ۱۶۶

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

عالم فاضل رتبہ قدرش بغایت بلند گوہر ملارش نہایت ارجمند
برادر خورد خواجہ میر درد۔ در خدمت برادر بزرگوار خود گوشہ نشینی
اختیار کردہ و قدم بر جادہ بزرگان خود نہادہ" [۱]

فضل علی دانا "با بیگانہ بیگانہ و با آشنا آشنا میان فضل علی المتخلص بہ
دانا جوان محمد شاہی سیہ فام ریش بلند از قوم افغان بود با ہم
معاصرین خود نوش طبعی داشت بہ آن خوبصورتی اکثر لباس سیاہ
می پوشید، یاراں بر وضع او خندہ کردند و خود ہم متبسم می فرمود
غرض مردہ زندہ دل بود" [۲]

فضائل علی بے قید "جوان محمد شاہی بود خوش خوراک و خوش پوشاک بہ کمال
خوبی لیرمی برد در شنیدہ بازی و صحبت داری کامل بود دردمند
داشت" [۳]

مدعا "مرد ہشتاش و لبشاش کشادہ پیشانی، خوش معاش متواضع و
بار باش مساعی بے نظیر و منشی خوش تحریر مخزن اشعار غرا معدن
انشا و املا المتخلص بہ مدعا" [۴]

---

[۱] تذکرہ شعرائے اردو ص۔

[۲] تذکرہ شعرائے اردو ص ۶۳

[۳] تذکرہ شعرائے اردو ص ۱۱۸

[۴] تذکرہ شعرائے اردو ص ۱۴۲

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جوہر "مردے بود در نہایت خلق و اخلاق در صحبت داری و یار باشی چالاک و چست و در کار آشنائی ہا درست" [۱]

حیرت :- "از شاگردان میاں حسرت جواں است چمک او، نوش خلق و نیک خو کلمہ من نمکین و بیائش شیریں در علم موسیقی و ستار نوازی نیز دستے بہم رسانیدہ بسیار درچند است" [۲]

شاعر :- جوانے مست بہ کمال صلاحیت آراستہ بہ علم عمل پیراستہ اہل دل منصف متواضع مودب بزرگ و بزرگ زادہ دیوان ریختہ مرتب کردہ و پیشتر رباعیات بہ لطور میر سوز عمدا گفتہ" [۳]

فضل علی دانا، فضائل علی بے قید" مدعا حیرت اور شاعر کی سیرتوں کے خاکے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ میر حسن سیرت نگاری میں بھی حقیقی اوصاف بیان کرکے خوبصورت مرقعے پیش کرتے تھے۔

میر حسن نے مذکورہ بالا سیرتوں کے خاکے میں ظاہری اور باطنی خصوصیات کا مطالعہ کرنے کے بعد رنگ آمیزی کی ہے۔ فضل علی دانا کو جوان محمد شاہی سیاہ فام بلند ریش بنا کر لکھتے ہیں کہ "یہ آن خوبصورتی اکثر عباس سیاہ می پوشید" اس لباس کو دیکھ کر دانا کے دوست عموماً مسکرا دیا کرتے تھے۔ مگر خوش طبعی کا یہ حال

---

[۱] تذکرہ شعرائے اردو ص ۱۴۲

[۲] تذکرہ شعرائے اردو ص ۴۴

[۳] تذکرہ شعرائے اردو ص ۹۵

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تھا کہ برا ماننے کے بجائے فضل علی خود بھی مسکرا دیتے تھے۔ فضائل علی بے قید کو خوش خوراک و خوش لباس بتایا ہے ساتھ ہی ساتھ فن شبیہ بازی و محبت داری کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ جرأت کو صرف چیچک رو خوش خلق و نیک خو لکھتے تو سیرت کا خاکہ مکمل نہ ہوتا۔ ضروری تھا کہ ان کی ستار نوازی کا بھی ذکر کیا جاتا چنانچہ میر حسن لکھتے ہیں "در علم موسیقی و ستار نوازی نیز دستے بہم رسانیدہ"

مختلف شعرا کی سیرتوں کے خاکے دیکھ کر یہ کہنا درست نہیں معلوم ہوتا کہ میر حسن نے حقیقی اوصاف بیان کرنے کے بجائے مبالغہ و سخن طرازی سے کام لیا ہے جس کی وجہ سے تصویریں عبارت آرائی کی نذر ہو گئیں۔

اصلاح و تنقید:۔

ہمارے ابتدائی تذکرے عموماً "بسیار خوش فکر و تلاش لفظ تازہ می کند، شعر او خالی از لطف نیست، شعر ریختہ را نیکو می گوید، مصرع را موزوں درست می کند، خوب می گوید خوب می فہمد، شعر را بشگفتگی و رنگی می گوید، ریختہ را ہموار می گوید، ریختہ را تلاش الفاظ و معنی تازہ میگفت، بسیار با نمک گفتہ و گوہر معنی شفتہ، طرزش عاشقانہ و سخنش دردمندانہ، شاعر مربوط گو و وقت پسند بود، ہنوز از مرتبہ موزونیت نیادرہ..... جیسے اشاروں پر مبنی ہے۔ جن سے عام طور پر پڑھے لکھے لوگ اپنے تنقیدی سرمایہ سے بدگمان ہو گئے جزمایہ بدگمانی۔ درست ہے لیکن ان جستہ جستہ اشاروں سے ہم میر گردیزی، قایم و میر حسن کے تنقیدی نظریات کو ترتیب دے سکتے ہیں جو آج بھی انتقاد ادبیات کے سلسلہ میں درست مانے جاتے ہیں مثلاً شاعر کے لئے دردمند دل اولین شرط ہے اسکے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بغیر اشعار میں سوز و گداز نہیں پیدا ہو سکتا تلاش الفاظ و معنی تازہ سے شاعر کی انفرادیت اور اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے شاعری قافیہ پیمائی کا نام نہیں۔ الفاظ رنگیں کو سربلندی عطا کرنا سب کے بس کی بات نہیں علم و معنی و بیان سے بھرپور واقفیت اور فن کے رموز و نکات کو سمجھے بغیر الفاظ سے صحیح کام نہیں لیا جا سکتا معنی کے ساتھ کلام کا مرلہ مادہ ضبط ہونا بھی اپنی جگہ اہمیت رکھتا ہے۔

میر امن میر حسن کے یہاں ان اشعار کی علاوہ اشعار پر دی گئی اصلاح دیکھ کر ان کی تنقیدی صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا ہے میر کی بے پایاں تنقیدی صلاحیتوں کو ان کے دماغی اور جذباتیت نے نقصان پہونچایا جس کی وجہ سے اصلاح دیتے وقت ان کا قلم اکثر و بیشتر نشتر بن جاتا ہے مگر میر حسن کے یہاں عدل و انصاف کی بے اندازہ قوت کے ساتھ ہمدردانہ جذبے نے ناقدانہ بصیرت افروزیوں کو چار چاند لگا دیئے۔ مثلاً

حاتم: ہائے اس بے درد سے ملا کیوں تھا آگے آیا میرے کیا میرا

میر صلاح دیتے ہیں:۔ مبتلا آشنا میں ہوں اب میں آگے آیا میرے کیا میرا

یقین مجنوں کی خوش یقینی کرتا ہے داغ حیرت کیا عیش کر گیا ہے ظالم دیوانے پن میں۔

اگر بجائے خوش یقینی خوش معاشی می گفت ایں شعر لیلیٰ را مزہ شد (میر)

حاتم کے شعر پر دی گئی اصلاح تنقیدی بحث سے خارج ہے یقین کے شعر میں بھی بڑی حد تک وہی انداز پایا جاتا ہے۔ عجیب اتفاق ہے کہ میر حسن بھی یقین کے اسی شعر کا انتخاب کرتے ہیں۔ میر کی اصلاح موجود تھی مگر وہ اسے موضوع بحث بنانا مناسب نہیں سمجھتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان اصلاحوں کو شاعرانہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اصلاحوں میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں ان سے میر کی فطری کمزوریوں کا اندازہ ضرور ہو جاتا ہے۔ خاکسار کے شعر پر دی گئی اصلاح دیکھ کر اہل ذوق میر تقی و میر حسن کی تنقیدی صلاحیتوں کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔ اس شعر پر پہلے تو میر تقی میر نے اصلاح دی حسن ان کی شاعرانہ عظمتوں کے قائل ہونے کے باوجود اسے جائز نہیں سمجھتے۔ اور بلا جھجک اظہار خیال کر دیتے ہیں۔ خاکسار کا شعر ؎

خاکسار اس کی آنکھوں کے گھبے مت لگیو مجکو ان خانہ خرابوں نے ہی بیمار کیا

میر لکھتے ہیں :۔ ایں من پوشیدہ نیست کہ بمائے کیا گرفتار کیا

میر حسن لکھتے ہیں :۔ اگر چشم خود بود گرفتار مناسب بود چوں ایں جا چشم معشوق است بیماری صحت وارد ؟

میر حسن کی تنقیدی صلاحیتوں کا مزید اندازہ سجاد و معین الدین بدایونی کے اشعار پر دی گئی اصلاحوں سے کیا جاسکتا ہے :

سجاد :۔ تجھے غیر سے صحبت اب آ بنی ایسی دوستی ہم سے ہے دشمنی

لفظ ایسی دوستی زمان قدیم است یعنی برائے ہمیں ؟

معین :۔ لخت دل نہیں جو نکلے ہے نت آنکھ تلک پرزے حال اپنے کے بھیجے ہیں تجھے ڈاک میں ہم

میر حسن اس شعر پر اصلاح نہیں دیتے صرف بندش کی خامی اور محاورے کی غلطی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "بندش درست نیست ہر کہ محاورہ دانست می داند" محاورہ ڈاک میں بھیجنا نہیں ڈاک سے بھیجنا ہے۔ میر حسن کو اسی لئے اعتراض تھا۔ انھیں کے دوسرے اشعار پر اصلاح دیتے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

خوش ہمہ عریانی ناموزوں است چراکہ ہم باراں چناں
چسپیدہ است کہ عین چوں چشم غزال از میاں رم کردہ است
وایں سخت عیب است"

..... نہ آیا یار دوپہری بھی اب ڈھلی افسوس
مصرعہ اولیٰ از خاطر فتہ ایں محاورہ دستے نیست
مردم شاہ جہاں آباد "دوپہر ڈھلی" می گویند نہ دوپہری
مگر مردم بیرونجات"۔

بے تاب ہو ترنگ جو نافوس میں ہو شمع یارب کوئی اسیر بت خانگی نہ ہو
"مضمون خوب یافتہ مگر لفظیات خانگی نامانوس است فقیر
در بیج جا نشیدہ"۔

ان مثالوں کو دیکھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ قدرت نے میر حسن بلند پایہ شاعر اور قابل قدر نقاد کی خصوصیات عطا کی تھیں وہ کلام کے محاسن و عیوب کے قیاض ہی نہیں طرز و اسلوب کو پہچاننے میں بھی بڑی مہارت رکھتے تھے۔ انہوں نے اردو فارسی شعرا کے کلام پر عبور حاصل تھا۔ مختلف ادوار کی خصوصیات کے ساتھ ان کی انفرادی طرز کو بھی بخوبی پہچانتے تھے۔

میر کلو المتخلص بہ شاعر خواجہ میر درد کے داماد تھے۔ میر حسن نے انھیں مصنف متواضع، بزرگ و بزرگ زادہ جیسے الفاظ سے یاد کیا ہے مگر کلام پر رائے دیتے وقت بغیر کسی رعایت کے لکھتے ہیں "بیشتر رباعیات بعلو میر سوز عمداً گفتہ"۔

میر عبدالحی تاباں حسن یوسفی کے حامل تھے، تمام عالم ان کے حسن کا فریفتہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تھا حسن ظاہری سے کلام کی دھوم مچ گئی میر جیسا نقاد تجزیہ کرتے ہوئے لکھتا ہے
زبان رنگینش پاکیزہ تر از برگ گل، گلستان سخن نازک دماغ بلبل، سمندر رنگینی
نکرش باگلگوں باد بہار طایق النعل بالنعل است" یہی نہیں بلکہ ان کے کلام
کی بلندی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "نسبت بہ شعرا ہذا استاد اور ارتبہ
شاگردی او نبود"

میر حسن کی نگاہیں تاباں کے کلام کی تمام خوبیوں اور اس کی گرم بازاری
کی تہہ تک پہنچ جاتی ہیں، اور سمجھ جاتے ہیں کہ گرم بازاری ریختہ ازاں شعلہ رود و بالا
شعرا کے ادبی مرتبے کا تعین عام طور پر نقادوں کے لئے انتہائی مشکل ہوجاتا
ہے لوگ ذاتی تعلقات یا مخالفت سے اتنا ملتاثر ہوکر افراط و تفریط کے شکار ہو
جاتے ہیں اساتذہ کے ادبی مرتبے کا تعین اکثر تاریخ میں نزاعی مسئلہ بن چکا ہے اور
پھر یہاں میر تقی میر اور سودا جیسے جگت استادوں کی بات ہو۔ ایسی کٹھن غزلوں
سے بھی میر حسن بخوبی گزر جاتے ہیں اور غیر جانبداری عدل و انصاف کا دامن
نہیں چھوڑتے کلام کے بارے میں وہی رائے دیتے ہیں جو آج بھی مستند مانی
جاتی ہیں میر کے بارے میں لکھتے ہیں "رباعی و غزل و قصیدہ ہجو و مدح ہمہ می
گوید لیکن آنچہ گوید از غزلیات کہ بسیار بہ انداز طرز از دمی تراود، سودا
بحیثیت غزل گو ایک مخصوص مقام کے حامل ہیں۔ مگر میر حسن کہتے ہیں "در قصیدہ
و ہجو بدیں پایہ نیاورد" اور یہی حقیقت بھی ہے۔

تاریخ و سنین: مصحفی سے پہلے لکھے گئے تذکروں میں تاریخوں اور سنوں
کی طرف بہت کم توجہ کی گئی ہے۔ قایم کے تذکروں میں ایسی مثالیں پائی جاتی ہیں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جنکو سامنے رکھ کر تاریخوں اور تذکروں کی امداد سے تاریخیں متعین کی جا سکتی ہیں اور سنوں سے واقفیت ہو سکتی ہے میر تقی میر اور گردیزی کے تذکروں میں یہ خامی اپنی انتہا کو پہونچ گئی ہے میر حسن نے بھی تاریخوں اور سنوں کی طرف خصوصیت سے دھیان نہیں دیا مگر تذکرہ شعرائے اردو میں رلیا تھ سنگھ، شاہ نفیع، قادر، قربان، عارف، مظہر، میر تقی میر اور مشتاق کے حالات سے تاریخوں اور سنوں کا اندازہ بھی کسی حد تک کیا جا سکتا ہے!

شاہ نفیع :- بزرگانش از مردم طالقان اند کہ بہ طرف طوران زمین است عمرش قریب صد سال رسیدہ است" [۱]

رلیا تھ سنگھ :- "محرر دلپذیر و مورخ بے نظیر صاحب کمال بہ سن ہفتاد و سال" [۲]

قادر "از اوایل مذاق درویشی داشت چوں عمرش بہ پنجاہ متاد رسید" [۳]

قربان :- "جوان بست سالہ سپاہی پیشہ بود" [۴]

عارف "رفو گر ست حالا سن او قریب ہفتاد رسیدہ باشد" [۵]

مظہر "سن سریش نزدیک بہ نود رسیدہ باشد" [۶]

---

[۱] تذکرہ شعرائے اردو ص ۱۲۶

[۲] تذکرہ " " ص ۳۸

[۳] " " " ص ۱۲۷

[۴] " " " ص ۱۳۵

[۵] " " " ص ۱۰۷

[۶] " " " ص ۴۷

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میر تقی میر:۔ الحال در شاہ جہان آباد است سن او قریب شصت رسیدہ[1]

مشتاق:۔ ظاہرا بہ پیشہ معلمی جائے قرار دارد عمرش قریب شصت رسیدہ باشد[2]

انتخاب کلام:۔ مذکرہ شعرائے اردو میں مختلف شعرا کے کلام پر دی گئی اصلاحوں اور تنقیدوں کو دیکھنے سے میر حسن کی تنقیدی نظر اور نکتہ رسی جھلکتی ہے تو انتخاب کلام سے پاکیزگی مذاق اور سخن فہمی کا اندازہ ہوتا ہے میر حسن کے تذکرے کو دبستان میر کے منسلک کرنے والے ناقدین بھی ان کی اس خوبی کو مانتے ہیں نکات الشعرا اور مخزن نکات کے مولفین کی نکتہ سنجی اور سخن فہمی اپنی جگہ پر مسلم حقیقت ہے لیکن میر حسن نے انتخاب کلام میں جس پاکیزگی ذوق اور نکتہ دانی کا ثبوت دیا ہے اس کی مثال کسی دوسرے تذکرہ نگار کے یہاں نہیں ملتی۔ میر و قائم نے اپنے تذکروں میں جن غزلوں کے اشعار کا انتخاب کیا ہے۔ میر حسن نے انھیں غزلوں میں سے ایسے اشعار انتخاب کر دیئے ہیں جنھیں دیکھ کر یہ ماننا پڑتا ہے کہ ان کا اشعار کو منتخب نہ کرنا گویا ذوق لطیف کا مذاق اڑانا ہے۔"

یہاں نکات الشعراء اور تذکرہ شعرائے اردو سے میر و قائم کے اشعار دیئے جاتے ہیں ؎

نکات الشعراء:۔ انتخاب میر:۔ نہیں وسواس جی گنوانے کے ہائے رے ذوق دل لگانے کے

---

[1] تذکرہ شعرائے اردو ص ۱۵۲

[2] " " " ص ۱۶۵

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مرے تغیر حال پر مت جا
اتفاقات ہیں زمانے کے

کام آتے کا نہیں ایک بھی یار آخر کار
ہاتھ سے جائے گا سر رشتہ کار آخر کار

مر گیا میں ملا نہ یار افسوس
ہائے افسوس صد ہزار افسوس

آنکھوں میں جی مرا ہے ادھر یار دیکھنا
عاشق کا اپنے آخری دیدار دیکھنا

گل کی جفا بھی دیکھی دیکھی وفائے بلبل
اک مشت پر پڑے تھے گلشن میں جائے بلبل

تذکرہ شعرائے اردو:۔

دم آخر ہی کیا نہ آنا تھا۔
اور بھی وقت تھے نہ آنے کے

چشم وا دیکھ کے ٹک کیجو چمن میں نرگس
آنکھوں میں جاتی رہیگی یہ بہار آخر کار

دل ہے داغ جدائی سے رشک باغ
تجھ کو بھی نصیب یہ گلزار دیکھنا

کی سیر جذب الفت گلچیں نے گل چمن میں
توڑا تھا شاخ گل کو نکلی صدائے بلبل

نکات الشعراء:۔ انتخاب قایم چاندپوری۔

نہ مرنے دیتے ہم قایم کو لیکن
خداوندی سے کچھ چارہ نہیں ہے

اے دل بر نگ غنچہ نہ مل گل رخوں سے تو
اپنی گرہ میں ان کے کھلانے کو زر نہیں

تذکرہ شعرائے اردو:۔

مرا جی تجھکو کیا یارا نہیں ہے
پر اتنا بھی تو ناکارہ نہیں ہے

مجھ سا کوئی جہاں میں شکستہ سر نہیں
ہے یوں تو زلف یار بھی پر اسقدر نہیں

مخزن نکات میں قایم اپنا یہ شعر منتخب کرتے ہیں:

کہیے اگرچہ لوٹنا کیا جائے غم ہے شیخ
کچھ قصر دل نہیں کہ بنایا نہ جائیگا

میر حسن کی نگاہ میں اسی غزل کے مطلع تک پہنچتی ہیں:

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

عہدے اس صنم کے برآیا نہ جائے گا　　یہ ناز ہے تو ہم سے اٹھایا نہ جائے گا

خواجہ میر درد کا انتخاب ملاحظہ ہو:

نکات الشعراء:-

اگر یوں ہیں یہ دل ستاتا رہیگا　　تو ایک دن مرا جی ہی جاتا رہیگا

میں جاتا ہوں دل کو تیرے پاس چھوڑے　　میری یاد تجھ کو رلاتا رہے گا

فنا ہو کے اے درد تو چیلا تو　　کہاں تک اپنا غم چھپاتا رہے گا

کبھو خوش بھی کیا ہے دل کسی رند شرابی کا　　بھرا دے منہ سے منہ ساقی ہمارا اور گلابی کا

ہم کس ہوس کی فلک تجھ سے جستجو کریں　　دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں

تذکرہ شعرائے اردو:-

بھلا کوئی تم میں سے اے ہمسفرو　　خبر گل کی ہم کو سناتا رہے گا

گل سے تری دل کو لے تو چلا ہوں　　میں پہنچونگا جبتک یہ آتا رہیگا

میں اپنا درد دل چاہا کہوں جس یاس عالم میں　　بیان کرنے لگا وہ قصہ اپنی ہی خرابی کا

نہ گل کو ہے ثبات نہ ہم کو ہے اختیار　　کس بات پر چمن ہوس رنگ و بو کریں

مٹ جائیں ایکدم میں کثرت نمائیاں　　گر آئینے کے سامنے ہم ایک ہو کریں

تذکرہ شعرائے اردو میں ایک تین سو چار شعراء کے حالات اور کلام کا انتخاب دیا ہوا ہے۔ میر تقی میر سودا قایم جیسے اساتذہ کے علاوہ کسی شاعر کا کلام اٹھائیے اور میر حسن کے انتخاب پر ایک ظائرانہ نظر ڈالئے ان کی نکتہ سنجی اور سخن فہمی کا اندازہ ہو جائے گا۔ جناب حبیب الرحمن خان شیروانی نے میر حسن کے تذکرے پر مقدمہ لکھتے ہوئے ان کی اس خصوصیت کو مختلف شعراء کے بکثرت انتخاب

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پیش کر کے واضح کر دی ہے میں نے بے جا طوالت سے قصداً پرہیز کیا ہے۔

تذکرہ شعرائے اردو میں بعض ایسی باتیں بھی معلوم ہو جاتی ہیں جن کی طرف ان کے پیش روؤں نے توجہ نہیں کی یا حقیقت تک رسائی نہیں ہو سکی۔ کلیم کی شاعری پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں "کتابے در شرہندی نیز ایجاد نمودہ" اس نثر کا ایک فقرہ بھی نقل کیا ہے "کل دن تھے بادشاہ اور وزیر آج کے دن ہو بیٹھے ہیں۔ اندھے و فقیر ایسی دولت سے رینسا۔ رینسا فاعتبروا یا اولی الابصار"

راجہ رام نرائن موزوں سراج الدولہ کی طرف سے عظیم آباد کے صوبہ دار تھے۔ سراج کے شہید ہونے کی خبر پہنچی تو دلی جذبات شعر کی صورت میں ڈھل گئے میر حسن اس واقعہ کی طرف تذکرہ میں یوں اشارہ کرتے ہیں "وقتیکہ خبر شہید شدن سراج الدولہ در شہر افتاد و ہماں وقت فی البدیہہ ایں شعر بمنجو اندواز خرداراں خرمی برسید و گریست"

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی دوانہ مر گیا آخر کو ویرانہ پہ کیا گزری

میر تقی میر نے نکات الشعراء میں "حسن" کی سیرت و شاعری پر لکھتے ہوئے غلطی سے ان کے نام سے میر ابوالحسن وحشت کے اشعار کا انتخاب کر دیا۔ میر حسن نے اپنے تذکرہ میں تصحیح کر دی۔ یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ میر نے نکات الشعراء میں حسن کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ سہواً میر ابوالحسن کی جگہ میر حسن لکھ دیا ہے جس سے یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے۔ اس بیان کو مانتے سے یہ قباحت پیدا ہو جاتی ہے کہ میر تقی میر نکات الشعراء میں میر حسن کا تخلص حسن بتلاتے ہوئے لکھے "ہیں کہ" در بندہ خانہ بتقریب مجلس تشریف می آورد۔ میر حسن تذکرہ شعرائے اردو میں لکھتے ہیں کہ "در ایام کہ مشاعرہ شاہجہاں آباد بہ خانہ خان آرزو مقرر بود تے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

شد کہ بقضائے الٰہی فوت شد"۔ مزید برآں میر تقی میر حسن کو نوکر پیشہ اور میر حسن اور ابوالحسن کو سپاہی پیشہ لکھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں میر تقی میر اور خان آرزو کے یہاں منعقد ہونے والی مجلسوں کے درمیانی وقفہ کو بھی ذہن میں رکھنا چاہیئے۔ اس طرح نکات الشعراء کے میر حسن کو میر حسن دہلوی ماننا زیادہ مناسب ہے۔

'مثنوی ہجو سرما" جس کا مطلع ہے 'سردی اب کے برس ہے اتنی شدید۔ صبح نکلے ہے کانپتا خورشید، قائم اور سودا کی کلیات میں موجود ہے مگر عام طور پر لوگ اسے سودا سے منسوب کرتے ہیں۔ میر حسن نے اس کے چار اشعار قائم کے نام سے درج کئے ہیں۔ کلیات سودا میں "مثنوی ہجو گرما" موجود ہے اس بنا پر مولوی عبدالحق صاحب اس مثنوی کو بھی سودا کی تخلیق سمجھتے ہیں۔ مولوی صاحب کا موسم گرما کی ہجو دیکھ کر ہجو موسم سرما کو سودا کی ملکیت قرار دینا قابل قبول نہیں معلوم ہوتا۔ خصوصاً اس وقت جبکہ قائم کے بہت سے اشعار سودا کے نام سے زبانوں پر چڑھے ہوئے ہیں۔ مثلاً قائم کا یہی شعر لیجئے ؎

کعبہ اگرچہ ٹوٹا تو کیا جائے غم ہے شیخ
کچھ قصر دل نہیں کہ بنایا نہ جائے گا

ہو سکتا ہے دونوں مثنویاں قائم کی ہوں۔

قائم کی ایک دوسری مثنوی بھی مقطع کے ساتھ ہے (کلیات سودا میں) جس کے متعلق عبدالحق صاحب بھی لکھتے ہیں کہ یہ مثنوی قائم ہی کی ہے جو غلطی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سے کلیات سودا میں درج ہوگئی ہے۔ ان مثنویوں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے منظوم قصّے بھی دونوں کلیات میں درج ہیں۔ کسی دستاویزی شہرت کی غیر موجودگی میں میر حسن کے بیان کو ماننا زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔

تذکرہ شعرائے اردو کے مطالعے سے ضمنی طور پر اس معاشرے کی خوبیوں اور خامیوں کی طرف بھی اشارے مل جاتے ہیں جہاں ہر شخص گرتی ہوئی دیوار کے لمحاتی سائے میں عیش و عشرت کی داد دے رہا تھا۔ میر عبدالحی تاباں کے حسن کا ایک عالم شیدائی تھا، ان کی شاعری دوسروں کے لئے ملاقات کا بہانہ بن گئی اور خود وہ سلیمان نامی لڑکے پر جان دیتے تھے۔ میر ضیاء الدین ضیاء احمد یار کو محبت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ آفتاب رائے رسوا سنو نامی لڑکے سے عشق کرتے تھے۔ مرزا علی رضا وہب علی کے شیدائی تھے۔ میاں صلاح نے سوہنا مکھن کے عشق میں اپنے تخلص "پاکباز" کے ساتھ مکھن کا اضافہ کر لیا تھا۔ تذکرہ شعرائے اردو میں میاں صلاح الدین مکھن و پاکباز لکھا ہے۔ خود میر حسن دہلوی جرأت کے بارے میں لکھتے ہیں "در صغر سن بہ شاہ جہاں آباد دیدہ ام بسیار خوش رو بود کہ بے اختیار دل را می ربود"

مگر اس اخلاقی پستی کے باوجود لوگ عموماً خوش اخلاق، سنجیدہ متین نیک شعار، مؤدب اور سادہ مزاج ہوتے تھے۔ بزرگوں کی عزت اور رکھ رکھاؤ کا رواج عام تھا بے حیائی اور بے غیرتی اس حد تک نہیں بڑھی ہوئی تھی جو فی زمانہ نظر آتی ہے۔ عیب چینی، بدگوئی اور نفاق پیدا کرنے والوں کو بُری نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ مذہبی تعلیم پر خاص توجہ دی جاتی تھی۔ عربی کا رواج

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نسبتاً کم ہوگیا تھا۔ مگر دستورِ زمانہ کے مطابق لوگ واقف ضرور ہوتے تھے فارسی کا رواج عام تھا۔ شعراء کی فہرست میں نوکر پیشہ، سپاہی پیشہ لوگوں کے علاوہ موتراش اور خبر رسانی کرنے والے بھی داخل ہوگئے۔ عیش و عشرت و کاہلی اور ذہنی پراگندگی کا شکار ہونے کے باوجود لوگ تیر اندازی کی مشق کرتے اور تلوار کے ہاتھ سیکھتے تھے۔ شعراء علم موسیقی کے ساتھ فن تیر اندازی و شمشیر زنی بھی سیکھتے تھے۔ حشمت رنگین شوق، افسوس، عاصمی، رند اور میر سوز وغیرہ تیر اندازی و شمشیر شناسی میں لاجواب تھے۔

ان خصوصیات کے ساتھ تذکرہ شعرائے اردو میں چند خرابیاں بھی پائی جاتی ہیں جن کی طرف لوگوں نے بار بار اشارے کیے ہیں۔ پہلا اعتراض یہ ہے کہ تذکرے میں عبارت آرائی سے کام لیا گیا ہے جس کی وجہ سے حقیقی اوصاف عبارت کی رنگینی میں روپوش ہوجاتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ اکثر واقعات کی صحت کا خیال نہیں کیا گیا ہے۔ مثلاً میر حسن نے سعدی دکنی کو سعدی شیرازی لکھ دیا ہے، حالانکہ ان کے سامنے نکات الشعراء موجود تھا۔ اس سلسلے میں مخزن نکات کا تجزیہ کرتے ہوئے ہیں۔ اس کا جواب دے دیا ہے، عرض صرف یہ کرنا چاہتا ہوں کہ میر حسن کے سامنے میر و قائم کے تذکرے موجود تھے۔ قائم نے سعدی شیرازی اور میر تقی میر نے سعدی دکنی لکھا تھا، قائم نے بوستاں کا حوالہ دیا تھا اور میر کے یہاں سعدی کے دکنی ہونے کا ثبوت نہیں دیا گیا لہذا میر حسن نے صاف صاف لکھ دیا:

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سعدی : "سعدی دکنی بعضے ایں را سعدی شیرازی
قرار دادہ اند و بعضے سعدی دیگر
یعنی دکنی واللہ اعلم "

لیکن اس کے بعد جب اشعار دیکھتے ہیں تو دل میں شبہہ پیدا ہوتا ہے۔ لکھتے ہیں "چوں زبان فارسی دریں شامل است اغلب کہ سعدی شیرازی است " ریختہ گویانِ دکن کے یہاں فارسی کا اتنا اثر نہیں ہوتا تھا جتنا کہ اس شعر میں ہے ؎

سعدی غزل انگیختہ شیر و شکر آمیختہ در ریختہ در ریختہ ہمہ شعر ہے ہمہ گیت ہے

عبارت آرائی کی مثالیں نکات الشعراء اور مخزن نکات میں بھی ملتی ہیں مگر وہاں یہ انداز دھیما ہے میر حسن کے یہاں نثر میں شاعری کی گئی ہے۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ اس عبارت آرائی کے پیچھے ایک مخصوص تہذیب اور ماحول کا عکس نظر آتا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کتابیات

(الف) قلمی

۱۔ انتخاب دیوان میر حسن مولانا آزاد لائبریری مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ
۲۔ تذکرہ بہار بے خزاں " " " "
۳۔ خوش معرکہ زیبا " " " "
۴۔ دیوان دادا اردو و فارسی " " " "
۵۔ دیوان میر حسن دہلوی " " " "
۶۔ دیوان میر حسن " " " "
۷۔ دیوان میر حسن ایشیاٹک سوسائٹی لائبریری کلکتہ
۸۔ دہ مجلس فضلی " " " "
۹۔ دہ مجلس " نیشنل لائبریری کلکتہ
۱۰۔ عیار الشعراء کتب خانہ انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ۔
۱۱۔ کلیات میر حسن ۱۲۲۷ھ مولانا آزاد لائبریری مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ
۱۲۔ کلیات میر حسن حبیب گنج کلکشن " " "
۱۳۔ کلیات میر حسن رضا لائبریری رام پور
۱۴۔ کلیات میر حسن ایشیاٹک سوسائٹی لائبریری کلکتہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

۱۵۔ مثنوی میر حسن ۔ مولانا آزاد لائبریری مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ
۱۶۔ مثنوی میر حسن با تصویر " " "
۱۷۔ مثنوی میر حسن " " "
۱۸۔ مثنوی سحر البیان (دو نسخے) رضا لائبریری رام پور
۱۹۔ مثنوی سحر البیان (تین نسخے) ایشیاٹک سوسائٹی لائبریری کلکتہ
۲۰۔ مثنوی سحر البیان با تصویر " " " "
۲۱۔ مدایح الشعرا رضا لائبریری رام پور

'ب' مطبوعہ

۱۔ آب حیات محمد حسین آزاد
۲۔ اردو تنقید کا ارتقاء ڈاکٹر عبادت بریلوی
۳۔ اردو تنقید پر ایک نظر کلیم الدین احمد
۴۔ اردو مثنوی کا ارتقا عبدالقادر سروری
۵۔ اردو شاعری پر ایک نظر جلد اول و دوم کلیم الدین احمد
۶۔ اردو کی تین مثنویاں خان رشید
۷۔ اردو تذکرے ڈاکٹر سید عبداللہ
۸۔ اردو شاعروں کا البم زوار حسین
۹۔ اردو غزل مع انتخاب ڈاکٹر یوسف حسین خاں
۱۰۔ اردو قصیدہ نگاری کا تنقیدی جائزہ۔ ڈاکٹر محمود الٰہی
۱۱۔ انتخاب زریں راس مسعود

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

۱۲۔ انتخاب سخن — حسرت موہانی
۱۳۔ بوستان اودھ — درگا پرشاد
۱۴۔ تاریخ ادب اردو — رام بابو سکسینہ
۱۵۔ تاریخ ادب اردو — ڈاکٹر محی الدین قادری زور
۱۶۔ تاریخ اودھ (پانچ جلدیں) نجم الغنی
۱۷۔ تاریخ مثنویات اردو — جلال الدین
۱۸ تحقیقی نوادر — ڈاکٹر آمنہ خاتون
۱۹۔ تذکرہ ابن طوفان — مرتبہ قاضی عبدالودود
۲۰۔ تذکرہ اعجاز سخن (حصہ اول) شیر علی خاں
۲۱۔ تذکرہ روز روشن — مظفر حسین
۲۲۔ تذکرہ ریختہ گویاں — گردیزی
۲۳۔ تذکرہ سرور — مرتبہ ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی
۲۴۔ تذکرہ شعرائے اردو . میر حسن
۲۵۔ تذکرہ مسرت افزا — مرتبہ قاضی عبدالودود
۲۶۔ تنقیدی جائزے — پروفیسر احتشام حسین
۲۷۔ تنقیدی حاشیے — مجنوں گورکھپوری
۲۸۔ جرأت اور ان کا عہد — ڈاکٹر ابواللیث صدیقی
۲۹۔ جلوہ خضر — صفیر بلگرامی
۳۰۔ چمنستان شعرا — شفیق اورنگ آبادی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

۳۱۔ حیات انیس	امجد علی اشہری
۳۲۔ خزانہ عامرہ	غلام علی آزاد
۳۳۔ دریائے لطافت	انشاء اللہ خاں
۳۴۔ دستور الفصاحت	مرتبہ عرشی رام پوری
۳۵۔ دکن میں اردو	نصیر الدین ہاشمی
۳۶۔ دلی کا دبستان شاعری۔	ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی
۳۷۔ دیوان حسن	میر حسن دہلوی
۳۸۔ دیوان درد	مرتبہ ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی
۳۹۔ رموز العارفین	میر حسن دہلوی
۴۰۔ ریاض الفصحا	مصحفی
۴۱۔ سخن شعرا	نساخ
۴۲۔ سراپا سخن	سید محسن علی
۴۳۔ سرو آزاد	غلام علی آزاد
۴۴۔ سودا	شیخ چاند
۴۵ سیر المتاخرین	غلام حسین طباطبائی (اردو ترجمہ)
۴۶ طبقات الشعراء	قدرت اللہ شوق
۴۷۔ طنز و ظرافت نمبر	علی گڑھ یونی ورسٹی
۴۸۔ طور کلیم	سید نور الحسن خاں
۴۹۔ عقد ثریا	مصحفی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

گلزار ابراہیم	خلیل
گل رعنا	عبدالحیٔ
گل بیخار	شیفتہ
گلشن ہند	مرزا علی لطف
لکھنؤ کا دبستان شاعری	ڈاکٹر ابواللیث صدیقی
مجموعۂ نغز	قدرت اللہ قاسم
مجموعۂ سخن حصہ اول و دوم	
مخزن نکات	قائم چاندپوری
معرکہ چکبست و شرر طبع ثانی	
مقدمہ شعر و شاعری	حالی
مقدمہ تاریخ زبان اردو	مسعود حسین خاں
مغل اور اردو	نصیر حسین خیال
میر تقی میر حیات اور شاعری	ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی
نکات الشعرا	میر تقی میر
نور اللغات	مولوی نور الحسن
واقعات انیس	میر مہدی حسن
یادگار انیس	امیر احمد علوی
ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں	ڈاکٹر گوپی چند نارنگ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

'ج' رسالے

آج کل — مارچ ۱۹۴۴ء

ادب لطیف — اکتوبر ۱۹۵۱ء

جادو کلکتہ

معاصر پٹنہ اول تا چہاردہم

نگار لکھنؤ — ۱۹۵۰ء

نگار مصحفی نمبر

نگار اصناف سخن نمبر ۱۹۵۷ء

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ered in Database

Signature with Date

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

103968 74.2/484

3319

नरेन्द्र मोहन, ले.

संकट दृश्य का नहीं लम्बी कविताएं. दिल्ली : नंप्र नवराज प्रकाशन, 1999.

62पे0

3325

परमानन्द सिंह,

सद्धम्मोपायनं. वाराणसी : बौद्ध आक[illegible] ग्रन्थमाला, 1993.

171पे0

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar